ڈاکٹر سلیم اختر

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

اُردو اصطلاح سازی

—— تاریخ، مسائل، مباحث ——

انتساب :

مشفق خواجہ کے نام

ترتیب

اصول :

تاریخ :

ترجمہ :

اردو:

عربی:

فارسی :

دارالترجمہ : جامعہ عثمانیہ :

ادارے :

اصُول

[مو]لوی وحید الدین سلیم

اصولِ اصطلاح سازی

وضع اصطلاحات یا اصطلاح سازی کا مسئلہ خاص طور پر نہایت اہم اور نہایت
[دل]چسپ ہے ۔ میں مدت دراز سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں ۔ انجمن ترقی اردو
[او]ر جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) نے اردو زبانوں میں علمی کتابوں کے ترجمہ کا کام اپنے ذمے
[لیا] ہے ۔ اس بنا پر آج کل اردو زبان میں وضع اصطلاحات کا مسئلہ بہت زیادہ مہتم
[بال]شان ہوگیا ہے ۔ ہر طرف یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ اصطلاحیں وضع کرنے کا کون سا
[طر]یقہ اختیار کرنا چاہیے ۔ درحقیقت یہی وہ وقت ہے کہ جب کہ ہمیں کسی اور موزوں
[طر]یقہ اصطلاح سازی کی جستجو کرنی چاہیے اگر آج اس راہ میں کوئی غلط قدم اٹھایا
[ت]و منزلِ مقصود تک پہنچنا دشوار ہو جائے گا ۔ اگر آج اس عظیم الشان علمی عمارت
[کی ب]نیاد رکھتے وقت پہلی اینٹ کج رکھی گئی تو پھر اس کی دیواریں چاہے ثریا تک بلند کی
[جائی]ں ہر دیوار کج ہوگی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ عمارت مرکز ثقل سے ہٹ کر زمین پر
[آ رہے]گی ۔

یہی ضرورت ہے جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ میں اصطلاح سازی کے اہم مسئلہ پر اپنے خیالات ارباب بصیرت کی خدمت میں پیش کروں چنانچہ میں نے ان اوراق میں وضاحت اور تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات درج کر دیے ہیں۔

اصطلاح کی ضرورت کیا ہے؟

اصطلاح کی ضرورت ایسی نہیں ہے جس سے لوگ آگاہ نہ ہوں اگر اصطلاحیں نہ ہوں تو ہم علمی مطالب کے ادا کرنے میں طول لاطائل سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ جہاں ایک چھوٹے سے لفظ سے کام نکل سکتا ہے، وہاں بڑے بڑے لمبے لمبے جملے لکھنے پڑتے ہیں اور ان کو بار بار دہرانا پڑتا ہے۔ لکھنے والے کا وقت جدا ضائع ہوتا ہے اور پڑھنے والے کی طبیعت جدا ملول ہوتی ہے۔ اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں، جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتے ہیں۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ اصطلاحیں وضع کرنے سے حافظہ پر بار پڑتا ہے سہولت اسی میں ہے کہ ہر اصطلاح سے جو معنی مطلوب ہوں وہ تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے جائیں۔ مگر ایسا کرنے میں یہی دقت ہے کہ لکھنے اور پڑھنے والے دونوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اور کاغذ کا صرف جدا ہوتا ہے۔ حافظہ پر بار پڑنے کی شکایت جو ان حضرات نے کی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو شخص کسی علم یا فن کو سیکھنا چاہتا ہے بس اسی علم یا فن کی اصطلاحیں اسے یاد کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے یہ باز پرس نہیں کی جاتی کہ وہ تمام علوم و فنون کی اصطلاحیں کیوں نہیں جانتا۔ یورپ میں بھی جہاں تعلیم عام اور جبری

کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو دنیا بھر کے علوم و فنون کی اصطلاحیں ازبر رکھتا ہو۔ ہر صاحبِ فن صرف اپنے فن کی اصطلاحات اور اس فن کی معلومات سے آگاہ ہوتا ہے۔

اصطلاحات ہی پر کیا موقوف ہے اگر آپ عام زبان پر غور کریں تو ہر لفظ ایک آوازی اشارہ ہے، جو خیالات کے ایک بڑے مجموعے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لفظوں کے بنانے کی ضرورت ہی اس بنا پر پیش آئی ہے کہ خیالات کے مجموعوں کو بول چال میں بار بار دہرانا پڑے تو بولنے اور سننے والے کا وقت ضائع نہ ہو اور ایک شخص کا مافی الضمیر دوسرے شخص کے دل میں آسانی سے اتر جائے۔

ان آوازی اشاروں سے جن کے مجموعے کا نام زبان ہے۔ بلاشبہ حافظہ پر کسی قدر بار پڑتا ہے، مگر تھوڑی تکلیف اس بڑی تکلیف سے بچنے کے لیے گوارا کی گئی ہے۔ جو اعضائی اشاروں سے کام لینے میں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ جب زبان ایجاد نہیں ہوئی تھی تو آوازوں کی جگہ اعضائی اشاروں سے کام لیا جاتا تھا۔ ہر شخص اپنے دل کا مطلب دوسرے شخص کو سمجھانے کے لیے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کے اشاروں سے کام لیتا تھا۔ یہ اشارے عجیب و غریب اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ پالن ایشیا کے جزائر میں بعض وحشی قومیں اب بھی ایسی موجود ہیں، جو آوازوں کی جگہ ایسے اشاروں سے کام لیتی ہیں۔ بات چیت کرنے کے وقت ان میں عجیب و غریب حرکات ظہور میں آتی ہیں۔ جن جزائر کی وحشی قوموں میں کچھ آوازیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان میں اشاروں کی کمی صاف نظر آتی ہے۔ آوازوں یا لفظوں کی ترقی سے اعضائی اشارات بتدریج کم ہوتے گئے ہیں۔ جن قوموں کی زبانیں نسبتاً الفاظ زیادہ ہیں، وہ بمقابلہ ان قوموں

کے جن کی زبان میں لفظوں کی کمی ہے اعضائی اشارات کا استعمال بہت کم کرتی ہیں۔ چونکہ آوازی اشاروں میں اعضائی اشاروں کی نسبت بہت کم تکلیف ہے، اس لیے الفاظ کی تعداد زبانوں میں رفتہ رفتہ بڑھ گئی ہے اور ان کے یاد رکھنے کی کوشش برابر ہوتی رہی ہے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ الفاظ کے یاد رکھنے میں حافظہ پر جو بار پڑتا ہے، وہ بھی متواتر یاد کرنے کی مشق سے کم ہو گیا اور خود حافظے بھی قوی ہوتے گئے۔ چنانچہ مورخوں نے بیان کیا ہے کہ دنیا کی وہ قدیم قومیں جو سنسکرت، لاطینی، یونانی اور عربی زبان بولتی تھیں۔ ان کے حافظے بمقابلہ دیگر ہم عصر اقوام کے نہایت قوی تھے۔ یہ وہ زبانیں ہیں جن میں الفاظ کی تعداد بمقابلہ دیگر قدیم زبانوں کے بہت زیادہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ اس لیے ایجاد کیے گئے تھے کہ اعضائی اشاروں میں جو سخت تکلیف ہوتی تھی اس سے بچیں۔ الفاظ کے یاد رکھنے میں بے شک حافظہ پر بار پڑتا ہے۔ مگر یہ تکلیف بمقابلہ اس تکلیف کے کم تھی۔ اس لیے خوشی سے برداشت کی گئی۔ پھر لفظوں کے یاد رکھنے کی متواتر کوشش سے حافظہ کا بار بھی کم ہو گیا اور اس مشاقی سے حافظہ خود طاقت ور ہو گیا۔ پس لفظوں کی افزائش سے حافظہ پر بار پڑنے کی شکایت کسی طرح معقول نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو یہ تکلیف بمقابلہ اس تکلیف کے بہت ہی کم ہے جو لفظوں کے نہ ہونے کی صورت میں ہم کو برداشت کرنی پڑتی۔ دوسرے موجودہ صورت میں خود حافظہ کی مشق اور اس کی تقویت منصور ہے۔

اس کے علاوہ ہم کو ایک اور اہم بات پر بھی غور کرنا چاہیے۔ الفاظ معلومات پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ کی بہتات معلومات کی بہتات پر دلالت کرتی ہے۔ پس جس قوم کی زبان میں الفاظ کی تعداد کثیر ہے اس کی معلومات کا دائرہ بھی [illegible]

اس قوم کے جس کی زبان میں الفاظ کی قلت ہے، نہایت وسیع ہو گا۔ اسی بنا پر پہلی قوم بمقابلہ دوسری قوم کے لازمی طور پر مہذب ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جو حضرات الفاظ کی افزائش کے شاکی ہیں اور حافظہ پر بار پڑنے کا عذر پیش کرتے ہیں۔ وہ گویا اپنی قوم کو تہذیب و تمدن سے بھگانے اور وحشت و بربریت کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ وہ اپنے ابنائے جنس کو ترقی کی بلندی سے نیچے اتار کر تنزل کے غار میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ ان حضرات کو سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ زندگی اور تمدن کی ضروریات ہی الفاظ کو عدم سے وجود میں لاتی ہیں۔ گاؤں میں تمدن کی ضروریات کم ہیں۔ اس لیے گاؤں کے رہنے والے کم و بیش دو سو الفاظ سے اپنا کام چلا لیتے ہیں، مگر جب ان کو شہروں میں آنا پڑتا ہے اور شہریوں سے معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ضرورتاً ان کے الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور اب تین چار سو کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا۔ گاؤں والوں کی نسبت شہر والوں کی ضروریات زندگی زیادہ ہیں۔ اس لیے ان کی زبان میں الفاظ کی تعداد کثیر ہے اور گاؤں والوں کی زبان کو شہر والوں کی نسبت سے کچھ نسبت نہیں۔ پھر بڑے شہروں، دارالسلطنتوں، تجارتی منڈیوں، صنعتی کارخانوں اور علمی مرکزوں میں زندگی بسر کرنے والوں کی ضروریات تمدنی اور زیادہ ہیں۔ ان کو لازمی طور پر الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ لوگ معترض حضرات کی طرح اپنے حافظہ پر بار ڈالنا نہ چاہیں تو ان کو لازم ہے کہ وہ دیہات میں جا کر آباد ہوں۔ اسی طرح اگر دیہات کے باشندوں کے الفاظ دو تین سو الفاظ کے بوجھ کا بھی تحمل نہ کر سکیں تو پھر ان کے لیے پالن ایشان جزیروں میں سکونت اختیار کرنا موزوں ہو گا جہاں آوازی اشاروں یعنی الفاظ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم شائستہ اور مہذب قوموں کی صف میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور اگر ہم علوم و فنون حاصل کرنا زندگی کا اہم مقصد جانتے ہیں تو زبان میں جدید الفاظ اور اصطلاحات کے اضافہ سے ہم کو ڈرنا نہیں چاہیے کیوں کہ ترقی کے لیے اس بوجھ کا برداشت کرنا ناگزیر ہے۔

بعض بزرگوار ہیں جو وضع اصطلاحات کی ضرورت تو تسلیم کرتے ہیں مگر اصطلاح سازی کے خلاف ایک نئی رائے رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ الفاظ پہلے جو بن چکے اور پھیل کر مقبول ہو چکے ہیں۔ ان کے بنانے والوں کے نام معلوم نہیں ہیں ان کے نزدیک صرف ایسے الفاظ زبان میں داخل ہونے اور تسلیم کیے جانے کی قابلیت رکھتے ہیں جن کے وضع کرنے والوں کے نام معلوم نہ ہوں۔ اگر کوئی خاص آدمی کوئی نیا لفظ وضع کرے تو وہ لفظ زبان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ بزرگوار اگر ذرا بھی تامل فرماتے۔ تو یہ بات ان کے ذہنوں پر ضرور منکشف ہو جاتی کہ ہر زبان میں جو الفاظ بنائے جاتے ہیں ان کے بنانے کے وقت تمام قوم ایک جگہ جمع ہو کر ان الفاظ کو وضع نہیں کرتی۔ اول کوئی خاص آدمی کسی خاص لفظ کو وضع کرتا اور اس کو استعمال کرتا ہے۔ پھر اگر وہ لفظ اس معنی پر صاف اور روشن طور سے دلالت کرتا ہے، جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہے اور قواعد زبان کے خلاف بھی نہیں ہوتا تو اور لوگ بھی رفتہ رفتہ اس کو قبول کر کے استعمال کرنے لگتے ہیں۔ شخص واضع کی شخصیت سے عام لوگوں کو کوئی بحث نہیں ہوتی۔ اس لیے عموماً اس کی شخصیت فراموش کر دی جاتی ہے اور کسی کو یاد نہیں رہتا کہ اس لفظ کو کس شخص نے [illegible] وضع کیا تھا۔ عام لوگوں کی نظر صرف اس ضرورت [illegible] رہتی ہے [illegible] کے لیے لفظ بنایا جاتا ہے۔ [illegible] ت لفظ موضوع [illegible]

نہ ہوئی ہو اور وہ لفظ آسانی سے زبان پر نہ چلتا ہو تو اس کے رد کرنے میں دیر نہیں ہوتی۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھتے کہ لفظ کا بنانے والا کون ہے اور اس تحقیقات کی ضرورت ان کو کبھی پیش نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی زبان کے عام الفاظ کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکتی۔ مگر علمی الفاظ میں سے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور جن کے وضع کرنے والوں کے نام بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بزرگوار ذرا سی تکلیف برداشت کریں اور ویبسٹر ڈکشنری کو ملاحظہ فرمائیں تو انگریزی زبان کے علمی الفاظ کی ایسی بہت سی مثالیں ان کو معلوم ہو جائیں گی۔ آج یورپ کے علماء میں کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو ان علمی الفاظ کو جن کی تاریخ اور جن کے واضعوں کے نام معلوم ہیں، قبول نہ کرتا ہو اور محض اس بنا پر ردّ کر دیتا ہو کہ ان کی تاریخ مجہول نہیں ہے۔

ان عجیب و غریب خیال رکھنے والے بزرگواروں سے جو اصطلاحات کی ضرورت تو تسلیم کرتے ہیں، مگر اصطلاح سازی کے مخالف ہیں، پوچھا جاتا ہے کہ اصطلاحات کی ضرورت تو مسلّم ہے مگر جدید الفاظ کا بنانا آپ کے نزدیک ممنوع ہے تو پھر اس ضرورت کو پورا کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟ اس کا جواب حضراتِ مذکور یہ دیتے ہیں کہ انگریزی زبان کی علمی اصطلاحات قبول کر لینی چاہیے پھر جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی زبان کے الفاظ ایسے کرخت اور ثقیل ہیں کہ ہماری زبانوں پر آسانی سے رواں نہیں ہو سکتے تو اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ تم ان الفاظ کو بازاریوں اور جاہلوں کے سامنے بولو اور ان سے درخواست کرو کہ وہ ان الفاظ کو دہرائیں۔ ظاہر ہے کہ وہ الفاظِ مذکور کو بجنسہٖ نہیں بول سکتے۔ پس ضرور ہے کہ ان میں تغیر و تبدل کریں اور ان کو اپنی زبان کی خراد

پر چڑھائیں ۔ پھر جو تلفظ ان الفاظ کا وہ کریں ان کو سن کر محفوظ کر لو اور سمجھو کہ انگریزی زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں داخل کرنے کا یہی موزوں اور مناسب طریقہ ہے ۔

اس موقع پر اگر میں یہ کہوں کہ یہ بزرگ دار زبان کا صحیح ذوق نہیں رکھتے تو کچھ بے جا نہ ہو گا ۔ ان بزرگ داروں کو جاننا چاہیے کہ انگریزی زبان میں علمی الفاظ کی اس قدر کثرت ہے کہ اگر ان سب الفاظ کو ہم بگاڑ کر جاہلوں کی زبان کی خراد پر چڑھا کر اپنی زبان میں داخل کر لیں تو ہماری زبان کا قدرتی حسن و جمال اور اس کے خدوخال کی قدرتی خوبیاں سب خاک میں مل جائیں گی ۔ ان حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مہذب اور شائستہ زبان میں ایسے الفاظ جو اجنبی زبانوں سے لہجہ یا تلفظ کی تبدیلی یا حروف کی کمی بیشی کے ساتھ لیے جاتے ہیں، بمقابلہ اس زبان کے اصلی الفاظ کے بہت کم ہوتے ہیں ۔ کسی متمدن قوم کی زبان ان الفاظ کی کثرت کو برداشت نہیں کر سکتی ۔ اجنبی زبان کے الفاظ کی کیسی ہی تراش خراش کیوں نہ کی جائے ۔ ان میں اجنبیت کی بُو، اس قدر باقی رہتی ہے کہ اہل زبان اس سے مانوس نہیں ہوتے ۔ ہماری زبان میں موجودہ اصلی الفاظ کی تعداد ہی بمقابلہ مہذب زبانوں کے کم ہے ۔ اگر انگریزی زبان کے تمام علمی الفاظ توڑ مروڑ کر اس میں بھر دیے جائیں ۔ تو ان کی تعداد اصلی الفاظ سے بھی زیادہ ہو جائے گی اور ہماری زبان کی لچک اور نزاکت سب ملیامیٹ ہو جائے گی اور ہم ایسی زبان بولنے اور لکھنے پر مجبور ہو جائیں گے، جن کے الفاظ کا کوئی جز گوش آشنا اور مانوس نہ ہوگا ۔ برخلاف اس کے کہ اگر ہم انگریزی زبان کے علمی الفاظ کے مقابلہ میں ایسے وضع کریں جن کے اجزاء پہلے سے گوش آشنا [illegible] ہوں تو اس سے نہ تو

کی سلاست اور لوچ میں فرق آئے گا اور نہ ہم اپنی زبان میں کسی ناگوار مداخلت کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ جامعہ عثمانیہ دکن کی اس جنرل کمیٹی نے جس میں زبان اور علم کا صحیح مذاق رکھنے والے بزرگ شامل تھے۔ یہ اہم مسئلہ کثرت رائے سے طے کر دیا ہے کہ انگریزی زبان کی اصطلاحیں بجنسہٖ یا کسی تغیر و تبدل کے ساتھ اردو زبان میں نہ لی جائیں۔ بلکہ انگریزی علمی اصطلاحات وضع کی جائیں۔ اس بنا پر ان حضرات کے خیالات جو اصطلاح سازی کے مخالف ہیں، اب زیادہ قابل توجہ اور لائق بحث نہیں رہے۔

اردو زبان میں اصطلاح سازی کی ضرورت تسلیم کرنے کے بعد یہ مہتم بالشان بحث پیش آتی ہے کہ اگر ہم اصطلاحیں بنائیں تو کس اصول کے مطابق بنائیں۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر اصطلاح سازوں کے دو بڑے گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ تمام اصطلاحی لفظ عربی زبان سے بنانے چاہییں۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ اصطلاحات کے وضع کرنے میں ان تمام زبانوں کے لفظوں سے کام لینا چاہیے جو اردو زبان میں بطور عنصر کے شامل ہیں (یعنی عربی، فارسی، ہندی) اور ان لفظوں کی ترکیب میں اردو گرامر سے مدد لینی چاہیے۔

پہلا گروہ اپنے نظریہ کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

اوّل: عربی زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور اس سبب سے وہ تمام مسلمان قومیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ اس زبان سے یکساں طور پر مانوس ہیں۔ اگر اس زبان کے الفاظ سے اسی زبان کے قواعد کے مطابق علمی اصطلاحیں بنائی گئیں تو دنیا کے تمام مسلمان اُن کو

آسانی اور دل چسپی کے ساتھ قبول کرلیں گے اور جس طرح یورپ کی علمی زبان تمام ممالکِ یورپ کے لیے ایک بیّن قومی زبان ہے اسی طرح ہماری علمی زبان بھی تمام بلادِ اسلامیہ کے لیے ایک بین قومی زبان ہوگی۔

دوم: عربی زبان پہلے سے علمی زبان ہے۔ مسلمانوں کے تمام علمی کارنامے جو انھوں نے زمانہ سابق میں سرانجام دیے تھے، اس زبان میں جمع ہیں۔ اگر جدید علمی اصطلاحیں بھی اس زبان کے الفاظ سے اور اسی زبان کے قواعد کے مطابق وضع کی جائیں تو اس میں کافی قابلیت اس امر کی موجود ہے۔

پہلی دلیل بلاشبہ نہایت مؤثر اور مسلمانوں کے جذبات کو کھینچنے والی ہے عربی زبان میں مذہبی تعلیم رائج ہونے کے سبب ہر ایک مسلمان قوم اور ہر ایک اسلامی ملک میں اس زبان کے جاننے والے موجود ہیں۔ محض اس لحاظ سے عربی زبان میں تمام مسلمان قوموں کی مشترک مذہبی زبان ہونے کی قابلیت بیشک موجود ہے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ زبان تمام مسلمانانِ عالم کی مشترک علمی زبان بھی بن سکے تو ہماری خوش قسمتی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اور اس صورت میں تمام علوم و فنون نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ مسلمانوں کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو سکتے تھے، مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔

لاطینی اور یونانی وہ علمی زبانیں ہیں جن کے لفظوں اور ترکیبوں سے اہلِ یورپ نے علمی اصطلاحات بنائی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں آریائی خاندانوں کی زبانیں ہیں۔ مگر عربی زبان اس خاندان کی زبان نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق سامی خاندان سے ہے۔ آریائی اور سامی خاندانوں میں [illegible] نے کے لیے جدا

جدا قاعدے ہیں۔ آریائی خاندانوں کی زبانوں میں مرکب الفاظ بنانے اور ان الفاظ سے پھر نئے الفاظ مشتق کرنے کے خاص قاعدے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی ضرورت علمی اصطلاحات میں پیش آتی ہے۔ سامی زبانوں میں یہ قاعدے نہیں ہیں۔ اس لیے مرکب الفاظ اور ان کے مشتقات کو معرّب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس وقت جب کہ یونانی زبان سے عربی زبان میں علمی کتابیں ترجمہ کی گئیں، علمی ذخیرہ بہت کم تھا اور مرکب الفاظ کی تعداد بھی کم تھی، تاہم ہزاروں الفاظ معرّب کیے گئے، اور اسی پر قناعت کر لی گئی۔ آج کل علوم کی تعداد یورپ میں بہت بڑھ گئی ہے اور ہر علم سے بہت سی شاخیں اور ان شاخوں سے بہت سی کونپلیں نکل آئی ہے۔ اس تمام ذخیرہ میں مرکب الفاظ اور ان کے مشتقات کی بھرمار اس قدر ہے کہ عربی زبان میں نہ تو یہ قابلیت ہے کہ ان سب کے مقابلے میں ویسے ہی الفاظ بنا سکیں اور نہ اس کی فصاحت اس بات کا تحمل کر سکتی ہے کہ ایسے تمام الفاظ کو معرّب کر کے داخل زبان کر لیا جائے۔

عربی زبان کی قدرتی بناوٹ پر غور کرنے والا آسانی سے اس نقطہ کو سمجھ جائے گا کہ اس زبان میں مفرد مادے تو کثرت سے ہیں مگر ترکیب کے لحاظ سے اس میں وہ لچک نہیں ہے جو یورپ کے علوم و فنون کو ان زبانوں میں منتقل کرنے کے لیے کافی ہو۔ مصری، شامی اور خود عرب ہماری نسبت اپنی زبان کی رموز کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اسی وجہ سے کوئی ضابطہ وضع اصطلاحات کا قائم نہ کر سکے اور عملاً یہ فیصلہ انہوں نے کر دیا کہ عربی زبان یورپ کی جدید علمی اصطلاحات کے مقابلہ میں ویسی ہی علمی اصطلاحات بنانے کی قوت نہیں رکھتی۔ اب ہم کو اس بات کی توقع رکھنے کا کیا حق ہے کہ اصطلاح سازی میں تنہا اس زبان کے الفاظ اور اس کے قواعد اشتقاق کافی ہو سکتے ہیں۔ اگر

برعکس عربی زبان میں موجود ہوتی تو عربی زبان بولنے والے نہایت آسانی سے وضع اصطلاحات میں پیش قدمی کرتے۔

پہلی دلیل میں جو مثال لاطینی اور یونانی کی دی گئی ہے، وہ کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ لاطینی اور یونانی وہ زبانیں ہیں جو یورپ کی تمام زبانوں کا سرچشمہ ہیں۔ یونانی اور لاطینی کے بے شمار مادے یورپ کی زبانوں میں ادل بدل کر شامل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑی بات یہ ہے کہ یورپ کی زبانوں اور لاطینی اور یونانی زبان کی کمپیرٹیو گرامر (نحو بالمقابلہ) ایک ہے، اس لیے کہ تمام زبانیں آریائی خاندان کی ذیل میں داخل ہیں۔ برخلاف اس کے ایران، افغانستان، ترکستان، چین، روس اور ملایا کے مسلمان جو فارسی، پشتو، ترکی، چینی، روسی اور ملائی زبانیں بولتے ہیں وہ اس خاندان السنہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں جس میں عربی زبان کی بناوٹ سے بالکل مختلف ہے اور عربی کی ان زبانوں کی گرامر سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ اس بنا پر جس طرح یونانی اور لاطینی تمام یورپ کے لیے ایک بین قومی علمی زبان بن گئی ہے اس طرح عربی زبان تمام بلادِ اسلامیہ کے لیے مشترک علمی زبان نہیں بن سکتی۔ عراق، شام، عرب، مصر اور شمالی افریقہ میں البتہ عربی زبان یا اس سے نکلی ہوئی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ صرف ان ملکوں کے لیے عربی زبان ایک مشترک علمی زبان بن سکتی ہے۔

دوسری دلیل میں جو اس بات کا اشارہ کیا گیا ہے کہ زمانہ سابق میں علوم کی اصطلاحیں عربی سے لی گئی ہیں، یہ صحیح ہے۔ مگر ہمارے بزرگوں کا ایسا کرنا ایک خاص وجہ پر مبنی تھا اور وہ وجہ اب نہیں پائی جاتی۔ یونانی زبان سے علوم کا ترجمہ عربی زبان میں اس قوم نے کیا جو عربی بولتی اور عربی ہی میں تعلیم و تعلّم کا کام انجام دیتی تھی

اس کے بعد جب یہ علوم ایران اور ہندوستان وغیرہ ملکوں میں آئے تو ذریعۂ تعلیم پھر بھی عربی زبان رہی۔ چنانچہ ہمارے عربی مدارس میں اب تک یہی زبان ذریعۂ تعلیم ہے۔ اس لحاظ سے تمام علمی اصطلاحات کا عربی زبان میں ہونا اور ان کا اس زبان کی ساخت اور گرامر کے مطابق ہونا ضروری اور مناسب تھا۔ مگر ہم اب ہم اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دے رہے ہیں اور اسی زبان میں یورپ کے تمام علوم و فنون کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جو نئی علمی اصطلاحات وضع کی جائیں، وہ اردو زبان کی قدرتی ساخت اور گرامر کے مطابق ہوں۔

غرضیکہ دونوں دلیلیں جو گروہ اول کے نظریہ کی حمایت میں پیش کی گئی ہیں وہ اگرچہ دل خوش کن ضرور ہیں مگر عملاً بے کار ہیں۔

دوسرے نظریہ کی تائید میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ بطور اختصار کے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ کسی زبان کی ترقی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس زبان میں غیر زبانوں سے بے شمار الفاظ بجنسہٖ یا بعد تصرف کے داخل کر لیے جائیں۔ زبان کی ترقی اسی حالت میں ترقی کہلا سکتی ہے جب کہ وہ اکثر الفاظ جو اس میں بڑھائے جائیں، اس زبان کی قدرتی ساخت اور اس کی اصلی گرامر کے مطابق بنائے گئے ہوں اور ان الفاظ کے مادے ان زبانوں سے لیے گئے ہوں جو اس زبان کی بناوٹ اور ترکیب میں قدرتی طور پر دخل رکھتی ہوں۔ پس اردو زبان میں علمی اصطلاحات وضع کرنا اسی حالت میں زبان کی ترقی کا باعث ہو سکتا ہے جب کہ اس اصول پر عمل کیا جائے۔

۲۔ عربی زبان میں بلاشبہ مفرد مادوں کی افراط ہے اور اس لحاظ سے یہ زبان ایک اعلیٰ درجے کی زبان ہے مگر جب کہ اردو زبان کے قدرتی عناصر عربی، فارسی اور ہندی زبانیں ہیں تو ان میں سے کسی ایک زبان پر قناعت کر لینا اپنے لیے تنگی پیدا کرنا اور ترقی کے دائرے کو محدود کر دینا ہے۔ ہمارے لیے آسانی اور سہولت اسی میں ہے کہ ہم جو نئے الفاظ بنائیں ان کے مادے تینوں زبانوں سے لیں اور اپنی زبان کو ترقی کی اسی طبعی رفتار پر آگے بڑھنے دیں جس پر کہ آج تک چلتی اور آگے بڑھتی رہی ہے۔

۳۔ اردو زبان ہندوستان کے مختلف گروہوں نے مل کر بنائی ہے۔ اور فہم و تفہیم کی آسانی کے لیے ہر گروہ نے اپنی زبان کے الفاظ اس زبان میں شامل کیے ہیں اور اسی طرح یہ زبان ان تمام گروہوں کے لیے ذریعۂ فہم و تفہیم بن گئی ہے۔ اگر ہم کسی ایک گروہ کی زبان مثلاً عربی کے الفاظ اس کثرت سے شامل کریں تو دوسرے گروہوں کے لیے وہ ذریعہ فہم و تفہیم نہیں رہے گی۔ اور اس زبان کی اُس خاص قابلیت میں خلل آجائے گا جس کے سبب وہ تمام ہندوستان کے لیے مشترک زبان لی گئی ہے۔

۴۔ ہندوستان میں مدت دراز سے دو زبانیں ذریعۂ تعلیم رہی ہیں۔ ہندوؤں کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی۔ اسی سبب سے دو مختلف قسم کی علمی اصطلاحیں اب تک اس ملک میں مستعمل ہوتی رہی ہیں۔ ہندوؤں نے اپنی تعلیمی کتابوں میں سنسکرت کی اصطلاحیں

درج کی ہیں اور اپنی قوم کے طلبا کو اپنی اصطلاحوں سے تعلیم
دی ہے۔ برخلاف اس کے مسلمانوں نے تمام علمی اصطلاحیں عربی
زبان سے ماخوذ کی ہیں اور ذریعۂ تعلیم انہی اصطلاحوں کو قرار دیا
ہے مگر اب ہم اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ اس
بنا پر نہ تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ سنسکرت کی اصطلاحوں سے اپنی
زبان کو بوجھل کریں اور مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کریں اور نہ
اس بات کو مناسب سمجھتے ہیں کہ تنہا عربی سے تمام اصطلاحیں
لے کر ہندوستان کے دوسرے گروہوں کے لیے اپنی زبان کو نامانوس
اور اجنبی ہونے دیں۔ ہمارے نزدیک مناسب طریقہ یہ ہے کہ
اصطلاحیں وضع کرنے میں ان تمام زبانوں سے کام لیا جائے جو
اس زبان کی ترکیب میں طبعی طور پر شامل ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ
ایسا کرنے سے تعلیم میں آسانی اور سہولت پیدا ہوگی۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی اس کمیٹی نے جس میں دونوں
گروہ کے اصحاب الرائے موجود تھے کافی غور اور مباحثہ کے بعد کثرت رائے
سے دوسرے گروہ کے اس نظریہ کو پاس کر دیا ہے کہ اردو زبان میں جو علمی
اصطلاحیں وضع کی جائیں اُن کے لیے عربی، فارسی اور ہندی الفاظ بلا تکلف
لیے جائیں۔ مگر الفاظ کی ترکیب دیتے وقت صرف اردو زبان کی گرامر کا لحاظ
رکھا جائے۔ اور دیگر کسی زبان کی گرامر کا نہیں۔ ارباب کمیٹی نے اپنے اس فیصلہ
میں اس نقطہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اگر علمی الفاظ کسی خاص زبان مثلاً عربی یا فارسی
یا ہندی زبان سے اسی زبان کی گرامر کے مطابق بنائے جائیں گے تو وہ اردو زبان

کے الفاظ نہ ہوں گے۔ بلکہ عربی، فارسی یا ہندی زبان کے الفاظ ہوں گے۔ کسی زبان کے الفاظ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ جب تک کہ ان پر اردو گرامر کا سکہ لگانے کی قابلیت نہ ہو یا ان پر اردو گرامر کا سکہ نہ لگا دیا گیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس فیصلہ کا مطلب یہ ہے کہ جدید الفاظ اردو زبان میں خود اس زبان کی قدرتی ساخت کے مطابق بنائے جائیں۔ نہ کہ کسی اور اجنبی زبان کی بناوٹ اور قواعد کے مطابق۔

اس فیصلہ کے بعد یہ اہم بحث پیش آتی ہے کہ اردو زبان زبانوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی فطرت اور ساخت میں وہ لچک موجود ہے یا نہیں جو کسی زبان کو علمی زبان بنانے کے لیے ضروری ہے اگر اردو زبان کسی ایسے خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے جس کی زبانوں میں یہ لچک نہیں پائی جاتی تو اس زبان کے علمی زبان بننے سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے۔ برخلاف اس کے کہ اگر ہماری زبان کا تعلق زبانوں کے ایسے خاندان سے ہے جس کے ماتحت زبانیں علمی زبان بننے کی قدرت اور قابلیت رکھتی ہیں تو پھر موجودہ حالت میں یہ زبان کیسی ہی متبذل اور ادنیٰ کیوں نہ ہو توقع رکھنی چاہیے کہ ایک دن ضرور آئے گا جبکہ اس کی قدرتی قابلیتیں خود بخود اندر سے اُبل پڑیں گی اور وہ علمی زبان کے بلند درجہ پر پہنچ کر رہے گی۔

اس مطلب کے لیے اول ہم کو اس رشتہ کا سراغ لگانا چاہیے جو اردو زبان اور دنیا کی دیگر زبانوں کے درمیان ہے۔ پھر زبانوں کے جس خاندان سے اس کا ارتباط پایا جائے اس خاندان کی زبانوں کی مشترک گرامر پر غور کرنا چاہیے اور ان تمام اصولوں کی تحقیقات کرنی چاہیے جو ان زبانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ وہ مشترک اصول ہماری زبان میں موجود ہیں یا

نہیں۔ اگر وہ اصول ہماری زبان میں پائے جائیں اور اس بات کا بھی ثبوت مل جائے کہ ان اصولوں کے مطابق ہمیشہ ہماری زبان کے الفاظ بنائے گئے ہیں تو پھر یقین کرنا چاہیے کہ ہماری زبان بلاشبہ اس خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے۔

○

ڈاکٹر سید عبداللہ

وضع استناد اصطلاحات

دفتری زبان کے دو حصے ہوتے ہیں :

الف ۔ عام مطالب اور عام زبان ۔

ب ۔ اصطلاحی حصہ ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ زبان پر قدرت کے بغیر عام مطالب بھی ادا نہیں کیے جا سکتے اور اصطلاحی حصے کے لیے تو اصطلاحات ضروری کا جاننا اور سیکھنا لازم ہے ، اس طرح اصطلاحی پیرایہ بیان بھی ہوتا ہے جس کی تربیت ازبس ضروری ہے ۔ اسے بھی اصطلاحات کا حصہ سمجھنا چاہیے ۔

جو قومیں آزاد ہیں وہ اپنی اصطلاحات خود وضع کرتی ہیں اور ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم آزاد اقوام کی بنی ہوئی اصطلاحات کو یا تو جوں کا توں اپنا رہے ہیں یا ان کا ترجمہ کرتے ہیں ، جو یا تو لفظی ہوتا ہے یا گھڑا جاتا ہے ۔

ایک اچھا دفتری انشاء کار وہی ہوگا جو مقصد تحریر کو اچھی طرح [illegible]

اور مخاطب اس کو کسی الجھن کے بغیر آسانی سے سمجھ لے۔ دفتری اصطلاحات کے وضع کرنے کے کچھ رہنما اصول ہیں وہ یہ ہیں :

وضع اصطلاحات کے چند رہنما اصول :

۱۔ ایسی اصطلاحوں کو ترجیح دینی چاہیے جو مروج یا مقبول ہو چکی ہوں خواہ ان میں کوئی لسانی یا لغوی سقم ہی نظر آتا ہو۔

۲۔ مفرد اصطلاحوں کے لیے ہم ان تمام زبانوں سے الفاظ لے سکتے ہیں جو ہماری زبان میں بطور عنصر شامل ہو سکیں، یعنی ہندی، فارسی عربی وغیرہ۔ شاذ صورتوں میں غیر زبانوں مثلاً انگریزی، جرمن، فرنچ اور ترکی وغیرہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ لیکن ان کے صرف ایسے الفاظ لیے جائیں جو ہماری زبان میں آسانی سے کھپ سکیں۔

۳۔ عربی کی وہ قدیم مفرد اصطلاحات قائم رکھنی چاہییں جو زمانہ قدیم سے رائج ہیں اور اب بھی مروج ہیں۔ عربی زبان کی اس خصوصیت سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے کہ اس میں مفرد مادے سے متعدد مفرد الفاظ نکالے جا سکتے ہیں۔ نئی اصطلاح وضع کرتے وقت اگر دقیق عربی الفاظ کے مقابلے میں ایسے فارسی الفاظ موجود ہوں جو زبان پر آسانی سے رواں ہونے والے ہوں اور اردو زبان کی بناوٹ کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوں تو انہیں اختیار کیا جاتے۔ جامعہ عثمانیہ میں عربی پر زیادہ زور دیا جاتا تھا ان میں سے اکثر الفاظ آج دقیق ہیں۔

۴- جہاں تک ممکن ہو اصطلاح مفرد (ایک لفظی) ہو، ناگزیر صورتوں میں یہ مرکب بھی ہوسکتی ہے۔ تاہم کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایسی مرکب اصطلاحیں کم سے کم وضع کی جائیں۔ جو دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہوں۔

۵- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفرد الفاظ عربی سے لے کر آریائی طریقہ ترکیب سے مرکب اصطلاحیں بنائی جائیں۔

۶- دیگر زبانوں کے الفاظ میں تصرف کیا جاسکتا ہے اور نیا لفظ گھڑا جاسکتا ہے بشرطیکہ زیادہ اجنبی نہ ہو۔

الف- انگریزی کے ایسے اصطلاحی الفاظ جو رائج ہوچکے ہیں اور اصل صورت میں یا تصرف کے بعد رواں ہوچکے ہیں، قائم رکھے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ناگزیر ہوں۔ (ناگزیر کی تشریح آگے آتی ہے)۔

ب- عربی زبان کی ان علمی اصطلاحات میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے جو صدیوں سے مروج ہیں اور اردو میں اب بھی ان کی علمی حیثیت اور ضرورت موجود ہے۔

۷- کسی اصطلاح کو بناتے وقت اس کی وہ خصوصیت پیش نظر رہنی چاہیے۔ جس کے لیے وہ اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ اگر کسی انگریزی اصطلاح میں معنی کی نمایاں جھلک موجود نہ ہو یا اس شے کی غلط خاصیت ظاہر کی گئی ہو تو لفظی ترجمہ کرنے کی بجائے آزادانہ نئی اصطلاح وضع کی جائے۔

۸- ایک ہی اصطلاح مختلف معنوں کے لحاظ سے مختلف علوم میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی انگریزی اصطلاح مختلف علوم میں مختلف معانی میں مستعمل ہو۔ تو کوشش یہی ہونی چاہیے کہ [illegible]

اصطلاح کا اردو مترادف بھی ایک ہی ہو لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو
تو ہر اصطلاحی معنی کے لیے جداگانہ لفظ تجویز کرنا موزوں ہو گا۔

۹۔ انگریزی مفرد اصطلاح کے لیے اردو اصطلاح بھی مفرد ہونی چاہیے
اگر کہیں ایسا ممکن نہ ہو تو مرکب اصطلاح بنالی جائے۔

۱۰۔ اعلام کو ایسا ہی لکھا جائے جیسے کہ وہ اردو میں مروج اور مقبول
ہو چکے ہوں۔

۱۱۔ اصطلاح کے لیے آسان اور متداول ہونا ضروری نہیں۔ اس ضمن
میں اصطلاح اور عام زبان میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

یہ تو رہے چند عمومی اصول جن کے تحت اصطلاحات وضع ہوتی ہیں یا ہونی
چاہئیں، اب ان کے اندر بعض ایسے اصول بھی ہیں جن کے بارے میں بڑا اختلاف
یا خلط مبحث پایا جاتا ہے، جس کا ازالہ ضروری ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ بین الاقوامی اصطلاحات جوں کی توں لے لینی چاہییں۔
اس کے متعلق فی الجملہ اتفاق رائے ہے لیکن ہر انگریزی یا مغربی لفظ بین الاقوامی
نہیں ہوتا، ہر ملک میں لفظ جدا جدا ہیں، اور ہمارے یہاں انگریزی کے توسط
سے پہنچے ہیں، جھگڑا یہ ہے کہ بعض لوگ انہیں بھی جوں کا توں لینے کے حق میں
ہیں لیکن بعض کا خیال ہے کہ ایسے الفاظ کے لیے ہمیں اپنی اصطلاح گھڑنی چاہیے۔

اس معاملے میں صحیح موقف یہ ہے کہ اصولاً تو ہمیں اپنی زبان کی اصطلاح
رائج کرنی چاہیے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ قوسین میں انگریزی اصطلاح بھی لکھ
دی جائے۔ لیکن درمیان میں ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے یا کھڑا کر دیا جاتا
ہے اور وہ یہ کہ جو انگریزی اصطلاحات اردو میں مروج اور مقبول عام ہو چکی
ہیں انہیں ترک کرنے سے خواہ مخواہ کی اجنبیت یا بیگانگی پیدا ہو جانے کا

خدشہ ہوتا ہے، اس صورت میں بھی معلوم الفاظ کی جگہ نامعلوم یا نامانوس الفاظ سیکھنے اور پڑھنے پڑیں گے۔ اور یہ طالب علم یا قاری پر ناروا بوجھ ہے۔

یہ بات درست ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے کہ کون سی اصطلاحات اردو میں واقعی مروج یا مقبول ہو چکی ہیں، انگریزی میں مروج یا مقبول ہونا اور بات ہے اور اردو میں مروج یا مقبول ہونا اور بات ہے، یہ فیصلہ واقعی بہت دشوار ہے۔

میرے خیال میں اس کے لیے ایک معیار مقرر کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ:

الف۔ انگریزی اصطلاح سبک اور سہل ہو اور اردو کے مزاج کے بہت قریب۔

ب۔ وہ پیشہ ورانہ اصطلاحات جو انگریزی ذریعۂ تعلیم کی وجہ سے اب ماہرین اور عام کارکنوں کی زبان کا حصہ بن چکی ہیں اور ان کے سابق اردو یا بدلیسی متبادل اب بالکل فراموش ہو چکے ہیں ایسے انگریزی لفظوں کا جاری رہنا ہی مناسب ہے البتہ سابقہ متبادل الفاظ یاد ہوں تو قوسین میں وہ بھی لکھ دیے جائیں۔

ج۔ جدید ایجادات و مصنوعات جن میں سے بعض اپنے مغربی موجدوں کے نام سے وابستہ ہیں ان کو بجنسہ لے لینا مناسب ہوگا۔ اسی

- طرح مختلف اوزار اور ہتھیار جو مغرب سے آتے ہیں۔ اپنی اصل ہی سے پہچانے جائیں گے۔

د۔ وہ الفاظ جو جدید زندگی کا لاینفک حصہ بن چکے ہیں اور جدید معاشرتی حقیقتوں سے ابھرے ہیں اب مانوس و مقبول ہو چکے ہیں انہیں باقی رکھا جاتے، انہیں ہٹانا اب ممکن نہیں۔ ناگز

کچھ اور معیار بھی ہو سکتے ہیں لیکن مذکورہ بالا پہ قیاس کر کے مزید اصول
وضع کیے جا سکتے ہیں۔

یہاں پہنچ کر ایک سخت انتباہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہ یوں کہ ایک اصل الاصول فراموش نہ ہونے پائے یعنی یہ حقیقت کہ ہم اردو کو ایک باوقار قومی علمی زبان بنانا چاہتے ہیں، لہذا جھکاؤ اس طرف ہے کہ عبارتوں میں ہماری زبان کا مزاج نمایاں ہو، انگریزی کے وہی الفاظ داخل کیے جائیں جو ناگزیر ہوں اور ان کے بغیر چارہ نہ ہو مثلاً ڈاکٹری، سرجری اور میکانیات کے الفاظ۔ میرے نزدیک وہ الفاظ ناگزیر نہیں جن کے اچھے بھلے متبادل کل تک رچے بسے ہوتے تھے مگر غلامی کے زمانے میں انگریزی ذریعہ تعلیم کی وجہ سے خواہ مخواہ زبان میں داخل ہو گئے۔ پھر طالب علم کی زبان پر چڑھے، اس کے بعد ماہرین کا محاورہ آیا پھر عام پیشہ وروں تک پہنچا اور اب لوگوں کو اپنے اچھے بھلے الفاظ بھول گئے ہیں۔ ایسے دیسی لفظوں کو پھر سے زندہ کرنا چاہیے مگر یہ نہیں ہو سکتا جب تک ذریعہ تعلیم انگریزی ہے۔ انگریزی کے غلبے کا اصل سبب انگریزی ذریعہ تعلیم ہے۔

بہر حال اسلوب ایسا رکھنا چاہیے کہ عبارتیں اردو کی معلوم ہوں، اگر ہر شخص اپنی پسند کا بظاہر مروج انگریزی لفظ داخل کرتا جائے گا تو یہ انگریزی زبان کی ایک نئی قسم ہو جائے گی۔ اردو اسے بمشکل کہا جا سکے گا۔

عہدوں اور منصبوں کے نام بھی متنازعہ فیہ ہیں۔ میرے خیال میں اس میں احساس وقار بھی کام کرتا ہے۔ ہمارے موجودہ عہدے اور منصب انگریزوں کے دور سے اور ان میں کام کی نوعیت کے علاوہ شوکت اور عزّ و وقار کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔۔۔ یہ اب مقبول ہو چکے ہیں اور منصب دار خود بھی انہی کو پسند کرتے ہیں۔ اسلامی دور اور مغلیہ دور میں بھی مناصب میں عزّ و وقار کی جھلک تھی لیکن اب ہماری پبلک اس

سے بیگانہ ہو گئی ہے، اس کے علاوہ کام کی نوعیتیں بھی بدل گئی ہیں اس لیے پرانے نام سخت اجنبی معلوم ہوتے ہیں البتہ عزو وقار کے حامل رعب دار نام قوسین کے درمیان درج کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ پبلک رفتہ رفتہ مانوس ہو جائے۔

ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ جو اصطلاحی الفاظ اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ان پڑھ لوگ بھی بولنے لگے ہیں یا عام خواندہ لوگ کسی ڈکشنری کی مدد کے بغیر انہیں سمجھتے اور بولتے ہیں۔ میں ایسے الفاظ کو ناگزیر انگریزی الفاظ میں شامل کرتا ہوں جو اب اردو بن گئے ہیں۔ انہیں اب اردو سے نکالنا تقریباً محال ہے۔

دوسرا بڑا مسئلہ عربی فارسی الفاظ کا ہے، عام زبان میں بھی اور اصطلاحی زبان میں بھی۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عربی فارسی الفاظ وضع کرنے سے عبارتیں بہت مشکل اور نامانوس ہو جاتی ہیں۔ لیکن اصطلاح تو جس زبان میں ہو گی مشکل ہی ہو گی اور سیکھنی پڑے گی، بلکہ رٹنی پڑے گی، پھر یہ بھی ہے کہ علمی عبارتوں میں مشکل اور آسان کے معیار مختلف ہوتے ہیں اور مشکل اور آسان اضافی حیثیت رکھتے ہیں۔

سب کو معلوم ہے کہ زبان (عبارت) کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جو بول چال کی زبان سے مختلف ہوتی ہیں، افسانے کی زبان، تاریخ کی زبان، وکالت کی زبان، سائنس کی زبان ۔۔۔ اور پھر دفتر اور انشا کی زبان ان سب کی نوعیت جدا ہے، ان کو بول چال کی زبان کے مطابق نہیں سمجھنا چاہیے۔ لہذا لوگوں کی یہ فرمائش کہ علمی

کتابوں کو بھی بول چال کی طرح عام فہم اور آسان ہونا چاہیے غلط ہے۔ مذکورہ بالا عبارتوں میں ہر حال علم کا رنگ در آتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اردو زبان کا گوشت پوست عربی، فارسی اور ترکی الفاظ اور تراکیب سے تیار ہوا ہے جسے دیسی زبان کے عناصر کے ساتھ ملا کر ایک ڈھانچہ تیار کر لیا گیا ہے۔ عربی سے اردو کا علمی رنگ ابھرتا ہے، فارسی تراکیب سے شیرینی اور خوب صورتی پیدا ہوتی ہے۔ دیسی عناصر ان خصوصیات کو سہارا دیے ہوئے ہیں اور ان سب کی تراکیب سے اردو زبان تیار ہوئی ہے بلکہ یوں کہیے کہ اردو علم و ادب کی زبان بنی ہے۔

پس یہ طے ہے کہ عربی، فارسی الفاظ اور تراکیب سے بالکل چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش مذموم ہے البتہ یہ درست ہے کہ علم کی بے ضرورت نمائش کی خاطر عربیت پیدا کرنے سے زبان کی "اردویت" کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسی عربیت اردو کے لیے نقصان رساں ہے۔

اب آیئے دفتری زبان کے سلسلے میں مختصر سی خصوصی بحث کر لی جائے۔

دفتری زبان کے کئی شعبے ہوتے ہیں، اول تو معمولی ہدایات و اشارات ہیں جو افسر اپنے ماتحتوں کو لکھتے ہیں اور ماتحت ان کا جواب دیتے ہیں، یہ نہایت معمولی الفاظ یا اشارے ہوتے ہیں۔ ان کے معاملے میں کوئی خاص مشکل پیش نہیں آنی چاہیے دوسرے شعبے میں وہ عام نوٹ آتے ہیں جو قدرے طویل ہوتے ہیں، ان میں اصطلاحی حصہ ہوتا ہے لیکن کم۔ عام سیکشن آفیسر یا سینئر کلرک ان مشکلات پر آسانی سے قابو پا سکتے ہیں۔ اگر نوآموز یا کوئی نیا آدمی ان میں انگریزی الفاظ کا پیوند بھی لگا دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ وہ آہستہ آہستہ اردو میں اظہار کی قابلیت پیدا

کرتا جائے۔ عدالتوں کے نوٹوں اور فیصلوں کے لیے قانون کی زبان آنا چاہیے اور اردو میں قانونی اصطلاحوں کی کمی نہیں البتہ نووارد بین الاقوامی یا خاص رائج شدہ عام انگریزی اصطلاح بھی جائز ہے۔ تیسرا شعبہ خاص سرکاری تجاویز یا "پروپوزل" کا ہے، اس کے لیے خاص علمی قابلیت درکار ہے۔ میں آسانی کے خیال سے اس کو دستاویز کہہ دیتا ہوں۔

دستاویز کی زبان کے تین اجزاء ہوتے ہیں:۔

۱۔ مقدمہ یا تمہید جس میں مقصد ظاہر کیا جاتا ہے۔

۲۔ صورت حال یا کیس جس میں مقصد کی تفصیل بیان ہوتی ہے اور بحث ہوتی ہے۔

۳۔ نتیجتاً اس میں سابقہ کا خلاصہ اور بالآخر فیصلہ سنایا جاتا ہے یا پیش کیا جاتا ہے۔

دفتری زبان کے سارے حصوں میں اصطلاحیں یا اصطلاحی عبارتیں ہوتی ہیں جن پر عبور لازمی ہوتا ہے۔

ان الفاظ اور عبارتوں کو وضع کرتے وقت مقصد یا مخاطب کی سطح ذہنی بھی مد نظر رکھنی لازمی ہے کیونکہ دفتر کا تقریباً سارا کام یہ ہے کہ معاشرے کے افراد فوراً مطلب کی بات تک پہنچ جائیں البتہ مخصوص اصطلاحات کو گھڑنا اور سیکھنا پڑے گا۔

دفتری زبان کے سلسلے میں ایک بہت بڑی شرط یہ ہے کہ دفتر کا عہدیدار یا کارکن عام زبان پر خاصی قدرت رکھتا ہو تاکہ مطالب کے اظہار کے وقت بے یاقتی کی وجہ سے مسودہ ناقص یا ڈھیلا نہ رہ جائے۔ پرانے زمانے میں لائق منشی بڑی محنت سے یہ قابلیت پیدا کیا کرتے تھے۔

آج کل عجیب رسم چل نکلی ہے کہ اپنی بے لیاقتی کو چھپانے کے لیے مشکل زبان کا بہانہ بنا لیا جاتا ہے حالانکہ اصل یہ ہے کہ اردو میں لوگوں کی لیاقت کم ہوتی جاتی ہے۔ لہذا لازم ہے کہ اردو کے نصابوں کو بہتر بنایا جائے اور تعلیم کے دوران انشار پردازی کی خاص قابلیت پیدا کی جائے۔

اب رہا استناد و اصطلاحات کا مسئلہ۔ سو عرض ہے کہ وضع اصطلاحات اور استناد اصطلاحات دو جدا عمل نہیں، استناد وضع اصطلاح ہی کی آخری منزل ہے۔ اس میں بھی وہی اصول کارفرما ہوں گے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، استناد کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ وضع شدہ الفاظ پر اصولوں کی روشنی میں پھر نظر ڈالے اور موزوں یا غیر موزوں کا فیصلہ صادر کردے۔

آج کل استناد کی ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ہر ادارے کو وضع اصطلاحات کی آزادی ہے، اس کے باعث وضع شدہ اصطلاحات میں بے ضرورت کثرت پیدا ہوگئی ہے اور استناد کرنے والوں کا کام بڑھنے کے علاوہ اختلاف اور ناموزونیت کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی ہے۔ مناسب ہے کہ اصطلاحات بنانے والے کم سے کم ہوں اور یہ اختیار صرف ایک ادارے کو حاصل ہو۔

استناد کی دوسری مشکل یہ ہے کہ موجودہ استناد کمیٹیوں کا حکم ناطق اور فیصلہ کن نہیں۔ دوسرے ممالک میں اصطلاح کو مستند اور جائز قرار دینے کے لیے ایک قوت نافذہ Authority ہوتی ہے۔ جس کا حکم ناطق اور واجب العمل ہوتا ہے، پاکستان میں بھی ایسا ہونا چاہیے۔ مثلاً یہ اختیار مقتدرہ قومی زبان کو دیا جائے۔ تو معاملہ طے ہوجاتا ہے ورنہ گڑبڑ اور افراتفری جاری رہے گی اور اصطلاح کی آخری صورت یا شکل کا فیصلہ نہ ہوسکے گا۔

آخر میں ایک عام نکتہ ۔معلوم نہیں یہ افسوس ناک خیال کس طرح پھیل گیا ہے کہ اصلاح ہوتی ہی وہ ہے جو آسان ہو۔ یعنی جسے عامی بھی سمجھ لے۔ عام زبان کے بارے میں یہ مفروضہ قدرے صحیح ہو سکتا ہے لیکن اصطلاح کے بارے میں سراسر غلط ہے اگر اصطلاح کے لیے آسان اور عام فہم ہونا ضروری ہوتا تو مغربی علوم طبیعیہ وریاضیہ اور قانون وغیرہ کی اصطلاحیں آسان ہوتیں ۔

اردو تحریر میں مشکل اور آسان زبان کا مسئلہ آج کل بڑی شدت سے زیر بحث ہے ۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ یہ نزاع بڑی حد تک خلوص اور نیک نیتی پر مبنی نہیں ۔ اسے اردو کے استعمال کے خلاف ایک دلیل یا بہانے کے طور پر اٹھایا جاتا ہے ، تاہم اس کے افہام و تفہیم کی ضرورت ہے ، کیونکہ اس میں کچھ الجھنیں بھی ہیں جو وضاحت کا تقاضا کرتی ہیں ۔ اور یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ ان الجھنوں کے باعث مغالطوں میں الجھ جاتے ہیں ۔

تحریر ہو یا بول چال ۔ کلام کا مقصد اظہار مدّعا ہے اور بالکل واضح ہے کہ زندگی کی رنگا رنگیوں کی طرح مدّعا بھی رنگا رنگ ہیں ۔ تفصیل میں جائے بغیر مجملاً کہا جا سکتا ہے کہ مطلب ومدّعا :۔

۱- ابلاغیہ یا خبریہ ہوگا کہ مقصود اس کا کسی بات کی اطلاع کا مخاطب حاضر یا غائب حاضر تک پہنچانا ہوتا ہے ۔ (یا)

۲- محض اظہار حال ہوگا جو گزشتہ قسم کی طرح لازماً مخاطب کا طلب گار نہیں ہوتا ۔ اسے آپ اظہاریہ کہہ لیجیے ، مثلاً اپنے جذبے کا اظہار- کسی نظریہ یا حقیقت کا بیان - (یا)

۳- استدلالیہ ہوگا جس میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ کسی دعوے کی تائید یا تردید اور اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے دلیلیں لائی جاتی ہیں (یا)

۴۔ مکالماتی ہوگا کہ مقصد اس کا مکالمہ کو بلعینہٖ پیش کرنا ہوتا ہے۔

یا

۵۔ امر و نہی ہوگا جس میں مخاطب کو کسی معاملۂ خاص میں حکم دیا جاتا ہے یا اسے منع کیا جاتا ہے۔

بہرحال مدعا کی یہ اور اس طرح کی چند اور اقسام ہوتی ہیں۔ ان سب میں مقصد مدعا کا صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک اظہار ہوتا ہے۔ اس طریق سے مخاطب یا قاری کو سمجھنے میں کچھ دقت نہ ہو۔

لیکن یہ بھی واضح ہے کہ لکھنے والا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مختلف طریقے (اپنے مزاج کے مطابق) اختیار کرتا ہے۔ کہیں وہ مؤثر زبان استعمال کرتا ہے اور کہیں وہ عادی طریقہ اپناتا ہے۔ کہیں پیچ دار انداز اختیار کرتا ہے اور کہیں عاری۔ غرض عبارت، مدعا کے مطابق اور مدعا نگار کے مزاج کی مناسبت سے ڈھلتی ہے، اسی وجہ سے والٹر پیٹر نے اسلوب نگارش کی کم و بیش تیرہ قسمیں بتائی ہیں۔

اس فنی بحث سے جو قدرے ثقیل ہے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ تحریروں میں مشکل اور آسان میں تقسیم کرنا درست نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ انہیں کامیاب اور ناکامیاب دو قسموں میں تقسیم کیا جائے، کامیاب وہ سمجھیں جائیں جن میں مدّعا بالکل صحیح ادا ہو سکا ہو اور صحیح کے معنی یہ ہیں کہ مدعا نگار جس بات کو پہنچانا چاہتا تھا وہ اچھی طرح پہنچا سکا۔ اور مدعا کی ہر جز دِ مکمل طور پر ادا ہو گئی ہے۔ لیکن غور کیا جائے۔ تو صحیح طور سے اور مکمل طور سے جیسے الفاظ کا مسئلہ اسلوب کا مسئلہ خارج نہیں ہو جاتا۔ ایک مکمل طور سے کامیاب تحریر وہی ہو گی۔

جس میں ایک اسلوب بھی ہو اور اس کی ساخت میں عجز کا پہلو موجود نہ ہو بلکہ قدرت کے باوجود مناسبتِ حال اور بے ساختگی کا عنصر موجود ہو۔

غرض یہ ہے کہ اسلوب تحریروں میں آسان کوئی شے نہیں، ان میں اگر کچھ ہے تو مناسبتِ حال ایک لازمی شے ہے۔

اسی طرح مشکل وہ تحریر ہو گی جو مدعا سے بے نیاز اور مناسبتِ حال سے محروم ہو۔ شعوری طور سے چن چن کر عام (یا عامیانہ) الفاظ کی بھرتی سے کسی تحریر کو آسان بنانے کی کوشش کو آسان بنانا کہنے کے بجائے عامیانہ بنانا کہنا زیادہ صحیح ہے اور یہ دنیا کی کسی باضابطہ زبان میں نہیں ہوتا۔

الفاظ کب مشکل سمجھے جاتے ہیں؟

وہ الفاظ جن کے استعمال میں لکھنے والا مخلص نہیں ہوتا۔ مخلص لکھنے والا وہ شخص ہو گا۔ جو لکھتے وقت اپنی ذات کے اظہار کو مدّعا کے اظہار پر ترجیح دے۔ اس کی غرض خاص طور سے اور اولاً یہ ہو کہ لوگ اس کی محیر العقول قادر الکلامی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس عمل میں مدعا خواہ پیچھے جا پڑے یعنی مدعا کا اظہار ثانوی بن جائے اور مدعا سے زیادہ کوئی اور شے مقصدِ اول قرار پائے۔

مشکل الفاظ یا عبارتیں وہ ہوں گی جو زبان کے حقیقی محاورے سے ہٹ کر کسی غیر زبان کے محاورے کے تابع ہو جائیں۔ خواہ وہ خوب صورت ترجمہ ہوں یا اصلی الفاظ و عبارات کی صورت میں ہوں۔ زبان کو گنگا جمنی بنانا یا ان کی کھچڑی تیار کرنا یہ عمل یا تو لکھنے والے کی نارسائی کا نتیجہ ہو گا۔ یا پھر غلامی اور خوشامد کی خاطر دوسری زبانوں کے استعمال سے اپنی عبارت کو زیر بار کیا جائے گا۔ تاکہ دوسروں کو خوش

کیا جائے۔

اس طرح دوسروں کو خوش کرنے والے وہ حضرات ہوتے ہیں جنہیں اپنی زبان پر فخر نہیں ہوتا۔ وہ دریوزہ گر ہوتے ہیں۔ اور انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ اپنی زبان انسانیت کا ایک قابلِ فخر زیور ہوتا ہے، جن کی اپنی کوئی زبان نہیں وہ بھیک منگے ہوتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری زبانوں کا استفادہ ممنوع ہے، ہرگز نہیں دوسری زبانوں سے استفادہ ضرور کیا جائے۔ مگر اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسری زبانوں کو اپنا لینا اور اس پر فخر کرنا خودی کی نفی اور وجود کا انکار ہے۔

تحریر میں ایک وصف سلاست بھی ہے، ایسے الفاظ کا فیصلہ مترادفات کے سلسلے سے ہوتا ہے، ہر زبان میں مترادفات کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، لکھنے والا حسبِ مدّعا اس ذخیرے سے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو لفظ عبارت میں استعمال ہو اور کھٹکے نہیں وہ سلیس ہوگا۔ جو ضروری نہیں کہ عرف عام میں آسان ہو، عرفِ عام میں آسان اسے کہا جاتا ہے جسے ایک ان پڑھ آدمی بھی سمجھ جائے۔

آسان کی یہ تعریف غلط ہے، ہم آسان اسے کہیں گے جسے ایک اوسط خواندہ آدمی سمجھتا ہو۔ غیر زبانوں سے حاصل کیے ہوئے لفظ خصوصی طور پر "پڑھے ہوئے" خواندہ لوگوں کی دسترس میں ہوتے ہیں۔

یہ الفاظ ایک طرح کی پیوندکاری ہوتی ہے جس کا جواز بعض خاص حالات میں تو ہے لیکن عمومی طور پر ایسی پیوندکاری بے محل ہوتی ہے اور کسی بے جا علیے کا پتہ دیتی ہے۔

ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ اردو عبارتوں میں عربی اور فارسی کے الفاظ کو خواہ مخواہ مشکل سمجھ لیا جاتا ہے۔ اول تو یہ سوچنا ضروری نہیں کہ اردو کی تعمیر میں عربی اور فارسی کے الفاظ بنیادی اور غیر معمولی حصہ لیتے ہیں، اردو اس دن اردو بنی جب اس میں عربی، فارسی (اور قدرے ترکی) الفاظ نے قدم جمائے اس رنگِ خاص نے اول اس کو ریختہ اور بعد میں اردو کا نام دیا۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ اردو میں علمی رنگ عربی الفاظ کی بدولت ہے اور شیرینی اور حسن فارسی الفاظ کی بدولت ہے۔ یہ دو عناصر نہ ہوں تو اردو اور ہندی میں کچھ زیادہ فرق نہ رہے۔ اگرچہ اصطلاحات عربی اور کچھ فارسی سے ماخوذ ہیں جو نئی ہیں وہ بھی عربی اور فارسی کی محتاج ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ اصطلاح عام زبان کے مقابلے میں مشکل اور غیر معمولی ہی ہوا کرتی ہے۔ اسے عام زبان کے برابر سمجھنا اصولاً درست نہیں، لہٰذا شروع شروع میں عربی فارسی کے اصطلاحی الفاظ مشکل ہی معلوم ہوں گے، لیکن استعمال سے ہم ان سے مانوس ہو جائیں گے۔ پس ان کو مشکل کہہ کر رد کر دینا درست طریق کار نہیں۔ ایسے الفاظ کو مشکل کہہ دینے کی وجہ ایک بڑی وجہ ہمارے خواندہ لوگوں کی استعداد کی کمی ہے جو نئے زمانے میں نصابات اور ان کی مضامینی سکیم کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی والے بھی عربی یا فارسی کا مضمون پڑھنے پر مجبور تھے، اب آرٹس والے سب عربی یا فارسی نہیں پڑھتے۔ سائنس زدہ ماہرینِ مضامین کی سکیم ہی اس طرح مرتب کرتے ہیں کہ عربی یا فارسی لینے کے لیے کم سے کم لوگ آگے آئیں۔

نتیجہ یہ کہ عربی اور فارسی دونوں کم رواج ہوتی جا رہی ہیں۔ اس نقصان کی تلافی کے لیے یہ مشورہ اکثر دیا جاتا ہے کہ عربی فارسی اصطلاح کی جگہ یا تو انگریزی کی اصطلاح رہنے دو یا ادھر ادھر جہاں سے جیسا لفظ مل جائے اس کا استعمال کرو

عربی کی مشکل اصطلاح سے بچا جا سکے، اس سے نہ صرف یہ کہ زبان کا حلیہ بگڑ جاتا ہے بلکہ زبان کی علمی روح بھی ختم ہو جاتی ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ بے ضرورت محض نمائش علم کی خاطر عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال ایک نامناسب عمل ہے۔

ڈاکٹر سلیم فارانی

اصطلاحی غور و فکر

انسان نے تہذیب و تمدن کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے جس چیز میں اپنی ترقی زیادہ نمایاں طور پر دکھائی۔ وہ اظہار ما فی الضمیر اور تبادلۂ خیالات کا طریق ہے۔ ابتدائی بشر شاید اعضائی حرکات و اشارات سے کام لیتا تھا اور اس سلسلے میں اسے بے حد کد و کاوش اور دقت اٹھانا پڑتی تھی۔ اور ممکن ہے اس کا ما فی الضمیر بھی صحیح طور پر ادا نہ ہوتا ہو، ادائے مطالب کے اس ابتدائی طریق میں بہت وقت صرف ہوتا تھا۔ جس سے طبیعت اکثر ملول ہو جاتی۔ بعد میں مختلف آوازوں سے کام لیا جانے لگا، اور ایک مختصر سی آواز مختلف اعضائی حرکات و اشارات کی قائم مقامی کرنے لگی۔ ارتقار کی راہ میں اس تھوڑے سے اقدام نے بشر کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیا اور کد و کاوش اور دقت جو اس کے لیے ملال افروز تھی، کچھ خفیف ہوئی، اظہار میں ذرا کم وقت خرچ ہونے لگا۔ اس کے بعد وہ کچھ قدم آگے بڑھا تو الفاظ رونما ہوئے اور الفاظ مختلف قسم کی آوازوں اور اعضائی اشاروں کے قائم مقام تھے۔ ایک

لفظ نے ملال افروز مشقت کو کافی حد تک سہولت میں بدل دیا، بہت سا وقت بچنے لگا۔ رفتہ رفتہ الفاظ بڑھنے لگے اور تہذیب و تمدن کی راہ ارتقا میں وہ منزل آئی کہ بہت سے الفاظ اور طویل عبارتوں کے مفہوم کو ایک ایک لفظ میں ادا کرنے کے معجزے ہونے لگے۔ گویا اظہارِ خیال میں مزید سہولتیں میسر آنے لگیں۔ آگے قدم بڑھا تو علوم و فنون کے حقائق و تفاصیل رموز کی صورت میں ایک ایک لفظ کے اندر سمٹ کر آنے لگیں اور اصطلاحیں ظاہر ہونے لگیں۔ بشر متمدن و مہذب ہو کر مختصر الفاظ میں معلومات کی تفصیل طلب کائناتیں سمیٹنے لگا۔ اس قسم کی مسلسل مشق نے بشر کا حافظہ بھی تیز و قوی کر دیا اور علوم و فنون اس میں آرام پانے لگے —— یہ ہے اس طویل داستان کا اختصار جو ارتقائے زبان و تہذیب کے جدید محقق ہمیں سناتے ہیں۔

اس داستان سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں درج ذیل ہیں :-

۱- الفاظ و اصطلاحات کی کثرت اعلیٰ تہذیب و تمدن، وسیع معلومات قوی حافظے اور ارتقائے علوم و فنون کی علامت ہے۔

۲- تہذیب و تمدن کی ترقی زبان کی نشو و نما کے آئینے میں ظاہر ہوتی ہے۔

۳- اپنی زبان میں اصطلاحات و الفاظ کا اضافہ کرنے والا تہذیب کی راہ میں ترقی کا قدم اٹھاتا ہے۔

۴- کم الفاظ اور معدودے چند اصطلاحات، پس ماندگی، غیر مہذبیت محدود معلومات، کمزور حافظے اور عدم ارتقائے علوم پر دال ہیں۔

اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس قوم کی زبان میں الفاظ و اصطلاحات کی جس قدر کثرت ہے وہ قوم تہذیب و تمدن، معلومات، عقلی نشو و نما اور

علوم و فنون کے لحاظ سے اسی قدر آگے بڑھی ہوئی ہے ۔ (یہاں یہ کہہ دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ مستعار اصطلاحات و الفاظ سے تہذیب و تمدن، معلومات، عقلی نشو و نما اور علوم و فنون بھی مستعار نظر آتے ہیں ۔ اور مستعار چیز پر قوم کا فخر و ناز بے معنی ہے ۔ کسی قوم کی زبان میں مستعار الفاظ کی بھرمار اس کی اپنی زبان کی نا اہلیت گرسنگی اور کم مائیگی کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے) ۔

معلوم ہوا کہ مہذب و متمدن قوم کی زبان میں اصطلاحات کی وسیع اور روز افزوں مقدار کی موجودگی اس کی شائستگی کی ترقی کے لیے ضروری ہے اور اس توسیع سے روکنا یا کوتاہی کرنا تہذیب و تمدن کی دوڑ میں پیچھے رہنا اور قدیم وحشت و بربریت کی طرف مائل ہوتا ہے ۔

اصطلاحات کے مسئلہ کو واضح طور پر سمجھنے کی خاطر ضروری ہے کہ اصطلاح کا مفہوم سمجھ لیا جائے ۔

اصطلاح کی ماہیت و اہمیت

اصطلاح اس مفرد لفظ یا مرکب کو کہتے ہیں جو ایسے علمی مطالب کے ادا کرنے کے لیے وضع کیا جاتا ہے جن کو پورے طور پر بیان کرنے کے لیے لمبی عبارتیں یا جملے کہنے یا لکھنے پڑتے ہیں ۔ گویا یہ ایک چھوٹا سا لفظ ہوتا ہے جو بہت سے الفاظ میں بیان کردہ مفہوم کا قائم مقام ہوتا ہے ۔ یہ درحقیقت ایک اشارہ ہے جس سے بہت سے خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے ۔

اصطلاحوں کے بہت سے فائدے ہیں :-

۱۔ علمی مطالب کو ادا کرنے سے بے معنی طول سے انسان بچ جاتا ہے۔

۲۔ لمبے لمبے جملے کہنے اور لکھنے نہیں پڑتے۔

۳۔ جہاں کسی علمی بحث میں ایک ہی مفہوم کی طرف بار بار حوالہ آتا ہے تو طویل عبارتوں کے تکرار کی کوفت نہیں ہوتی۔

۴۔ وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ تھوڑے سے وقت میں اصطلاحوں کی مدد سے بہت سی معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

۵۔ لکھنے اور پڑھنے والے ملول خاطر نہیں ہوتے۔

۶۔ کاغذ کا صرفہ نہیں ہوتا۔

۷۔ ادراک مفہوم اور حافظے میں ترقی ہوتی ہے۔

علوم و فنون کی تعلیم، تشریح، توسیع اور ترقی کے لیے اصطلاحات کا وجود ناگزیر ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اصطلاحات علوم و فنون کا محور ہیں، اور جو قوم علوم و فنون، معلومات اور عقل و ذہن میں ترقی کی راہوں پر گامزن رہنا چاہتی ہے۔ اسے اپنے علمی و فنی الفاظ و اصطلاحات میں بدستور اضافہ کرتے چلے جانا چاہیے۔ تاکہ ایک طرف اس کی اپنی زبان وسیع ہوتی چلی جائے اور دوسری طرف اس کی ثقافت ترقی پذیر رہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کسی قوم کے تہذیبی ارتقار کا آئینہ اس کی زبان ہوتی ہے اور اس زبان کی وسعت سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ قوم کس قدر ترقی یافتہ ہے۔ زبان کی وسعت کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ کہاں تک تمام قسم کے خیالات کا صحیح طور پر اظہار اور علوم و فنون کی باتوں کو واضح و جامع طور پر بیان کر سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا دارو مدار الفاظ یا اصطلاحات پر ہے۔ الفاظ و اصطلاحات کافی نہ ہوں تو علمی

باتوں کا اظہار و بیان محدود و تنگ ہوتا ہے اور یہ اس امر کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ قوم علم و فن کی راہ میں زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے۔

اردو زبان میں ابتدا ہی سے علمی و فنی اصطلاح سازی کا سلسلہ جاری رہا اور ہر زمانے میں محسنین اردو کی عنایات سے اس کے اندر بے شمار اصطلاحوں کا اضافہ ہوتا چلا آیا۔ جس سے زبان کو یہ ترقی و وسعت نصیب ہوئی کہ گزشتہ صدی میں ہی یہ زبان تمام قسم کے علمی مطالب ادا کرنے کے قابل ہو گئی۔ مگر ابھی اس میں جدید مغربی علوم و فنون کی اصطلاحوں کی کمی تھی۔ اور انگریزی زبان کا تعلیم و دفاتر پر غلبہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے چنداں احتیاج بھی پیدا نہیں کر رہا تھا۔ لیکن جب برصغیر پاک و ہند غلامی کے پنجے سے نجات حاصل کرنے کے لیے بیسویں صدی کی ابتدا میں بے تابانہ کوششوں میں مصروف ہوا اور تعلیمی معاملات میں قومی زبان کو ذریعہ بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔ تو اس طرف بھی توجہ ہونے لگی۔ اگرچہ قومی زبان کے متعلق متعصبانہ جھگڑوں نے صحیح طور پر کام کرنے کی سہولتیں کم دیں لیکن کچھ نہ کچھ خاموشی سے ہوتا رہا۔ مختلف طور پر انفرادی کوششیں جاری رہیں۔ لیکن باقاعدگی سے اصطلاح سازی کا کام دکن میں شروع ہوا۔ جہاں ہر قسم کی تعلیم اردو زبان میں دینے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اور اردو میں مختلف جدید علوم و فنون کی کتابوں کی ضرورت تھی۔

دکنی کوشش اگرچہ بہت گراں قدر اور مفید تھی، لیکن ایک مختصر سے حلقے میں علمی کتابوں کے ترجموں تک محدود تھی اور جدید علوم و فنون کی پہنائیاں وسیع تر تھیں اور ان میں روز روز نئے اضافے ہو رہے تھے۔ تاہم جو کچھ ہوا ہر طرح قابلِ احترام تھا۔ وحید الدین سلیم نے اصطلاح سازی کے گر بتائے

لیکن اس میں یہ احتیاط مدنظر رکھی کہ کسی طرح اس برعظیم کی دو بڑی قومیں مطمئن رہیں اور اس مشترک اطمینان کی خاطر عربی ترکیب کی اصطلاحات کو وضع کرنے کو ناپسند قرار دیا گیا لیکن جس قوم کی خاطر یہ کیا گیا وہ معاند قوم ہر طرح اردو کو نیست کرنے کے درپے تھی۔ اور اس کی بجائے ہندی نما سنسکرت کو ملکی زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے لیے تن من دھن لگا رہی تھی۔ ہندی نما سنسکرت کا رواج تو کیا ہو سکتا، ان کی اصلی غرض وغایت اردو کو جو حقیقتاً دونوں قوموں کی مشترک زبان تھی، اس غلط پروپیگنڈے کی بنا پر مٹانا تھا کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے۔ لیکن قدرت سب پر غالب ہے۔ اسے یہ منظور نہ تھا اور اس نے وامتازو الیوم کا نقارہ بجا کر برعظیم کو دو بڑے حصوں میں منقسم کر دیا۔ اور اردو کو قوم و سلطنت بخش دی۔

پاکستان کے قیام سے اردو پاکستان کی ملکی زبان بنی، اور آزاد فضا میں یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ ملک کے تمام کام قومی زبان میں سرانجام ہوں۔ تمام شعبے اور کاروبار اسی زبان کی وساطت سے چلیں، لیکن واضح ہے کہ یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک دفتری اور علمی وفنی اصطلاحات اردو زبان میں وضع نہ ہوں، نظام ملکی کے تمام شعبے انگریزی زبان کی وساطت سے چلتے رہے ہیں۔ اور تمام شعبوں کے ارباب و اہل کار انگریزی اظہار کے عادی ہو چکے ہیں۔ جب تک مناسب اردو اصطلاحات مروجہ انگریزی اصطلاحات کی جگہ نہیں لیں گی، ملکی زبان میں ملکی نظام چلانے کا اقدام ناممکن ہے —— جب تک علوم و فنون کی اصطلاحیں اردو میں نہیں ڈھلیں گی اور ان علوم و فنون کی کتابیں اردو اصطلاحوں کے ساتھ اردو میں شائع نہیں ہوں گی، تعلیمی شعبہ صحیح طور پر اردو میں کام نہیں چلا سکے گا۔ اسی طرح انجینئری، جہازرانی

ہوا بازی، نشریات، طب، قانون، وغیرہ کے شعبے اردو اصطلاحیں وضع ہونے کے بغیر ملکی زبان سے نہیں چل سکیں گے۔ اصطلاح سازی کے کام کو سنجیدگی، متانت اور سرعت کے ساتھ سرانجام دینے کی ضرورت جتنی اب ہے پہلے نہ تھی۔ چنانچہ حکومت بھی متوجہ ہے، ادارے بھی، اور ارباب ذوق بھی، کوششوں اور تدابیر کا جوش ہر طرف ہے، مگر اس جوش کی حقیقت انعقاد مجالس یا نشستند و گفتند و برخاستند تک ہے اس سے مزید کچھ نہیں؛ پاکستان کے قیام کو چھتیس سال ہو چلے لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کوئی مسلمہ فہرست اصطلاحات کسی شعبے کے سلسلے میں شائع نہیں ہوئی، اصطلاح سازی کا مسئلہ بھی "یو این او" کا مسئلہ کشمیر ہو چلا ہے۔

سب سے پہلا سبب تو وہ عشق ہے جو غلامانہ دور میں انگریزی کے جمالی چکا چوند کے دل و دماغ پر چھا جانے سے پیدا ہوا۔ اور جس کے ساحرانہ سحر کے متوالے آزادانہ دور میں بھی کچھ اس طرح کے دل باختہ ہیں کہ حقیقتاً ان کے لیے انگریزی سے فراق ناقابلِ برداشت ہے۔ انہیں مرعوب خاطر نہیں کہ دل و دماغ کی محکومی دور ہو، چنانچہ مختلف انداز سے بھیس بدل بدل کر یہ جذبہ نمودار ہوتا ہے، کبھی آواز بلند ہوتی ہے کہ ہم انگریزی چھوڑ نہیں سکتے ہمیں مغرب کے مخزنوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ کبھی تحریک ہوتی ہے کہ سائنسی علوم و فنون کی تعلیم میں ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے، اگر انگریزی کو چھوڑ بیٹھے۔ کبھی پرزور دلیل سے بحث کی جاتی ہے کہ سائنسی علوم و فنون میں تازہ ترین مغربی تحقیقات سے ہم مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ انگریزی کے بغیر ریسرچ ناممکن ہے کبھی وثوق سے چلّایا جاتا ہے کہ انگریزی بین الاقوامی زبان ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کی اہمیت کی بنا پر ہمیں اسے لازماً اپنے ساتھ رکھنا چاہیے۔ حقیقت

بھی نگہ بھانپ سکتی ہے کہ ان سب چیزوں کا منبع ایک ہی ہے ، انگریزی کا عاشقانہ عشق۔ اور یہ سب اردو کو رواج دینے کے خلاف بہانے ہیں۔ ذرا ان کا جائزہ لیجیے۔

مان لیا کہ ہمیں مغرب کے محسنوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے ، تو کیا یہ استفادہ انگریزی کی ہی وساطت سے ہو سکتا ہے اور اس استفادہ میں بہتر کردار کے لیے انگریزی کا ہی دامن پکڑنا کہاں تک حق بجانب ہے ؟ کیا وہ فوائد اپنی زبان میں ڈھال کر اپنی قوم کے افراد تک نہیں پہنچائے جا سکتے ؟ اور کیا اس کے لیے فقط ایک دارالترجمہ مشرق و مغرب کے درمیان کڑی ثابت نہیں ہو سکتا؟ ڈیڑھ دو سو سال میں ہماری قوم کے کتنے افراد انگریزی لازمی طور پر پڑھ پڑھ کر مغرب سے کیا کچھ سیکھ سکے؟ جو اب قوم کے تمام افراد پر اس زبان کی تعلیم لازمی طور پر برقرار رکھنے کی قیود قائم رکھی جائیں ؟ سائنسی علوم میں کتنوں نے مستفید ہو ہو کر کوئی ایجاد کر دکھائی اور انگریزی کی بنا پر ہی بین الاقوامی نہ سہی ، اپنے ملک میں ہی کوئی تحقیقاتی شہرت حاصل کی ؟ کتنے ہیں جو علوم و فنون کے حقیقی معراج پر پہنچے ؟ تقریر و تحریر میں مدح سرائی تو اکثر کی ہوتی ہے لیکن ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ انگریزی سائنس دان سکالر سے تو بجلی کے کارخانے کا ایک معمولی تجربہ کار کاریگر بھی ہزار درجے اچھا ہے جو بگڑی ہوئی مشین تو درست کر سکتا ہے اور ہمارا ریسرچ سکالر سے

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

آسمان کی باتیں تو آپ اس سے سن لیجیے ، سائنس کی اہمیت پر انگریزی میں گفتگو میں کرا لیجیے ، مغربی سائنس دانوں کے قصیدے پڑھوا لیجیے ، لیکن اس سے ایجاد کی توقع کرنے کی گستاخی نہ کیجیے۔ ابھی تک انگریزی تعلیمی ذریعہ کی حیثیت

سے مدارس سے ہٹائی تو نہیں گئی لیکن کوئی بتائے کہ انگریزی ہی کی وساطت سے ہمارے سائنس کے اعلیٰ ترین ماہروں میں سے کتنے ہیں جو ایٹمی قوت کے حقائق تخلیقی سے عملی طور پر آشنا ہیں اور قوم کی خاطر کچھ اس سے بچاؤ کی تدابیر سوچنے میں محوِ کار ہیں؟ ایٹمی قوت کی تباہ کاریوں سے تو آج انگریزی سے ناآشنا افراد بھی ترجموں کی برکت سے بہت حد تک آشنا ہیں۔ عملی ایجادات و تحقیقات کے لیے انگریزی لازمہ ہے تو اب تک اس سلسلے میں کوئی کارنامہ یہاں کیوں ظاہر نہیں ہوا؟ بھلا زبان کے ساتھ کارناموں کی وابستگی ہے؟ نہیں؛ تحقیقات و ایجادات کا انحصار دماغی غلامی پر نہیں، بلکہ دماغی آزادی پر ہے۔ اس کا تعلق سمجھ سے ہے زبان سے نہیں۔ انگریزی کی وساطت سے جو تاریخی معلومات ڈیڑھ سو سالوں میں ہمارے دل و دماغ میں ٹھونسے گئے اور راسخ عقائد کی صورت اختیار کر گئے، کہاں تک حقائق پر مبنی تھے؟ حقائق پر سے پردے ہٹانے میں محققین کو انگریزی نے کہاں تک مدد دی؟

علوم و فنون سے استفادہ ضروری اور لازمی چیز ہے، لیکن باقی چیزوں کی طرح اس چیز میں بھی انگریزوں کے طرزِ عمل کی کیوں پیروی نہیں کی جاتی؟ انگریزوں نے تمام زبانوں کے علوم و فنون سے استفادہ کیا لیکن ان زبانوں کی تعلیم اپنی قوم کے تمام افراد پر لازمی کر کے نہیں بلکہ ان علوم و فنون کے معلومات کو اپنی زبان میں ڈھال ڈھال کر ـــــ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی زبان کو وسعت نصیب ہوئی۔ اردو میں تمام علوم و فنون ڈھل جائیں تو یہ بھی انگریزوں کی طرح بے نیاز زبان ہو جائے اسی بے نیازی کی حد تک اپنی زبان کو پہنچانا قوم و ملک کے لیے باعثِ فخر ہے؟ لیکن اس حد تک زبان کب پہنچے گی؟ اسی وقت جب کہ غیر زبان سے بے نیاز

ہوکر اپنی زبان کی وسعت کے لیے سامان کیا جائے گا۔ انگریزی چلتی رہی تو پھر اپنی زبان میں علوم و فنون ڈھل چکے۔

دوسری زبان کے تازہ ترین معلومات بہم پہنچانے کا کام ایک مرکزی دارالترجمہ سرانجام دے سکتا ہے اور اس دارالترجمہ کے لیے خصوصی قابلیت کے حضرات مفید ہو سکتے ہیں جو اپنے فن یا مضمون میں ماہر ہوں اور انگریزی اور اردو زبانوں پر قدرت رکھتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ ہر ایک فرد کے بس کا روگ نہیں اور نہ ہر ایک فرد اس دارالترجمہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز خاص صلاحیتوں والے افراد تک محدود ہونی چاہیے۔ انگریزی اختیاری یا انتخابی زبان کی حیثیت سے، نصابِ تعلیم میں شامل رہنی چاہیے۔ نہ کہ لازمی زبان اور ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کے نظم و نسق میں بھی ہر فرد کو دخل نہیں۔ اس کا انحصار بھی مخصوص صلاحیتوں کے افراد پر ہے، بین الاقوامی زبان کی اہلیت ان مخصوص افراد ہی کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔ نہ کہ سب کے لیے۔ قوموں کی آزادی ان کی اپنی زبان کے ساتھ بہت حد تک وابستہ ہوتی ہے۔ سب سے بڑی آزادی ذہنی آزادی ہے۔ اور ذہنی آزادی قومی زبان کے اختیار سے آتی ہے۔ کوئی ہزار بہانے کرے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اردو زبان غلامانہ کس مپرسی کے دور میں انگریزی کے تسلط کی بنا پر انگریزی کے غلام عشاق کے نزدیک قطعی طور پر وقار کھو چکی ہے۔ اس کو حقارت سے دیکھنے کے عادی حضرات کی نگاہوں میں یہ زبان اب بھی کچھ جچ نہیں رہی۔ وہ اسے جدید علوم و فنون کی اصطلاحات کا متحمل ہی نہیں گردانتے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ زبان اتنی پسماندہ اور بے صلاحیت ہے کہ جدید معلومات و ایجادات کے [illegible] کے لیے اس کے پاس مناسب الفاظ نہ موجود ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ نیز

انہیں اردو میں اپنی شان کم تر ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ساری چیزیں اردو زبان سے ناواقفیت کی بنا پر ہیں۔ اردو کا واقف اردو کی شان کا منکر نہیں ہو سکتا۔

تیسرا سبب جو خطرناک رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے، یہ ہے کہ اصطلاح سازی پر مامور ذمہ دار اصطلاح سازی سے قاصر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم و فن میں تو سند یافتہ ماہر مشہور ہیں لیکن اردو زبان اور اردو میں اصطلاح سازی کے فن سے نابلد ہیں اور انہیں اردو دان اصطلاح سازی کے فن کے ماہرین کی امداد سے ہتک عزت یا قصر شان کا احساس ہوتا ہے۔ بھلا یہ کہاں مناسب ہے کہ فن کے سند یافتہ ماہر تو وہ ہوں اور ان کے فن کی اصطلاح سازی کا سہرا ایک حقیر اردو دان کے سر ہو۔ کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے کہ اصطلاح سازی میں بھی انہی کی ناموری ہو۔ اس سلسلے میں کچھ اس طرح تعصب کا مظاہرہ ہو رہا ہے کہ جیسے ان کے علم و فن کی انگریزی اصطلاحات انہی سند یافتہ ماہرین کی ذاتی جاگیریں یا موضوع ہیں جن کا حق تالیف و ترجمہ انہیں کے حق میں محفوظ ہے۔ چونکہ یہ خود اصطلاح سازی سے قاصر ہیں۔ اس لیے یہ اس اعلان کی آڑ لیتے ہیں کہ اردو میں اصطلاحات کا ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا یا یہ کہ انگریزی اصطلاحات ہی اردو میں قائم رکھنی چاہئیں۔ پہلے اعلان میں تو ان کے قاصر ہونے کی دلیل ہے دوسرے میں وہ قومی زبان کی اس توسیع پر ضرب کاری لگانا چاہتے ہیں جو قومی تہذیب و ثقافت کے ارتقا کے لیے ضروری ہے۔

بعض ماہرین علم و فن اردو زبان میں بھی ماہر ہیں۔ لیکن وہ اصطلاح سازی کے صحیح اصول نہ جانتے ہوئے اصطلاحوں کو کچھ اس طرح بنا رہے ہیں کہ وہ یا تو سرے سے ہی غلط ہیں یا مبہم ہیں۔ اردو دان ماہرین علم و فن ہمارے لیے اس وقت

بہت غنیمت ہیں۔ لیکن وہ صحیح اور مفید کام اسی وقت کر سکتے ہیں جب وہ اصطلاح سازی کے اصول مدنظر رکھیں۔ ان کے لیے ان اصولوں کی واقفیت ضروری ہے۔ ورنہ ان کی بے اصول کوششیں قومی زبان کی تحقیر کا باعث ہوں گی۔

ان تمام اسباب کے پسِ پردہ اردو کی مخالفت کی جھلکیاں ہیں۔ اور اردو حق بجانب ہوگی۔ جو کہہ اُٹھے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

بعض اربابِ ذوق جو اردو کے متوالے ہیں اور جذبۂ قومی کے ماتحت اس زبان کی خدمت پر کمر بستہ ہیں، اصطلاح سازی میں انفرادی کوششیں کر رہے ہیں۔ چند ایک کے ماسوا اکثر کی کوششوں میں مندرجہ ذیل اہم نقص ہیں :۔

۱۔ ابہام واشکال زیادہ ہیں۔

۲۔ صحیح ترجمے نہیں۔

۳۔ مرکب اصطلاحوں کی ترکیبیں صحیح نہیں۔

۴۔ الفاظ کی صورت بھی درست نہیں۔

۵۔ اصطلاح سازی کا کوئی اصول مدِّنظر نہیں۔

ایسی اصطلاحات قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان کا رواج شاید مضحکہ خیز ثابت ہو۔

بہرحال اصطلاح سازی کا معاملہ جو قوم و ملک کی آزادی و خوش حالی کی خاطر بہت جلد طے ہونا چاہیے تھا اور ہو سکتا ہے، قاصر اربابِ فن، بے نیاز [illegible] اور بے اصول اصحابِ کار کی نذر ہو کر مندرجہ ذیل اسباب کے پیشِ نظر [illegible] کر رہ گیا ہے۔ اگر کچھ ہوا ہے تو وہ یہ کہ انگریزی میں عقیدت

بڑھانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، اور ملکی زبان ہیں نہ دخانہ چالو ہو سکے ہیں نہ علوم وفنون کی اصطلاحات ڈھالی جا سکی ہیں کہ قومی تعلیم کا کام رواں ہو۔

قومی آزادی کا استقلال مطلوب ہے اور آزاد اذہان کی تربیت مقصود ہے تو اصطلاحات کے مسئلے کو جلد سلجھانا چاہیے، اور اس کے سلجھانے کی ایک صورت یہی ہے کہ مندرجہ بالا اسباب جو اس کام کی راہ میں حائل ہیں دور کیے جائیں یعنی :۔

۱- مخلصانہ کوششیں کی جائیں۔

۲- کام ان کے سپرد کیا جائے جو اہل ہوں اور انتہائی محنت وکاوش سے کام لے کر اسے جلد نپٹا سکیں۔

۳- کام اصول کے مطابق ہو۔

مخلصانہ کوشش تو یہی ہے کہ اردو کو جب آزاد پاکستان کی قومی زبان قرار دیا جا چکا ہے تو پھر اب آزاد ملک کے اصول عمل کے مطابق اسے دفتری اور تعلیمی زبان بنا دینا چاہیے اور انگریزی کو اس منصب سے ہٹا کر تعلیمی نصاب میں اس طالب علم کے اختیار پر چھوڑ دینا چاہیے جسے اس کا عشق ہو۔ دفتری اور تعلیمی زبان بنا دینے پر اربابِ متعلقین خود بخود اپنے استقلالِ منصب کی خاطر اردو میں کام چلانے پر کوشاں ہوں گے اور کام چلانے سے ہی رواں ہوگا۔ ان کے لیے معیاری، دفتری اور تعلیمی اصطلاحات بہم پہنچا دی جائیں۔

ہر علم وفن کی اصطلاح سازی کا کام ایسی مجالس کے سپرد کیا جائے جن کے ارکان مندرجہ ذیل ہوں :۔

۱- علم یا فن کے کم از کم دو ماہر خصوصی۔

۲- السنۂ شرقیہ کا ماہر۔

۳- ماہر اصطلاح ساز یا اصطلاح سازی کا اصول دان۔

علم یا فن کے ماہر خصوصی اصطلاحوں کی مکمل فہرست مہیا کریں۔ اور اس کے ساتھ حسبِ ضرورت اصطلاح کے صحیح مفہوم سے متعارف کرانے میں مجلس کو امداد دیں۔ السنہ شرقیہ کا ماہر مناسب الفاظ و تراکیب بہم پہنچائے اور ماہر فن اصطلاح سازی یا اصطلاح سازی کا قانون دان ترکیب و اصطلاح کی صحت کا جائزہ لے۔ جہاں کہیں اربابِ علم و فن خود السنہ شرقیہ کے بھی ماہر ہوں۔ اور اصطلاح سازی کے اصولوں سے بھی آشنا ہوں وہاں نمبر ۲ اور نمبر ۳ کی چنداں ضرورت نہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

ان مجالس پر فرض عائد کیا جائے کہ ایک مختصر سی مدت کے اندر اندر اپنی فہرست مرتب کر کے پیش کریں۔ یہ فہرست پھر اعلیٰ محتسبوں کے سامنے پیش ہو یا مزید اربابِ فن کو اس کی نقلیں بھجوا کر مقررہ مدت کے اندر ان پر تنقید و تبصرہ طلب کیا جائے اور پھر جلد ہی ان تنقیدوں کے زیرِ اثر نظرثانی کرا کے شائع کرا دیا جائے۔ اگرچہ یہ شائع شدہ فہرست قطعی و آخری نہیں ہوگی تاہم کام چلانے کے لیے مفید ہوگی۔ رفتہ رفتہ کام میں استعمال ہو ہو کر اصطلاحیں منجھیں گی اور ان کی حسبِ ضرورت اصلاح ہوتی جائے گی۔ تاآنکہ مستقل ہو جائیں۔ اشاعتِ فہرست کے مرحلے تک پانچ چھ ماہ سے زیادہ صرف نہیں ہونے چاہئیں۔

دفتری اصطلاحیں کوئی تین چار سو سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔ اور اسی طرح مختلف علوم و فنون میں سے ہر علم یا ہر فن کی اصطلاحوں کی تعداد بھی چند سینکڑے ہوگی۔ اس کام پر زیادہ مدت صرف نہیں ہونی چاہیے۔

اصطلاحی مسئلے میں سب سے اہم چیز اصطلاح سازی کے بنیادی اصول اور طریقے ہیں جن پر کاربند ہونا نہایت ضروری ہے۔ بنیادی اصول حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ اصطلاح جہاں تک ممکن ہو، واضح، سہل، سریع الفہم، جامع، مختصر اور خوبصورت وضع کی جائے۔

۲۔ اردو زبان کی نوعیت کو حتی الوسع قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ لفظی مادے اور الفاظ حسب ضرورت ان زبانوں سے لیے جائیں جو تشکیلِ اردو میں بطور عنصر شامل ہیں۔

۴۔ اسلاف کی یادگار اصطلاحوں کو قائم رکھا جائے۔

۵۔ علوم وفنون کی جو اصطلاحیں اردو میں مدت سے مروج ہیں انہیں بدلا نہ جائے تاوقتیکہ معنوی تحقیق اس تغیر پر مجبور نہ کرے۔

۶۔ اسلامی دنیا کے علمی و فنی اتحاد کے پیش نظر عربی و فارسی میں علوم و فنون کی جدید مروجہ اصطلاحات کو موزونیت کی حد تک اپنایا جائے۔

۷۔ جو انگریزی اصطلاحیں عام فہم اور عوام کی زبان پر رائج ہیں اور جن کے لیے اردو میں پہلے الفاظ موجود نہیں، انہیں جوں کا توں یا ہلکے سے تصرف کے ساتھ اپنا لیا جائے۔

۸۔ انگریزی اصطلاحوں کی ساخت معنی اور ماخذ کے لحاظ سے پوری تحقیق کر لی جائے، ان کی نوعیتیں سمجھ لی جائیں اور پھر اسی تحقیق کی روشنی میں انہیں اردو میں اصطلاح سازی کے طریقوں کے مطابق ڈھالا جائے۔

اصطلاح واضح ہونی ضروری ہے اور جہاں تک ممکن ہو اصطلاح سے مفہوم کے صحیح پہلو نمایاں ہونے چاہئیں۔ یہ نہ ہو کہ اصطلاح کا لفظ تو کسی اور چیز کی دلالت کرے اور مفہوم کچھ مراد ہو ــــ اصطلاح کا سہل

ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ثقیل اصطلاحوں کے الفاظ زبان پر آسانی سے رواں نہیں ہو سکیں گے۔ اور ان کو یاد کرنے میں تکلیف یا نفرت ہوگی۔ ثقیل الفاظ سے حتی الوسع پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ہاں جہاں ثقیل الفاظ کے بغیر چارہ نہ ہو تو وہاں ان کے اختیار کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اصطلاح واضح و سہل ہونے کے علاوہ سریع الفہم بھی ہونی چاہیے یعنی الفاظ مشکل اور مبہم نہ ہوں۔ ورنہ اصلی مفہوم کی طرف ذہن کے منتقل ہونے میں دقتیں حائل ہوں گی۔ اصطلاح جامع بھی ہونی چاہیے، یعنی اس کے مفہوم سے اس سے متعلقہ کوئی چیز اس سے خارج نہ ہو۔ بعض اصطلاحیں بہت لمبی اختراع کی جاتی ہیں۔ یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ اصطلاح ہر ممکن حد تک مختصر ہونی چاہیے۔ اول ایک ہی لفظ ہو، جہاں ایک لفظ سے کام نہ چل سکے تو دو لفظ اختیار کیے جائیں۔ دو لفظوں سے آگے بھی بصورت مجبوری بڑھنا چاہیے۔ یہ بھی خیال رکھا جائے کہ اصطلاح خوبصورت بنے، بھونڈی اور عیب دار نہ ہو۔

اصطلاح سازی میں سب سے زیادہ جس چیز کی کوشش مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ اردو زبان کی نوعیت کو قائم رکھا جائے۔ محققین السنہ نے دنیا کی زبانوں کے تین بڑے خاندان بتاتے ہیں۔ آریائی، سامی، حامی۔ ان میں ہر ایک کی بے شمار شاخیں ہیں۔ آریائی خاندان دو بڑی جماعتوں میں منقسم ہیں۔ مشرقی اور مغربی۔ پھر یہ جماعتیں چار چار شعبوں میں منقسم ہیں۔ مشرقی کے چار شعبے، انڈو ایرانین، اناٹولک، تھریسو الیرین اور بالٹو سلیوک ہیں۔ مغربی جماعت کے چار شعبے ہیلینک، اٹیلک، کلٹک اور ٹیوٹانک ہیں۔ اور انہی کے شعبوں

ہیں یونانی، لاطینی، اطالوی، فرانسیسی، اندلسی، پرتگالی، جرمن اور انگریزی زبانیں آتی ہیں۔ آریائی زبان کے مشرقی انڈوایرانین شعبے کے آگے دو بڑے مجموعے ہیں۔ انڈین اور ایرانین۔ ایرانین میں پشتو، فارسی، پہلوی اور زند زبانیں آتی ہیں۔ انڈین میں سنسکرت، پالی، پراکرت اور دیگر تمام برعظیم پاک وہند کی زبانیں آتی ہیں جن میں اردو شامل ہے۔ چنانچہ اس شجرہ نسب سے پتہ چل سکتا ہے کہ اردو کس اصل کی زبان ہے اور اس کا رشتہ کن کن زبانوں سے ہے؟۔

اور اس اصل کو مدِ نظر رکھنے کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس زبان کی ترکیب و نشوونما میں کون سی زبانوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور اس میں کن زبانوں کے الفاظ زیادہ ہیں جو اس زبان کا جزو لاینفک بن چکے ہیں۔ کیونکہ زبان کی اصل و نژاد تو قواعدی لحاظ سے موثر ہوتی ہے لیکن اس کے ادبی و علمی معیار کی حیثیت سے وہ تمام عناصر اہم ہوتے ہیں جو اس کی اس حیثیت کی ترکیب و تشکیل کا باعث ہوتے ہیں۔ اردو کی اصل ہندی ہونے کے باعث اس میں ہندی الفاظ کا بکثرت موجود ہونا تو واضح ہے۔ ان کے علاوہ زیادہ تر الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ کے مصنف نے کل ۵۴۰۰۹ الفاظ درج کیے ہیں۔ جن میں برعظیم پاک و ہند کی مختلف زبانوں کے الفاظ ۲۱۶۴۴ بتاتے ہیں۔ عربی کے ۷۵۸۴ فارسی کے ۶۰۴۱ سنسکرت کے ۵۵۴ انگریزی کے ۵۰۰ اور باقی مختلف زبانوں کے، (جن میں ترکی، عبرانی، سریانی، یونانی، پرتگالی، لاطینی، فرانسیسی ہسپانوی وغیرہ زبانیں شامل ہیں) کل ۱۸۱۔ ان مختلف زبانوں میں ترکی کے الفاظ سب سے زیادہ بتاتے ہیں۔ گویا اردو میں اس کی اصل کے لحاظ سے جو الفاظ آئے ہیں۔ ان کے علاوہ سب سے زیادہ عربی الفاظ اور پھر فارسی الفاظ شامل ہیں۔ انگریزی الفاظ تو سنسکرتی الفاظ سے بھی کم ہیں۔ چنانچہ اردو زبان کی ترکیب و

اصل ظاہر کرتی ہے کہ اصطلاح سازی میں اس کی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل اصول مدنظر رکھے جائیں :-

۱- چونکہ یہ زبان آریائی ہے اس لیے جہاں تک ممکن ہو، اصطلاح کی ترکیب و توضیح آریائی زبانوں کے اصولوں کے مطابق ہو۔ یعنی جس توازن کے مطابق اس زبان میں الفاظ وضع ہوتے چلے آئے ہیں، اسی طرح وضع کیے جائیں۔

۲- دوسری زبانوں سے الفاظ لیتے وقت سب سے زیادہ اور سب سے پہلے عربی و فارسی کے الفاظ لیے جائیں۔ اس کے بعد انگریزی اور وہ بہت ہی کم یعنی عربی و فارسی الفاظ کے مقابلے میں تقریباً پچاس اور ایک کی نسبت سے۔ گویا پچاس عربی الفاظ لیے جائیں تو کہیں ایک لفظ انگریزی کا آئے۔

اصطلاحی الفاظ وضع کرنے کے لیے مادوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اردو اصطلاحوں کی خاطر یہ مادے اردو زبان کے علاوہ انہی زبانوں سے لیے جانے چاہییں جو اس زبان کے اہم عناصر ترکیبی ہیں۔ یعنی عربی اور فارسی، تاکہ اصطلاحوں کی تشکیل اردو کے لیے اجنبی نہ ہو۔ لیکن اس سلسلے میں یہ احتیاط کی جائے کہ ادق قسم کے لفظی مادے نہ لیے جائیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے اسلاف نے علوم و فنون کی جو اصطلاحات پہلے وضع کی ہیں خواہ وہ عربی ہیں یا فارسی، لیکن اس زبان میں مروّج رہی ہیں۔ اور ان علوم و فنون کی دیسی درس گاہوں میں انہی اصطلاحوں کے ذریعے تعلیم دی جا رہی ہے، مثلاً طب، ریاضی، منطق، فلسفہ اور اخلاقیات وغیرہ، ان کی اصطلاحات کو قائم رکھا جائے۔ کیونکہ وہ ہمارے اسلاف کی یادگاریں ہیں، اور

انہیں مٹانا نامناسب ہے۔

اسی طرح بعض اصطلاحیں پہلے اردو میں مدت سے مروج ہیں انہیں بھی قائم رکھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ عوام کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں اور ان کے مفاہیم تک ذہن کے منتقل ہونے کی عادت سی ہو چکی ہے، انہیں نہ بدلا جاتے۔ ہاں البتہ اگر معنوی تحقیق اس پر دال ہو۔ کہ وہ اصطلاح کے جدید مفہوم کے لیے موزوں نہیں بلکہ ابہام اور غلطی پیدا کرتی ہے تو پھر اسے بدلنے میں تامل نہ کیا جائے۔ لیکن اس بدلنے میں بھی احتیاط کی جائے کہ کہیں نیا لفظ پہلے لفظ سے بھی زیادہ مبہم اور مشکل نہ ہو۔

پاکستان کی سیاسی، ملکی اور علمی بہتری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا اسلامی دنیا سے سیاسی اور علمی و فنی اتحاد ہو۔ علمی و فنی اتحاد کے لیے اصطلاحات بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ اگر عربی و فارسی کی وہ مشترک اصطلاحیں جو اسلامی دنیا میں رائج ہیں۔ بعینہٖ یا ہلکے سے تصرف کے ساتھ اردو میں اپنالی جائیں تو اسلامی دنیا کے علمی اتحاد کا مقصد جلد حاصل ہوگا۔ مفرد اصطلاحوں میں تو الفاظ بعینہٖ لینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ البتہ مرکب اصطلاحوں میں الفاظ وہی لے کر ترکیبی صورت میں اردو کے مطابق تصرف بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس تصرف کی اشد ضرورت ہے۔

بعض انگریزی اصطلاحیں بھی اپنائی جاسکتی ہیں لیکن اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے کہ یہ کام اس حد تک ہو جس حد تک اردو کی نوعیت کو برقرار رکھنے میں ٹھیس نہ لگے۔ انگریزی اصطلاحیں بہت کم اردو میں آنی چاہئیں اور ان میں سے بھی وہی اپنائی جائیں جو عام فہم اور عوام کی زبان پر اس طرح رائج ہو چکی ہیں کہ ان میں اجنبیت نظر نہیں آتی۔ اور ان کے لیے اردو میں پہلے الفاظ

موجود نہیں۔ ایسی اصطلاحوں کو جوں کا توں بھی لیا جاسکتا ہے اور ہلکے سے تصرف کے ساتھ اپنایا بھی جا سکتا ہے۔

انگریزی اصطلاحوں کو اردو میں منتقل کرنے سے پیشتر انگریزی اصطلاحوں کی ساخت، ان کے معانی اور آخذ کی پوری تحقیق کر لینی چاہیے۔ ان کی نوعیتیں سمجھ لینی چاہئیں۔ کیونکہ اس طرح اردو میں صحیح مفہومِ اصلاح ادا کرنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈنے میں دقت نہ ہوگی۔ بلکہ مناسب اور موزوں الفاظ ہی ڈھونڈے جا سکیں گے۔

انگریزی اصطلاحوں کی نوعیتیں مختلف ہیں :۔

۱۔ بعض تو سیدھے سادے الفاظ ہیں جن کا آسانی سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے اور وہی لغوی ترجمہ کا لفظ ہی اردو میں کام آسکتا ہے کیونکہ اسی سے اصطلاح کا صحیح مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

۲۔ بعض الفاظ تو پیچیدہ ہیں لیکن ان کے اشتقاق کا پتہ چل سکتا ہے اس اشتقاق کے مادے کے مطابق اردو میں مادہ لے کر لفظ بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ بعض ایسی اصطلاحیں ہیں جن کا اشتقاق ہی مشکوک ہے۔ ایسی اصطلاحوں کے سلسلے میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان میں یا تو کچھ تصرف کر لیا جائے یا اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو انہیں اس وقت تک ویسا ہی رہنے دیا جائے جب تک کہ ان کے اشتقاق کا صحیح علم نہیں ہو جاتا۔

۴۔ بعض اصطلاحیں ایسی ہیں جو چیزوں کے موجدوں یا دریافت کرنے والوں کے نام پر رکھی گئی ہیں۔ ان میں ایسا تصرف کرنا چاہیے کہ موجد یا دریافت

۱۔ انگریزی اصطلاح کا صحیح لغوی معنی کیا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اردو میں کون سا لفظ ہے۔

۲۔ اردو میں اگر اس کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں تو پھر عربی یا فارسی میں اس کے لیے کون سا لفظ موجود ہے۔

۳۔ اصطلاح کے لغوی معنی اور صحیح مفہوم میں کچھ فرق تو نہیں۔ نہیں تو لغوی معنی والا لفظ ہی مناسب ہوگا۔ اور اگر فرق ہے تو پھر صحیح مفہوم کو ادا کرنے والا لفظ لغت سے تلاش کیا جائے۔ اردو میں عدم موجودگی کی صورت میں عربی یا فارسی سے ڈھونڈا جائے۔

۴۔ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ جو لفظ لیا جا رہا ہے، وہ ان زبانوں میں عام مستعمل اور رائج ہے یا نہیں۔ عام مستعمل اور رائج لفظ کو ترجیح دی جائے۔ ورنہ مشکول اور شاذ استعمال والے لفظ سے دقتیں پیدا ہوں گی۔

۵۔ اصطلاح کے لیے اردو میں اگر پہلے کوئی لفظ موجود ہے اور وہ صحیح ترجمانی کرتا ہے تو اسے ترجیح دی جائے۔

۶۔ انگریزی اصطلاح کا مادہ معلوم کرکے اس مادے کے مطابق اردو یا عربی یا فارسی مادہ ڈھونڈا جائے۔

لفظ یا مادہ اخذ کر لینے کے بعد دوسرا اقدام اس لفظ یا مادے کو مناسب اصطلاحی تشکیل دینا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں:۔

۱۔ لفظ کو اصطلاح کا نیا معنی دیا جائے اور اس میں مناسب تصرف کر لیا جائے۔

۲۔ مادے کو سابقوں Pre fixes اور لاحقوں Suf fixes کے ذریعے اصطلاحاً تشکیل دیا جائے۔

انگریزی میں بہت سے الفاظ و اصطلاحات مادے پر سابقے اور لاحقے زیادہ کرنے سے بنے ہیں۔ مادے کے مقابلے میں اردو یا عربی یا فارسی مادہ ڈھونڈ لینے کے بعد اردو زبان کے مستعمل سابقوں یا لاحقوں میں سے مناسب سابقہ یا لاحقہ اس مادے پر ایزاد کیا جائے۔ اردو میں بے شمار سابقے اس قسم کی امداد دے سکتے ہیں۔ مثلاً اُ (اُچھوتا)، اَ کارت وغیرہ)، از (از بس، از سرِ نو وغیرہ)، اَن (اَن پڑھ، اَن گنت وغیرہ)، با (باقاعدہ، باوفا وغیرہ)، باز (باز پُرس وغیرہ)، بر (برخلاف، برطرف وغیرہ)، بے (بے بس، بے تحاشا وغیرہ)، پا (پابند، پامال وغیرہ)، پر (پردیس وغیرہ)، پُر (پُرزور وغیرہ)، پیش (پیش خدمت، پیش خیمہ وغیرہ)، ت (تپائی وغیرہ)، پن (پنسیری وغیرہ) پنج (پنجگانہ وغیرہ)، پس (پسپا، پس ماندہ وغیرہ)، تہ (تہ خانہ وغیرہ)، چو (چوکس، چوکنا وغیرہ)، خر (خرمگس وغیرہ)، خُرد (خردبین، خرد سال وغیرہ)، زیر (زیردست وغیرہ)، زود (زود رنج، زود فہم)، س (سپوت وغیرہ)، سر (سرسبز، سرگراں وغیرہ)، شاہ (شاہباز، شہتوت وغیرہ)، خوش (خوش حال، خوش الحان وغیرہ) صاحب (صاحبِ دل وغیرہ)، غیر، غیر موزوں، غیر آباد وغیرہ)، لا (لادوا، لاوارث وغیرہ)، میر (میر مجلس، میر محلّہ وغیرہ)، نا (ناآشنا، ناامید وغیرہ)، نیم (نیم حکیم، نیم گرم وغیرہ)، ہر (ہرکارہ، ہرجائی وغیرہ)، ہم (ہم پیالہ، ہم جنس وغیرہ)، ہمہ (ہمہ دان، ہمہ گیر وغیرہ)، یک (یک رنگ، یک لخت وغیرہ) اور اسی قسم کے اور سابقے۔

اسی طرح بے شمار لاحقے مثلاً ا (جھوٹا، سچا وغیرہ)، آباد (جلال آباد وغیرہ) اپ (ملاپ وغیرہ)، اپا (رنڈاپا وغیرہ)، اپن (احمقاپن وغیرہ)، ات (باغات وغیرہ)، اٹا (سناٹا وغیرہ)، آرا (معرکہ آرا، جلوہ آرا وغیرہ)،

ارت (بھارت وغیرہ)، اری (بھکاری وغیرہ)، اڑی (کھلاڑی اناڑی وغیرہ)، اس (پیاس وغیرہ)، اسا (دلاسا وغیرہ)، افروز (جلوہ افروز وغیرہ)، افزا (غم افزا وغیرہ)، افشاں (نور افشاں وغیرہ)، افگن (شیر افگن وغیرہ)، اک (خوراک، پوشاک وغیرہ)، اکا (لڑاکا وغیرہ)، آلود (خواب آلود وغیرہ)، انداز (نظر انداز، تیر انداز وغیرہ)، اندیش (خیر اندیش وغیرہ)، اوٹ (لگاوٹ، بناوٹ وغیرہ)، آویز (دلآویز وغیرہ)، باز (دغاباز وغیرہ)، باش (خوش باش وغیرہ)، بان (میزبان وغیرہ)، بند (کمر بند وغیرہ)، بیں (خرد بیں وغیرہ)، پرداز (کارپرداز وغیرہ)، پرست (پیر پرست وغیرہ)، پن (بچپن وغیرہ)، تراش (سنگتراش وغیرہ)، توڑ (سرتوڑ وغیرہ)، جو (بہانہ جو وغیرہ)، چہ (دیگچہ وغیرہ)، چی (صندوقچی وغیرہ)، خانہ (کارخانہ وغیرہ)، خوار (وظیفہ خوار وغیرہ) دار (آبدار، پہرے دار وغیرہ)، داں (قدرداں وغیرہ)، دیدہ (ستم دیدہ، جہاندیدہ وغیرہ)، سار (خاکسار وغیرہ)، ساز (نواساز وغیرہ)، ستان (گلستان وغیرہ) ش (آزمائش، آسائش وغیرہ) شناس (حق شناس وغیرہ)، فام (گلفام وغیرہ) فروش (گل فروش وغیرہ)، فہم (کج فہم، تیز فہم وغیرہ)، کار (بیکار، دستکار وغیرہ)، کدہ (غم کدہ، میکدہ وغیرہ)، کش (دم کش، سرکش وغیرہ)، کن (کارکن وغیرہ)، گار (پرہیز گار، سازگار وغیرہ)، گاہ (بارگاہ، گزرگاہ وغیرہ)، گر (کاریگر وغیرہ)، گزار (شکر گزار وغیرہ)، گو (غزل گو وغیرہ)، گوں (نیلگوں وغیرہ)، گیر (ماہی گیر وغیرہ)، ل (گھائل وغیرہ)، مال (رومال، ریگ مال وغیرہ)، مند (غرض مند وغیرہ)، ن (بھاڑن وغیرہ)، نگار (افسانہ نگار وغیرہ)، نما (بدنما وغیرہ)، نواز (بندہ نواز وغیرہ)، نویس (عرضی نویس وغیرہ)، و (نکھٹو وغیرہ)، ور (طاقت ور وغیرہ)، ہارا (لکڑہارا وغیرہ)، ئی (پڑھائی وغیرہ)۔

یل (مریل وغیرہ)، اور اس طرح کے دیگر لا تعداد لاحقے جو کتب لغت میں محفوظ و محصور ہیں (اور جن کے متعلق وحیدالدین سلیم نے اچھی خاصی فہرست مرتب کرکے بہم پہنچائی ہے)۔

یہ ضروری نہیں کہ سابقوں اور لاحقوں سے جو اصطلاح بنے اس میں انگریزی اصطلاح کے سابقے کے مقابلے میں اردو سابقہ اور انگریزی لاحقے کے مقابلے میں اردو لاحقہ مناسب ہو کیونکہ بعض اوقات انگریزی میں سابقے کی بہترین ترجمانی اردو میں بذریعہ لاحقہ ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس۔

مفرد اصطلاحیں وضع کرنے میں تو زیادہ دقت نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلے کا لفظ اردو یا عربی یا فارسی سے لے لیا۔ یا سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے مادے پر اضافہ کرنے سے مقصود حاصل ہو گیا۔ لیکن مرکب اصطلاحیں مفرد کی طرح نہیں۔ ان میں زیادہ دقت ہوتی ہے۔ چنانچہ مرکب اصطلاح وضع کرتے وقت تین چیزیں مدنظر رکھنی پڑتی ہیں:۔

۱۔ ترکیب کا طریق۔

۲۔ اجزائے ترکیبی کا باہمی تعلق۔

۳۔ ترکیب میں اجزاء کا تغیر۔

ترکیب کا طریق وہی مقصود ہے جو اردو میں رائج رہا ہے۔ اردو میں دو الفاظ کی ترکیب مختلف طور سے ہوتی رہی ہے۔

دونوں ہندی لفظ (مثلاً آگ بگولا یا دیاسلائی وغیرہ)

دونوں فارسی الفاظ (مثلاً زبان دراز، تنگ دست وغیرہ)

دونوں عربی لفظ (مثلاً خیر مقدم، تکیہ کلام وغیرہ)

ایک ہندی ایک فارسی (مثلاً نیک چلن، سبزی منڈی وغیرہ)

ایک ہندی ایک عربی (مثلاً عجائب گھر، پلیسہ اخبار وغیرہ)

ایک فارسی ایک عربی ز جیسے فضول خرچ، دستخط وغیرہ)

ایک ترکی ایک فارسی (جیسے اردو بازار وغیرہ)

ایک ہندی ایک ترکی (جیسے مونگ پلاؤ وغیرہ)

ایک انگریزی ایک ہندی (جیسے ریل گاڑی وغیرہ)

ایک انگریزی ایک فارسی (جیسے جیل خانہ وغیرہ)

اسی طرح اردو میں مرکب اصطلاح وضع کرنے میں اسی قسم کی ترکیبی صورتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ ترکی اور انگریزی زبان کے الفاظ بہت کم لیکن ہندی، فارسی اور عربی کے عام فہم اور عام مستعمل الفاظ مندرجہ بالا ترکیب سے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

اجزائے ترکیبی کا باہمی تعلق قواعدِ زبان کے مختلف طریق سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا مختلف قسم کی ترکیبی صورتوں سے بہتر ہے، کہ مندرجہ ذیل اصول مدنظر رکھے جائیں :۔

عربی قواعد کے لحاظ سے :۔

مرکب اضافی میں مضاف پہلے مضاف الیہ بعد میں۔ جیسے دارالترجمہ۔

فارسی قواعد کے لحاظ سے :۔

۱۔ مرکب اضافی میں مضاف پہلے مضاف الیہ بعد میں اور مضاف کے حرف آخر پر کسرۂ اضافی جیسے بزمِ سخن۔

۲۔ مرکب اضافی میں مضاف پہلے مضاف الیہ بعد میں لیکن کسرۂ اضافی ندارد

جیسے اہل کار۔

۳۔ مرکب اضافی میں مضاف الیہ پہلے مضاف بعد میں اور کسرۂ اضافی ندارد جیسے شتر سوار۔

۴۔ مرکب تشبیہی میں مشبہ بہ پہلے اور مشبہ بعد میں۔ جیسے آہو چشم۔

۵۔ مرکب توصیفی میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں۔ جیسے تنگ دست۔

۶۔ مرکب توصیفی میں اسم بمعنی صفت پہلے اور موصوف بعد میں جیسے فرعون مزاج۔

۷۔ مرکب توصیفی میں موصوف پہلے صفت بعد میں اور کسرۂ توصیفی ندارد جیسے خونِ ناحق۔

اردو قواعد کے لحاظ سے :۔

۱۔ مضاف الیہ پہلے مضاف بعد میں اور دونوں کے درمیان علامت اضافت (کا کے کی) جیسے جیب کی گھڑی۔

۲۔ مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں۔ لیکن علامت اضافت ندارد۔ جیسے ڈاک گاڑی۔

۳۔ صفت پہلے موصوف بعد میں۔ جیسے سفید ٹوپی۔

۴۔ معطوف الیہ پہلے معطوف بعد میں۔ لیکن علامت عطف ندارد۔ جیسے گلقند۔

۵۔ اسم پہلے امر بعد میں (اسم فاعل ترکیبی) جیسے منہ توڑ۔

۶۔ اسم پہلے ماضی بعد میں (مفعول کے معنوں میں) جیسے آپ بیتی، جیب کترا دل جلا۔

۷۔ ماضی پہلے ماضی بعد میں۔ جیسے پالا پوسا، بھولا بھٹکا۔

۸- اسم پہلے صفت حالیہ بعد میں جیسے خدا لگتی۔

۹- صفت حالیہ پہلے صفت حالیہ بعد میں۔ جیسے جیتی جاگتی۔

۱۰- اسم پہلے حاصل مصدر بعد میں ۔ جیسے سر منڈائی۔

۱۱- حاصل مصدر پہلے حاصل مصدر بعد میں۔ جیسے اُدھیڑ بُن یا دوڑ دھوپ۔

۱۲- اسم پہلے اسم فاعل واوی بعد میں۔ جیسے کام چلاؤ۔

اردو میں بعض مرکبات ایسے بھی بنتے ہیں کہ جن میں اجزائے ترکیبی کے اندر تغیر واقع ہوتا ہے اور ان کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں:۔

۱- پہلے لفظ کے ساتھ میم کا اضافہ۔ جیسے ٹالم ٹول۔

۲- بعض اوقات الف کا اضافہ۔ جیسے رنگا رنگ۔

۳- بعض اوقات درمیان میں جیسے ملیا میٹ۔

۴- دوسرے جز کے ساکن حرف علت سے پہلے کے حروف حذف کر دینا اور پہلے جز کو دوسرے کے ساتھ ملا دینا جیسے گُڑ اور تمباکو سے گُڑاکو یا نیب اور گول سے بنولی وغیرہ۔

۵- بعض کے دونوں جزوں کے کچھ حروف گر جاتے ہیں۔ جیسے سرکہ + انجبین سے سکنجبین۔

۶- بعض کے ایک جزُ کے حروف گر جاتے ہیں جیسے نسخ اور تعلیق سے نستعلیق۔

۷- پہلے جزُ کا آخری اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو تو ایک گر جاتا ہے۔ جیسے: جنگ + گاہ سے جنگاہ۔

۸- پہلے جزُ کا آخری اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو۔ تو مشدد ہو جاتا ہے جیسے شب + بو سے شبّو۔

۹- بعض اوقات حروفِ علت گر جاتے ہیں۔ جیسے پانی + چکی سے پن چکی۔

اسی طرح اردو قواعد کے تمام اصول ترکیب مدنظر رکھ کر ان کے مطابق مرکب اصطلاحیں وضع کی جا سکتی ہیں۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ صحیح علمی و فنی اصطلاحیں زبان اور ترکیب کے لحاظ سے اردو زبان کی نوعیت کے مطابق ڈھالی جائیں۔ اور اس سلسلے میں نہ تاخیر کی جائے نہ بہانے سازی۔ قومی تعمیر کا کام جو بہت حد تک زبان کے رواج پر موقوف ہے زیادہ دیر تک معطل نہ رکھا جائے۔ انگریزی کا عشق قومی تعمیر کے رستے میں روڑا ہے اسے بعجلت ممکنہ ہٹا دیا جائے۔

O

رشید احمد

کچھ اصطلاحات کے بارے میں

ہندوستان میں جب ہمیں اپنے علیحدہ تشخص کا احساس ہوا تو ہم نے اپنا علیحدہ وطن بنا لیا —— اب کون پاکستانی ہے، جو یہ نہیں چاہتا کہ اس کی قومی زبان میں وہی تشخص ہو —— اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی اکثریت چاہتی ہے کہ صبح اٹھیں تو گھر میں بچوں سے اپنی قومی زبان میں بات کریں، اخبار اپنی قومی زبان میں ہو ۔ ۔ ۔ کاروباری زندگی میں یہی زبان ہو ۔ ۔ ۔ دفاتر میں فائلیں سرخ فیتہ کا شکار سہی، لیکن ہوں اپنی قومی زبان میں، ۔ ۔ ۔ یہ حسرت ان لوگوں میں تو اور بھی زیادہ ہے جو حصولِ زر کے لیے پردیس گئے ہوئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ صرف افسر شاہی کی ایک مخصوص اقلیت ہے، جو انگریزی کو اپنا کر ماضی کے انگریز افسران کی ہجویہ تصویر نظر آتے ہیں چونکہ سرکاری عہدہ کے اعتبار سے یہ لوگ با اثر ہیں اس لیے اپنے دائرہ اختیار میں اپنے ماتحتوں کے درمیان انگریزی زبان کی فوقیت یا افادیت کا اظہار اور اپنے احساسِ کمتری کو چھپانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

انگریزی الفاظ کے ہجے اکثر غلط لکھتے ہیں، جنہیں ٹھیک کرنا سٹینو گرافر کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اب عنقا ہو چکے ہوتے، اگر اردو کو صحیح معنوں میں قومی زبان بنانے کی عوامی سطح پر کوشش کی جاتی اور آج قومی زبان میں لکھی ہوئی دفتری اصطلاحات ملک کے ہر دفتری فائل کو مزین کر رہی ہوتیں، اس کے لیے ضروری تھا کہ پاکستان بنتے ہی یہ اعلان کر دیا جاتا کہ فلاں تاریخ سے ہر سرکاری، نیم سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ کی زبان اردو ہوگی، اس سے تھوڑے عرصے کے لیے افراتفری ضرور پھیلتی، لیکن عوامی سطح پہ یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

اردو کو قومی زبان بنا لینے کے خلاف ہمیشہ ایسے دلائل دیے جاتے رہے کہ یہ کم مایہ ہے، ایک صدی سے رائج انگریزی کی دفتری اصطلاحات کو اردو کا جامہ پہنانے کو ایک عمر عزیز چاہیے ـــــ اس مفروضے کو مان بھی لیا جائے تو بھی یہ کام پاکستان بننے کے ابتدائی چند برسوں میں مکمل ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا، کیونکہ افسر شاہی کے وہ لوگ جو بد قسمتی سے اس وقت راتوں رات اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے ان کے پاس اپنی تسکین نخوت کے لیے انگریزی لکھنے یا بولنے کے سوا کچھ نہ تھا، ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے معاملہ کو ٹالنے کے لیے سرکاری سطح پہ اردو کو قومی زبان کے طور پر دفاتر میں رائج کرنے انگریزی اصطلاحات کو اپنانے کا کام ان لوگوں کے سپرد کر دیا، جنہیں اردو سے محبت ضرور تھی مگر انہوں نے اپنی ایک علیحدہ افسر شاہی قائم کر لی اور بقول خود ان کے "تبحر علمی" کا اپنے گرد ایک حصار کھینچ لیا، ۔ ۔ ۔ جس سے کبھی انہوں نے باہر نہ جھانکا۔ عوام سے اپنا رابطہ بالکل منقطع کر لیا، اور اس حقیقت کو بالکل بھول گئے کہ معاشرہ الفاظ کو اپنی مرضی سے اپناتا ہے، نئے الفاظ کو خود اپنی ضرورت سے تخلیق کرتا ہے۔ یہ لوگ، عربی، فارسی، انگریزی زبان کی درجنوں لغات میں سے مترادفات کو ایک دوسرے سے منطبق کرنے

میں کھو گئے، اس بچے کی طرح جو تصویر دیکھ کر لکڑی کے ٹکڑوں سے ویسی تصویر بنانے کے لیے ان کو توڑتا موڑتا رہتا ہے ۔ حالاں کہ یہ کام عوام میں ان کی سطح پر جا کر کرنے کا تھا ۔ اس کے لیے مختلف دفاتر کے طریقۂ کار سے واقفیت حاصل کر کے فائلوں پر لکھی ہوئی تحریروں، ان کی آمد و رفت ان کے الٹ پھیر سے آشنا ہو کر نبھانے کا تھا، لیکن انھوں نے اپنے آپ کو کتابوں تک ہی محصور رکھا ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ ایک ضخیم لغت سے کہیں بڑھ کر دفاتر کے الفاظ کو تخلیق کرنے میں دفتر کا وہ کلرک جس نے اپنی زندگی ایک ہی دفتر میں دو چار کرسیاں بدل کر گزار دی زیادہ معتبر تھا ۔ ۔ ۔ مگر یہ لوگ ان سے دور رہے کہ یہ انٹر پاس لوگ ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ لوگ یکسر اس حقیقت کو بھول گئے کہ انگریزی دور میں مستعمل انگریزی اصطلاحات کے عقب میں ایک سامراجیت تھی، ایک تحکم تھا ۔ آج جب ہم آزاد ملک کے آزاد باشندے ہیں، جمہوریت ہمارا یقین ہے، اسلامی مساوات ہمارا ایمان ہے ۔ بندہ و آقا کی تفریق اسلام کے منافی ہے، فرنگیوں کی انگریزی دفتری اصطلاحات کو اسی رنگ، اسی لہجہ میں عربی، فارسی میں ڈھال کر دفاتر میں رائج کرنا قومی امنگوں کے منافی ہے ۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض اصطلاحات کا لب و لہجہ انگریزی استعمار کی یادگار ہے ۔

مجھے مختلف دفاتر میں انگریزی زبان کی متبادل اردو اصطلاحات کے سلسلہ میں جانے کا اتفاق ہوا ۔ پرانے ہیڈ کلرکوں اور سپرنٹنڈنٹوں سے تبادلۂ خیالات کیا اور اردو اصطلاحات اپنانے کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی، عموماً ان کے خیالات ایک سے تھے جنھیں اگر یک جا کیا جائے تو کچھ اس طرح تھے ۔ ایک صاحب فرمانے لگے کہ اردو خط و کتابت کے سلسلہ میں افسرانِ بالا کے لیے جو متبادل الفاظ "ہمارے منہ پر مارے گئے ۔"

"عزت مآب" جناب والا! وغیرہ ہیں۔ یہ لکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے
جیسے ہم کسی دربار میں کورنش بجا لارہے ہوں۔۔۔۔ کسی دربار میں جھک کر
داخل ہورہے ہوں،۔۔۔ کسی کے ذاتی ملازم ہوں۔۔۔۔ اپنی ذات میں
اپنے طور پر، اپنے محکمہ میں ہمارے کچھ حقوق نہ ہوں" میں نے عرض کیا Sir بھی
تو آپ لکھتے ہیں"۔۔۔ فرمانے لگے، یہ ایک بے ضرر لفظ ہے آپس میں ہم سب
کلرک بھی ایک دوسرے کو Sir کہتے ہیں، انگریزی ناولوں میں چھوٹے بڑے کردار
ایک دوسرے کو Sir کہہ کر پکارتے ہیں"۔۔۔۔ اسی طرح انگریزی دفتری
خط و کتابت میں جو فقرہ دکھ کا باعث بنتا ہے، وہ ہے۔۔۔۔

He is pleased to give you one increment

(حالانکہ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب غیر منقسم ہندوستان میں انگریز
حاکم "مراعات" کی اصطلاح میں گفتگو کرتے تھے)۔۔۔۔ اس میں ہمیں یہ احساس
ہوتا ہے کہ۔۔۔۔ ہم کسی ان داتا کے دست نگر ہیں۔

دفتر میں ہماری کارکردگی کی بنا پر ہمارا کوئی حق نہیں۔۔۔۔ انگریزی
اصطلاحات اردو میں من و عن ڈھل کر،۔۔۔۔ ان میں مزید تنباہیت پیدا
کرتی ہیں،۔۔۔۔ ایسی قومی زبان میں خط و کتابت ہم میں احساس کمتری
پیدا کرتی ہے اور اسلامی مساوات کے بھی منافی ہے۔ پھر چٹھیوں کے آخر میں کمترین
فدوی کے الفاظ۔۔۔۔ حد یہ ہے کہ بعض جگہ "العبد" تک لکھنے کو کہا جاتا ہے۔
جو سراسر غیر اسلامی ہے۔۔۔۔ چھوٹے بڑے کا حفظِ مراتب بجا، لیکن خط و
کتابت میں عہدہ کی برابری نہ سہی۔۔۔۔ انسانی برابری کا احساس تو مفقود

کیا ایسا ممکن نہیں کہ درخواست کے شروع میں ہم لفظ محترم لکھا کریں۔ ۔ ۔ ۔ اس میں حفظِ مراتب بھی ہے اور ۔ ۔ ۔ ۔ رابطہ بھی ۔ ۔ ۔ ۔ اور آخر میں آپ کا اپنا عہدہ ـــــــ پھر ایسی اصطلاحات کے لیے مخصوص "ذخیرۂ الفاظ" پر انحصار کرنے کی بجائے مخصوص ماحول کا ادراک ضروری ہے۔ اصل زبان جو قوموں میں اپنا وجود قائم رکھتی ہے، وہی ہے، جسے ماحول جنم دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ الفاظ جنہیں بولنے والے اپنے مافی الضمیر کا صحیح ترجمان سمجھتے ہیں وہی دوام پاتے ہیں۔

مرحوم پطرس بخاری اور عبد المجید سالک نے Air conditioned گاڑیوں کے دسیوں نام تجویز کیے۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی دونوں کو نہ جچا۔ ۔ ۔ ۔ ایک دن پطرس دلی جانے کے لیے ریلوے سٹیشن گئے، تو قلی نے پوچھا صاحب ٹھنڈی گاڑی میں جائیے گا یا دوسری میں۔ بخاری نے اسٹیشن سے ہی سے سالک کو فون پر بتایا اور دونوں شرمندگی محسوس کرتے رہے کہ قلی سے مات کھا گئے۔ اب قلی میں نہ تو جودت طبع تھی، نہ حسنِ ذوقِ لسانی ـــــ لیکن قومی زبان کو موزوں نام ضرور دے گی۔

پاکستان اب صنعتی دور میں داخل ہو رہا ہے ـــــــ نئے نئے صنعتی ادارے قائم ہو رہے ہیں، ہر ادارہ اپنے آلات کے اعتبار سے ایک الگ اکائی ہے ان میں مشینوں کی کارکردگی جداگانہ ہے ـــــ مصنوعات الگ الگ ہیں۔ اُن مزدوروں کے کام کرنے کے آداب۔ ۔ ۔ ۔ مشینوں کا چلنا، ۔ ۔ ۔ ۔ ان کی آوازیں۔ ۔ ۔ ۔ مختصر یہ کہ ہر صنعت کا الگ ماحول ہوگا، ۔ ۔ ۔ ۔ آلات آویزاں کرنے سے لے کر مصنوعات کی تیاری تک ہر مرحلہ قومی زبان میں ایک نئے لفظ کا متقاضی ہے، ۔ ۔ ۔ ۔ کیا ہم جذباتیت کی بنا پر عربی کو ام الالسنہ کہہ کر

کے الفاظ تلاش کرنا شروع کر دیں۔ اور لغات میں سے "مترادفات" تلاش کر کے وہاں کام کرنے والے لوگوں تک ایسے ادق الفاظ لے جائیں جو ان کے سر سے گزر جائیں۔ ۔ ۔ ۔ اور ہم انہیں قومی زبان کی جدید لغات میں لکھ کر اس پر فخر کریں۔ کہ قومی زبان میں اضافہ کیا ہے جو کبھی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے قومی زبان میں نئی اصطلاحات کے داعی مزدوروں کے دوش بدوش وہاں چند ماہ گزاریں، ۔ ۔ ۔ ۔ اور دیکھیں وہ ان پڑھ مزدور اپنی مقامی زبان سے جہاں سے مشینری درآمد کی گئی ہے، کون سے الفاظ چنتے ہیں جنہیں وہ آسانی سے بول سکیں۔ ان کو اپنے لہجے کا رنگ دے سکیں۔ ۔ ۔ میں نے اسلام آباد کے ایک خود کار بھٹے میں اپنے بھٹے کے مستری کو بھیجا کہ وہ یہ دیکھ کر آئے کہ وہ کس طرح کام کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ مجھے اپنی زبان میں آکر بتائے (مستری بالکل ان پڑھ ہے) اس نے مجھے آ کر۔ ۔ ۔ ۔ ان الفاظ میں بتایا:

"مشین خود بخود چلتی ہے۔ پہلے کچوا نما مشین مٹی کھودتی ہے۔ اس کے سامنے کا بڑا بیلچہ گھوم کر اس مٹی کو لمبی سی ماہل (پنجابی لفظ، کنوئیں کی ماہل) پر ڈال دیتا ہے ماہل جو اسے اونچے سے کنوئیں میں ڈال دیتی ہے وہاں بڑی بڑی مدانیاں (پنجابی لفظ۔ دہی بلونے والی مدانی)۔ مٹی کو باریک اڑک (بلو) دیتی ہے۔ پھر مٹی کے بڑے بڑے پیڑے نیچے اترنے والی ماہل پر آجاتے ہیں، جو اسے ایک حوض میں گرا دیتی ہے،

گوندھی ہوئی مٹی کو پورا ایک دن پرانا کیا جاتا ہے، تاکہ
اس میں پکڑ پیدا ہو جائے ۔ ۔ ۔ ایک دن پہلے کی
مٹی کو ایک گول بیلچہ اٹھا کر ایک گول جندری (سویّاں
بنانے والی جندری، پنجابی) میں ڈال دیتا ہے۔ ایک
دوسرے کے اُلٹ گھومنے والے وٹ (سویّاں بنانے
والی جندری میں چلنے والی گراری) اسے اس زور سے
دباتے ہیں کہ مٹی کے تمام مسام بند ہو جاتے ہیں، اینٹ
کے سائز کی لمبی لمبی سویّاں بن کر لوہے کے لمبے لمبے
چورس پرنالوں پر چلنے لگتی ہیں ـــــ پھر ہر توڑ پیچ
پر اوپر خود بخود ایک ٹوکا اسے کاٹ کر اینٹ بنا
دیتا ہے۔ ۔ ۔ ۔"

جن انگریزی الفاظ کو میرے مستری نے اپنے مشاہدے کی بنا پر پنجابی یا اردو کے نام دیے وہ یہ ہیں: Conveyer Belt (ماہل) Crawler Machine (رچوانامشین) Churner (مدانی) Extrusion Method (جندری) Agening of Earthen Putty (گوندھی ہوئی مٹی کو پرانا کیا جاتا ہے) Aelesion (پکڑ) Long Cakes (سویّاں) Clensity of Putty (لوس بند ہوجاتے ہیں) Buk Maling Cether (ٹوکا) ـــ میری حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ ۔ ۔ یہ سب کچھ تقریباً اسی طرح پمفلٹ میں لکھا ہوا تھا۔ ۔ لیکن اگر کوئی ماہر لسانیات اس بھٹہ پر لکھتا یا اس سے متعلق پمفلٹ کا ترجمہ کرتا اور "مترادفات" کی تلاش کے ساتھ ساتھ اپنے حسن ذوق لسانی کا ثبوت بھی دیتا۔ ۔ ۔ تو اس کی کارکردگی کسی شریف شہری کو عمر بھر سمجھ نہ آتی، یا یہ گمان گزرتا کہ شاید کسی اٹامک انرجی پلانٹ پر کچھ لکھا گیا ہے۔

آج قومی زبان کی ترویج ، اس میں وسعت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ زبان کو ـــ ان لغت سازوں سے بچایا جائے جنہوں نے اپنی علیحدہ افسر شاہی بنا لی ہے اور ابھی تک Sublime اور Sublimity کی بحث میں ، دیوار دبستان پر ل ۔ ز لکھ رہے ہیں ـــ آج کے بدلتے ماحول میں عوامی سطح پر اردو اپنے میں نئے نئے الفاظ کو سمیٹ رہی ہے ، وقت کا تقاضا ہے کہ ان الفاظ کو قومی زبان کی نئی لغت میں شامل کیا جائے ۔ ۔ ۔ جدید الفاظ عوام کی سطح پر تلاش کیے جائیں ، اللہ توفیق دے تو ان میں حسن پیدا کیا جائے ـــ نہ کہ ایسی اصطلاحات وضع کی جائیں کہ دم گھٹنے لگے ۔

○

ڈاکٹر سلیم اختر

وضع اصطلاحات کے عمومی مسائل

وضع اصطلاحات کیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وضع اصطلاحات کیوں؟

اس بنیادی سوال کی اہمیت اور اس سے وابستہ مضمرات کا جائزہ لینے سے پیشتر یہ جاننا ضروری ہے کہ نثر کیا ہے؟ اور اصوات کے داخلی نظام سے تشکیل پانے والے زبان کے مخصوص صوتی مزاج کا اصطلاح سازی سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ یہی نہیں بلکہ تشبیہات، استعارات اور صنائع و بدائع کی صورت میں زبان جو ایک مخصوص جمالیاتی پیکر اختیار کر لیتی ہے تو وضع اصطلاحات کے عمل میں وہ کس حد تک ممد ثابت ہو کر صوتی حظ کے ساتھ ساتھ حسن معانی بھی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اصطلاح سازی کیونکہ نثر کے وظائف میں سے ہے اس لیے ان تمام امور کا پیش نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ جب اظہار کے لیے شعر کا پیرایہ اختیار کیا جا رہا ہو تو پھر اصطلاحات کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ شاعری بالعموم کسی شخص، امر، واقعہ، سوزح یا جذبہ کے بارے میں جیاتی ردعمل کا ایک اظہار ہے اور جو [illegible]

بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب سے معرضِ وجود میں آتی ہے اس کے برعکس علمی نثر میں کسی شخص، امر، وقوعہ، سوانح یا جذبہ کا تشریحی، تردیدی یا مدلل بیان ہوتا ہے۔ دراصل یہ بیان ہی علمی نثر کی جان ہے کہ یہاں معلومات اور کوائف کے بیان کو اساسی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ فلسفیانہ مقالہ ہو، سائنسی توضیحات ہوں یا علمی تحقیقات، بیان کی صورت میں نثر کا بنیادی وصف ہر حالت میں برقرار رہتا ہے۔ ویسے بیان تو بعض اوقات شاعری بھی کرتی ہے لیکن وہ اس مقصد کے لیے "بیانیہ" نہیں ہو جاتی۔ بلکہ رمز و ایمار، علامت و کنایہ اور فن کارانہ ابہام سے کام لے کر ذہن میں مخصوص تاثرات پیدا کیے جاتے ہیں جن کے فن کارانہ نقطۂ عروج کا اظہار استعارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ شاعری کے جمالیاتی اظہار کا بڑی حد تک استعاروں کے داخلی نظام پر انحصار ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر نثر میں بالعموم اور علمی نثر میں بالخصوص ضرورت سے زیادہ استعارات استعمال کیے جائیں تو ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے اسے "شاعرانہ نثر" قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے "نثر پن" کو شاعری کی خامی تصور کیا جاتا ہے۔

استعارہ کی صورت میں شاعر کا تخلیقی عمل ایک ہی جست میں نامعلوم سے معلوم کی منزل طے کر لیتا ہے اور اسے شاعر کی فن کاری کا اعجاز سمجھا جاتا ہے مگر علمی نثر نگار سے ایسے فن کارانہ اعجاز کی توقع نہیں کی جاتی۔ کیونکہ وہ بھی اگر شاعر کی مانند استعاروں کی پرچھائیاں بناتا رہا تو ابلاغ میں اشکال پیدا ہو جائے گا۔ ایک سے زائد تشریحات شعر کی خوبی ہو سکتی ہے مگر فقرہ کی نہیں —— اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ نثر علمی ہو۔ علمی نثر میں استدلال کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لیے قطعیت اس کا وصف خاص ہونا چاہیے۔

جب علامہ اقبال نے "ہمالہ" میں یہ کہا:

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں!

چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

تو شاعر کے نقطۂ نظر سے بات مکمل ہو گئی مگر جغرافیہ دان کا اس شعر سے کام نہیں چلتا۔ اسے تو فٹوں میں ماؤنٹ ایورسٹ کی درست پیمائش بیان کرنی ہے۔ چوٹی کی درست بلندی بتانے والا فقرہ آرائش اسلوب سے عاری ہو گا مگر بلحاظ نوعیت معلومات قطعی ہو گا۔ کیونکہ اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے لہذا اس پر انحصار اور اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے علمی نثر کو "عالمانہ" بنا کر ہر طرح کے ابہام اور اشکال سے پاک رکھنے کی سعی کی جاتی ہے اور عرف عام میں جسے "خشکی" کہا جاتا ہے وہ اس بنا پر ضروری ہے کہ برعکس صورت میں نثر کے جذباتی تموجات کی آماج گاہ بن جانے کی صورت میں مفہوم، معانی، کوائف اور معلومات کثرت تعبیر کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائیں گی، علمی نثر کی قطعیت میں مزید پختگی پیدا کرنے کے لیے اصطلاحات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ حقائق، کوائف اور معلومات کے درست ترین اور براہ راست ابلاغ میں کسی طرح کی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح شاعری کی انتہا استعارہ تراشی ہے اسی طرح علمی نثر کا نقطۂ عروج اصطلاح سازی ہے۔

تاریخی لحاظ سے اصطلاح سازی اور اس سے وابستہ مسائل کا آغاز بھی جدید علمی نثر کے آغاز اور ارتقا سے متعلق نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقفیٰ اور مسجع نثر کے مقاصد تفریحی تھے اس لیے وہ غیر علمی تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس میں ہی [illegible] کا سکہ چلتا تھا اور خوب چلتا تھا (مثال: "فسانۂ عجائب") علمی اور تحقیقی مقا[illegible] کے لیے فارسی استعمال ہوتی تھی اس لیے اس میں [illegible] اصطلاحات کی کمی [illegible]

مذہب کی بنا پر عربی سے بھی گہرا رابطہ تھا اس لیے ہماری مانند ان لوگوں کے لیے وضع اصطلاحات نے کسی مسئلہ کی صورت نہ اختیار کی ہوگی ــــ جہاں تک اردو میں وضع اصطلاحات کا تعلق ہے تو یقیناً یہ مساعی انگریزی اثرات کی مرہونِ منت اور تراجم کے ساتھ مشروط نظر آتی ہیں۔

انیسویں صدی میں مختلف موضوعات پر انگریزی کتابوں کے تراجم کرتے وقت پہلی مرتبہ علمی سطح پر اردو زبان میں اصطلاحات کی کمی محسوس کی گئی ہوگی۔ اصطلاحات کے سلسلہ میں تہی دامنی کی بنیادی وجہ وہی تھی جو آج بھی ہے یعنی اردو ان جدید علوم و فنون اور سائنسی اور فلسفیانہ مباحث سے ناآشنا تھی جو یورپ میں پروان چڑھ رہے تھے (اور ہیں) ظاہر ہے کہ ان سب سے متعلق اصطلاحات کے مترادفات بھی موجود نہ تھے چنانچہ اس وقت کو اسی دن محسوس کر لیا گیا ہوگا جس دن کسی مترجم نے پہلی انگریزی کتاب کے اردو ترجمہ کا ڈول ڈالا ہوگا۔

اصطلاحات کے ضمن میں "وضع اصطلاح" یا "اصطلاح سازی" جیسے الفاظ استعمال کرتے وقت یہ بنیادی حقیقت فراموش کر دی جاتی ہے کہ اردو میں "اصطلاح سازی" کے برعکس اصطلاح کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی سے لے کر آج تک اگر تراجم کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ــــ علمی کتب کے تراجم کی حد تک ان میں اصطلاحات کے تراجم بھی اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ اس عہد کے دانشوروں کے نزدیک اردو کی تنگ دامنی دور کرنے کا مسئلہ بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فوری طور تمام جدید علوم کی تحصیل اور پھر ان میں کمال اور پھر ان میں نظریہ سازی ممکن نہ تھی اس لیے علوم پر عبور کا شارٹ کٹ "تراجم کی صورت میں تلاش کیا گیا اور یوں انفرادی کاوشوں کے پہلو بہ پہلو ترجمہ کرنے والی سوسائٹیوں اور علمی اداروں کی صورت میں

انگریزی کے علمی ذخیرہ کی اردو میں منتقلی کے جس کام کا آغاز ہوا وہ آج تک جاری ہے۔ عام دل چسپی کے لیے بعض ایسی کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جو آج سے ڈیڑھ سو برس قبل ترجمہ کی گئیں۔ ان کے ناموں سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس نوع کے مضامین کی کتابوں کے تراجم کیے جاتے تھے:

۱۔ "نظام آسمانی" (مع انگریزی مع ترجمہ ہندوستانی) کلکتہ: ۱۸۳۶ء۔

۲۔ "علم ہیئت"، ترجمہ لیفٹیننٹ میلی، لکھنؤ: ۱۸۳۲ء۔

۳۔ "خلاصہ علم الارض" (مع انگریزی) کلکتہ: ۱۸۲۴ء۔

۴۔ "علم جغرافیہ" ترجمہ، میر غلام علی، کلکتہ: ۱۸۵۱ء، ص ۱۰۹۔

"جغرافیہ کا پہلا رسالہ" مترجم انگریزی: میر غلام علی، مدراس: ۱۸۵۳ء۔

"جغرافیہ ہند" مترجم از انگریزی، پنڈت سیواروپ نرائن و سیو نرائن، دہلی: ۱۸۴۸ء، ص ۱۲۴۰۔

"تجزیہ اقلیدس" (مؤلفہ: ہمسن) ترجمہ، منشی محمد ذکاء اللہ، دہلی: ۱۸۵۵ء۔

"علم حکمت" (میکینکس) چارلس جنک، کلکتہ: ۱۸۴۳ء، ص ۳۰۱۔

"خلاصۃ الصنائع" (ترجمہ انگریزی) بھولا ناتھ آگرہ: ۱۸۵۴ء، ص ۱۱۳۔

"رسالہ مقناطیس" ترجمہ از انگریزی، سید کمال الدین، دہلی: ۱۸۵۰ء ص ۲۷۱۔

"اصول علم طبعی" ترجمہ از انگریزی، اجودھیا پرشاد سیوا پرشاد، دہلی: ۱۸۴۸ء، ص ۱۴۱۔

"اصول قواعد مائیات" ترجمہ انگریزی، اجودھیا پرشاد، دہلی: ۱۸۵۰ء، ص ۲۶۴۔

"مقاصد العلوم" ترجمہ انگریزی از سید محمد میر، کلکتہ: ۱۸۴۱ء۔

"دائرہ علم" (نیچرل فلاسفی) محمد خرم بخش، لکھنؤ: ۱۸۴۶ء۔

"معاشیات" مل، ترجمہ وزیر علی، دہلی: ۱۸۴۴ء، ص ۴۱۸۔

"اصول علم انتظام مدن" ترجمہ انگریزی، دھرم نارائن، دہلی: ۱۸۴۶ء۔

"ترجمہ شمسیہ" از مولوی سید محمد دہلی: ۱۸۴۴ء۔

"تعلیم النفس" انگریزی ترجمہ، منشی چرنجی لال ۱۸۵۲ء۔

"حکمت" (علم طبعی) از ارنلٹ۔ ترجمہ پنڈت سیوا روپ نرائن و شیو نرائن ۱۸۴۵ء۔

اس مقالہ میں بعض اور کتابوں کے کوائف درج کرنے میں ان کے ترجمہ یا طبع زاد ہونے کی صراحت نہیں ملتی۔ ان کے نام درج ہیں:

"مراۃ الاقالیم" کلکتہ: ۱۸۳۶ء، ص، ۱۸۰۔

"بحر الحکمت" (اسٹیم انجن کا بیان) از ریورنڈ پارکنی، لکھنؤ: ۱۸۴۷۔

"بخار کی کل" (اسٹیم انجن کا بیان) از ایشوری لال، بنارس: ۱۸۵۵ء۔

"قانون الطباع" (چھاپہ) از سنیل سنگھ، دہلی: ۱۸۴۸ء۔

"خلاصہ نظام آسمانی" از پنڈت واسی دہیرا، آگرہ: ۱۸۰۲ء۔

"مختصر احوال آسمانی" آگرہ: ۱۸۵۲ء۔

"مختصر حقائق النجوم" از بڑے صاحب گھٹالے، مدراس: ۱۸۴۸ء۔

"احوال علم ہیئت" از رام چندر، دہلی: ۱۸۴۸ء، ص ۳۲۵۔ [۱]

اگر یہ تراجم نہ بھی ہوں تو بھی ان کتب کی اشاعت سے کم از کم اتنا تو واضح ہو جاتا ہے کہ ترجمے کے ساتھ ساتھ طبع زاد تصانیف پر بھی کام ہو رہا تھا اور ان علمی موضوعات پر کام کرنے والے مؤلفین کو بھی اصطلاحات کی ضرورت ہو گی۔

تراجم کی انفرادی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس دور کے علمی مجلات میں بھی انگریزی سے ترجمہ شدہ مقالات طبع ہوتے رہتے تھے۔ اس نوع کے مجلات میں ماسٹر رام چندر کے دو پرچے "فوائد الناظرین" (تاریخ اجرا ۲۳ مارچ ۱۸۴۵ء) اور ماہنامہ "محب ہند" (تاریخ اجرا: یکم ستمبر ۱۸۴۷ء) سرسید احمد خان کا "تہذیب الاخلاق" (۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء) اور شیخ عبدالقادر کا "مخزن" (۱۹۰۱ء) خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ تو وہ پرچے ہیں جنہیں ہم سنگ میل قرار دے سکتے ہیں ورنہ اس زمانے میں اور بھی ایسے جرائد شائع کیے جاتے تھے جن میں سائنسی اور علمی موضوعات پر مقالات کے تراجم بھی شائع ہوتے تھے۔

تراجم کی انفرادی کوششوں اور مجلات میں مطبوعہ مقالات کے تراجم کے علاوہ اداروں کی صورت میں بھی تراجم کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اس ضمن میں بے حد مشہور فورٹ ولیم کالج کلکتہ (۱۸۰۱ء) سے قطع نظران اداروں کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے:

دہلی کالج، دہلی ۱۸۲۹ء۔

آگرہ بک سوسائٹی، آگرہ ۱۸۳۳ء۔

شمس العلماء نواب فخر الدین کا سلسلہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، ان کا مطبع اور مدرسہ فخریہ حیدر آباد (دکن) ۱۸۳۴ء۔

مدرسہ طبابت حیدر آباد (دکن) ۱۸۴۵ء۔

انجمن مجمع علم و ہنر (سائنٹفک سوسائٹی) مدراس، ۱۸۵۳ء۔

میڈیکل اسکول، آگرہ ۱۸۵۴ء۔

انجینئرنگ کالج، رڑکی ۱۸۵۶ء۔

سائینٹفک سوسائٹی غازی پور، علی گڑھ (بانی سر سید احمد خان) ۶۴-۱۸۶۳ء۔

سائنٹفک سوسائٹی، مظفر پور (بہار) نواب سید محمد تقی خان کی صدارت اور امداد علی خان کی نظامت میں قائم ہوئی۔ ۱۸۶۸ء[۲] اور ادھر بمبئی میں بھی ایک "دفتر مترجم السنہ شرقیہ" (اورینٹل ٹرانسلیٹرز آفس) بقول عطش درانی:

> "انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر آزادی کے بعد تک کام کرتا رہا۔ مگر اس کا زیادہ تر کام ۱۹۴۷ء سے پہلے نایاب رہا۔ اس میں بلند پایہ ادیب، مترجمین اور رہنما کام کرتے رہے۔"[۳]

آج محض اس فہرست سے شاید ان اداروں کی بے حد اہم پیش رو مساعی اور ان کی مشکلات کا اندازہ نہ لگایا جا سکے لیکن اس زمانہ کی عمومی غیر علمی فضا کو مد نظر رکھیں تو ان اداروں کے تراجم اور ان کے حوالہ سے اصطلاحات سازی کی ایک جداگانہ تاریخ بن جاتی ہے۔ ایسی تاریخ جو آج کی علمی نثر کی متانت اور ثقاہت کی اولیں مگر قابل قدر مثالوں سے عبارت ہے۔

اس ضمن میں سید باقر حسین نقوی کے مقالہ "اردو میں اصطلاح سازی کی تاریخ"

سے چند کوائف پیش ہیں۔ بقول صاحب مقالہ د

"دہلی کالج کے تحت ۱۸۴۵ء میں لگ بھگ ایک ٹرانسلیشن سوسائٹی (دارلترجمہ) قائم کی گئی۔ اس سوسائٹی کے تحت جدید علوم و فنون کے ترجمے کے لیے اصطلاحات سازی کا باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ بیش قیمت اصطلاحات وضع کی گئیں اور وضع اصطلاحات کے اصول مرتب کیے گئے۔ اس سوسائٹی کے تحت تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا جن میں سے ۵۱ کتابیں ریاضیات، طب، معدنیات اور زراعت ایسے مختلف مضامین کے تراجم و اصطلاحات پر مشتمل تھیں۔۔۔ (سرسید کی مساعی سے) جدید علوم و فنون کی کتابوں کے اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے ۱۸۶۳ء میں ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی گئی جس کے تحت علمی، تاریخی، سائنسی اور فنی موضوعات کی حامل کم و بیش چالیس کتابوں کا اردو ترجمہ کیا گیا۔ وضع اصطلاحات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو دو ارکان بابو رام چندر، لال متر اور مولوی تمیزالدین خان پر مشتمل تھی۔ انہوں نے وضع اصطلاحات کے سلسلے میں گرانقدر تجاویز پیش کیں۔ رائے موہن لال اور سید حسن بلگرامی نے بھی اصطلاح سازی کے مفید اور کارآمد اصول وضع کیے چنانچہ اس کمیٹی کی بدولت وضع اصطلاحات اور ترجے کے لیے ایک واضح طریقہ کار متعین ہوا۔ ۲۴ مئی ۱۸۶۸ء

میں سر سید احمد کی سائینٹفک سوسائٹی کی طرز پر سائینٹفک
سوسائٹی بہار مظفر پور میں قائم ہوئی۔ جس کے روح رواں
سوہن لال سپرنٹنڈنٹ نارمل سکول پٹنہ تھے۔ اصطلاحات
سازی کے کام میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا اور ریاضیات
و فلکیات، جغرافیہ، جبر و مقابلہ، طبیعیات، معدنیات،
فن تعمیر پر متعدد کتابیں شائع کروائیں۔ اصطلاحات
سازی کے سلسلے میں اس سوسائٹی کے کام کو ہمیشہ یاد
رکھا جائے گا۔"

اردو زبان کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی کوششوں میں حیدر آباد کے نواب شمس الامرا کا خاندان قابل ذکر ہے۔ اس خاندان کے امیر کبیر نواب شمس الامرا محمد فخر الدین خان بہادر کو خیال پیدا ہوا کہ سائنس اور دیگر جدید علوم کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۰ء یعنی ایک سال کے عرصے میں ہی چھ رسالے علم جر ثقیل، علم آب و ہوا، علم مناظر اور علم برقی مقناطیس اردو میں شائع ہوئے۔ ان کتابوں کے ترجمے کے لیے اردو میں عربی و فارسی کی مدد سے اصطلاحات وضع کی گئیں۔

لکھنؤ میں سید کمال الدین حیدر نے جدید علوم و فنون پر مشتمل بعض انگریزی رسالوں کا ترجمہ کرا دیا اور بیش قیمت اصطلاحات وضع کی گئیں۔[۲]

تراجم اور وضع اصطلاحات کے ضمن میں جامعہ عثمانیہ اور پھر انجمن ترقی اردو (ہند) نے جو گراں قدر خدمات سر انجام دیں وہ تراجم کی تاریخ میں مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ میں کیونکہ اردو ذریعۂ تعلیم تھی اس لیے سائنس طب، [illegible] الغرض ہر شعبۂ علم سے متعلق سینکڑوں کتابوں کے تراجم

کرائے گئے جس کے نتیجہ میں ہزاروں اصطلاحات یا تو وضع کی گئیں یا ان کے عربی، فارسی مترادفات تلاش کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے ۱۹۱۴ء میں جو دارالترجمہ قائم کیا گیا اس میں مولوی وحید الدین سلیم جیسے عالم سے لے کر امراؤ جان ادا کے مصنف مرزا محمد ہادی رسوا تک ہر مزاج کے مترجمین شامل تھے۔ مولوی وحید الدین سلیم نے اصطلاح سازی پر اپنی مشہور کتاب "وضع اصطلاحات" بھی اسی ادارہ کی خصوصی ضروریات کی روشنی میں قلم بند کی تھی، یہ کتاب اب اصطلاح سازی کے ضمن میں بنیادی حوالہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

الغرض! اصطلاح سازی کے ضمن میں جو کام بھی کیا گیا۔ اس کا بیشتر حصہ انگریزی اصطلاحات کے تراجم تک محدود رہا اور اس میں بھی خوب سے خوب تر کی جستجو کے تحت موزوں سے موزوں تر اصطلاح کی تلاش کا سفر جاری رہا۔ اسے یوں سمجھیے کہ ایک زمانہ میں Mythology کا ترجمہ "خرافیات" کیا گیا۔ اسلامی توحید کے مقابلہ میں دیوی دیوتاؤں کے قصے مترجمین کو یقیناً خرافات محسوس ہوئے ہوں گے لہذا "خرافیات" کی اصطلاح معرض وجود میں آ گئی لیکن بعد میں "علم الاصنام" دیومالا اور "اساطیر" کی اصطلاحات استعمال ہونے لگیں اور اب بھی یہی مستعمل ہیں۔

اس ضمن میں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ جو اصطلاحات میں تبدیلیوں کے عمل کی نشان دہی کر رہے تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۴ میں اردو سبھا لاہور میں" اردو کی موجودہ ضروریات" کے موضوع پر جو لیکچر دیا اس سے متعلقہ اقتباس پیش ہے:

"پہلے میں وضع اصطلاحات کو لوں گا وہ کہیں سے لائی گئی ہوں تمام ادبی شعبوں فلسفہ، منطق، جغرافیہ اور

ریاضی وغیرہ علموں کے متعدد شعبوں کی اصطلاحیں ہمارے
ہاں موجود تھیں جس وقت کہ مغرب کے نئے سائنس
اور کلچر سے ہمارا سابقہ ہوا یہ بھی ہوا کہ اہلِ فرنگ
کے ساتھ ہم کو بھی اپنی اصطلاحات میں ترمیم کرنی
پڑی۔ انگریزی میں پہلے پولٹیکل اکانومی ایک علم کا
نام تھا ہم اسے سیاستِ مدن کہتے تھے۔ اب یورپ
میں اس علم کی وضع قطع کے ساتھ اس کا نام بھی بدل
گیا اور ہم اکونومکس کو معاشیات کہنے لگے۔ حالاں کہ
پرانی اصطلاح ملّا جلال الدین دوّانی کی وضع کی
ہوئی تھی۔ [۵]

اور اب پھر یہ اصطلاح تبدیل ہو چکی ہے اب معاشیات کی جگہ اقتصادیات مروّج ہے۔ تبدیلی کا یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اسے ایک اور مثال سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔

آج ہم "نفسیات" کی اصطلاح Psychology کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ مروج اور مقبول بھی ہے مگر ایک زمانہ میں اس کی جگہ "علم النفس" استعمال ہوتی تھی چنانچہ ۱۸۸۵ء میں شیخ انعام علی بی۔ اے نے "علم النفس القوار" کے نام سے سائیکولوجی کی جس کتاب کا ترجمہ کیا اسے انجمن پنجاب لاہور نے طبع کیا تھا[۶] (میری ناقص معلومات کے مطابق نفسیات پر اردو میں یہ قدیم ترین کتاب ہے) علم النفس کی اصطلاح موجودہ صدی کی دو دہائیوں تک ملتی ہے چنانچہ ۱۹۰۲ء میں Primer of Psychology کا ترجمہ "علم النفس" کے نام سے کیا

گیا اسی طرح مرزا ہادی رسوا نے ۱۹۲۳ء میں اسٹورٹ کی کتاب Ground Work of Psychology کا ترجمہ بھی "مبادی علم النفس" کیا۔ لیکن اس کے چار برس بعد اچانک نفسیات کی اصطلاح معرض وجود میں نظر آتی ہے کیونکہ ۱۹۲۷ء میں تین کتابوں کے تراجم میں نفسیات کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے :

۱۔ معاشرتی نفسیات Social Psychology از ولیم میکڈوگل، مترجم مرزا محمد ہادی رسوا۔

۲۔ اصول نفسیات Principles of Psychology از انجل، مترجم معتصد ولی الرحمٰن۔

۳۔ "نفسیات عضوی کی پہلی کتاب" از ولیم میکڈوگل مترجم، معتصد ولی الرحمان۔[۳]

اگرچہ اب وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "علم النفس" کو سب سے پہلے کس نے ترک کیا اور "نفسیات" کی اصطلاح وضع کی، میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مرزا رسوا کی طبیعت میں اختراع کا جوہر تھا تو غالباً انہوں نے ہی نفسیات کی اصطلاح وضع کی ہوگی۔ نفسیات کا تذکرہ ہو رہا ہے تو دلچسپ بات سن لیجیے کہ افغانستان میں اس کا ترجمہ "روحیات" کیا جاتا ہے۔ اس کا انکشاف ڈاکٹر انجل کے ایک انٹرویو (ماہنامہ: "کتاب" لاہور اگست ۱۹۷۲ء) سے ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ اس بنا پر درست لگتا ہے کہ "سائیکی" روح کی دیوی کا نام ہے۔ ۱۸۹۶ء میں جب سید علی بلگرامی نے ڈاکٹر گستاؤلی بان کی مشہور تالیف Civilization Des Arabes کا ترجمہ "تمدن عرب" کے نام سے کیا تو انہوں نے بھی Psychological کا ترجمہ "روحانی" کیا۔

اسی انداز پر اگر دیگر علوم کے تراجم کی قدیم کتابیات کھنگالی جائیں تو اصطلاحات میں ترمیم و تنسیخ کی الگ داستان مرتب ہو سکتی ہے۔

نفسیات کی اصطلاح کے ضمن میں ہم نے دیکھا کہ اگرچہ لفظی ترجمہ کے لحاظ سے "روحیات" زیادہ بہتر ہے لیکن یہ مروج نہ ہو سکا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ روح کا مذہب اور تصوف سے گہرا تعلق ہے اس لیے روحیات تصوف کا مترادف محسوس ہوتا ہے اور اسی سے اصطلاح سازی کے ضمن میں ایک کارآمد نکتہ ہاتھ آتا ہے کہ اصطلاح کا لفظاً ترجمہ ہمیشہ ضروری نہیں ہوتا۔ اسے بھی نفسیات کی بعض مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ نفسیات میں Complex کا ترجمہ "الجھاؤ" کیا جاتا ہے مگر Inferiority Complex کا ترجمہ کے لفظی ترجمہ "الجھاؤ" کے برعکس "احساس" کیا جاتا ہے جو کہ اس بنا پر غلط ہو جاتا ہے کہ احساس Feeling کا ترجمہ بھی ہے لیکن اب احساسِ کمتری اتنا مقبول ہے کہ یہ غلط ترجمہ ہی اب درست معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی وضع کردہ اصطلاح "چھوٹ وہم" بھی مقبول نہیں ہو سکتی کہ یہ اور بھی نامانوس ہے آل احمد سرور نے اپنے مقالہ "تراجم اور اصطلاح سازی کے مسائل"[9] Conscious, Subconscious Unconscious کے مروج ترجمہ شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی جگہ آگہی اور ناآگہی کے فارسی تراجم تجویز کیے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ زیر آگہی میں ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ مقبول اور مروج اصطلاحات کو نئی اصطلاحات سے تبدیل کرنے کی وجہ یا ضرورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

اصطلاح سازی اگرچہ خالص علمی اور لسانی تحقیق کا کام ہے لیکن اس عمل سے وابستہ قوم کے مخصوص نفسیاتی مزاج، تمدنی عوامل، تہذیبی محرکات اور مذہبی مزاج کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر

اصطلاح سازی کے ضمن میں خصوصی تلازمات کے حامل الفاظ وضع کرنے میں خاصا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض الفاظ سے مخصوص قسم کے نفسیاتی تہذیبی، تمدنی اور مذہبی تلازمات اس پختگی سے وابستہ بلکہ مشروط ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ ساتھ خود ہماری بھی Conditioning ہو چکی ہوتی ہے۔ اسے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی پیش کردہ ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ ان کے بقول:

> "تمام علوم خواہ دینی ہوں یا لادینی اور تمام عمرانی و ثقافتی فضائل اپنی اپنی اصطلاحوں میں بند ہیں اگر حجر اسود عربی ہونے کی وجہ سے مشکل محسوس ہو تو ہندی میں تو "کالا پتھر" ہی رہ جائے گا اور عربی کے ساتھ اس کا سارا تقدس بھی ختم ہو جائے گا۔" [۱۰]

اس ضمن میں آل احمد سرور نے بھی لکھا ہے:

> "ہم نے مذہب میں صلوٰۃ کے بجائے نماز کو اختیار کر لیا لیکن بہت سی اصطلاحیں عربی کی نہیں چھوڑ سکتے حالانکہ فارسی کی اصطلاحیں یا ہندی کی وہ اصطلاحیں جو ہمارے صوتی نظام سے متصادم نہ ہوں ہمارے لیے زیادہ قابل قبول ہونی چاہیں۔" [۱۱]

ان کی یہ بات درست ہے لیکن جب وہ بعض معرب اصطلاحات کو آسان کرنے کے سلسلہ میں بین الاقوامی کی جگہ "بین قومی" نشاۃ الثانیہ کے بجائے "نئی بیداری" یا مافوق الفطرت کی جگہ "فوق فطری" تجویز کرتے ہیں تو یہ الفاظ اتنے غیر مانوس لگتے ہیں کہ نشاۃ الثانیہ سے وابستہ تہذیبی، بین الاقوامی سے [illegible] اور مافوق الفطرت

سے وابستہ داستانی تلازمات مجروح ہو جاتے ہیں۔ کثرت استعمال نے ان سے ہماری اتنی Conditioning کر دی ہے کہ نئے نئے مترادفات کی صورت میں جو De-Conditioning ہوتی ہے۔ ذہن اس عمل سے گزرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

ایک زمانہ میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے بھی اصطلاحات کے کچھ تراجم اور مترادفات پیش کیے تھے اس نقطۂ نظر سے کہ :

> "اردو کی اشتقاقی اور اختراعی قوتوں کا علم ہو کر غیر زبانوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی عادت رفع ہو جائے اور لوگ اپنے مسالے سے نئی عمارتیں بنانے لگیں"۔[۱۲]

انہوں نے ۱۴۵ ر الفاظ سے جن نئی اصطلاحات کی سفارش کی ہے ان میں سے چند مفرس یا معرب اصطلاحات سے قطع نظر بیشتر کیونکہ ہندی الاصل ہیں اس لیے بعض کے صوتی حسن کے باوجود بھی انھیں قبول عام کی سند نہیں ملتی۔ یہی نہیں بلکہ بعض تو اچھی خاصی مضحکہ خیز بھی محسوس ہوتی ہیں۔ عام دل چسپی کے لیے یہ تمام الفاظ درج کیے جاتے ہیں :

۱۔ آکسیانا : Oxidise

۲۔ آفسانچہ : شارٹ سٹوری ، صندوقچہ کے قیاس پر۔

۳۔ ادبی ناداری : یہ اس جگہ استعمال کیا جائے جب بے ضرورت دوسری زبان کے ادب سے استمداد کی رغبت ہو۔

۴۔ ادبی سخت جان : نہایت متعصب قدامت پسند جو اصولاً ہر جدت کا مخالف ہے

۵۔ ادھورا حافظہ : پوری بات یاد نہ رہنا یا نہ رکھنا۔

۶۔ ادبی تمول : ادب کے تمام شعبوں میں تصنیف و تالیف وغیرہ کا ہونا۔

۷۔ احولی نقطۂ نظر : جانب داری یا تعصب کی نظر۔

۸۔ استفساریہ : سوالات کا محضر جو استصواب کے لیے شائع کیا جائے۔

۹۔ ان توڑ : Irrevocable

۱۰۔ اندرتال : جب کام کرنے والے کارخانے کے اندر خالی بیٹھے رہیں اور کام کرنے سے انکار کر دیں۔

۱۱۔ ام الوطن : مادر وطن۔

۱۲۔ اندھیار : اندھیارنا (مصدر) بلیک آوٹ۔

۱۳۔ اڑناؤ : ایروپلین، اگرچہ ہوائی جہاز مستعمل ہے مگر میں اس کو بہتر سمجھتا ہوں۔

۱۴۔ اشک گیس : ٹیئر گیس۔ اشک (آنسو) اور گیس سے مرکب ہے۔

۱۵۔ اقتصادی تنظیم : Economic Collectivism

۱۶۔ اشتمالیت : کمیونزم۔

۱۷۔ اغیار بستی : جنگ کے زمانے میں دشمن ملک کی رعایا جو اپنے علاقے میں ہو اس کو نظر بندی میں رکھنے کی جگہ Concentration Camp

۱۸۔ اتحاد : Alliance

۱۹۔ اتحادی : Ally

۲۰۔ امرائیت : ایک واحد شخص کی حکومت جو بادشاہ نہ ہو۔ Dictatorship

۲۱۔ انضباط مبادلہ : Exchange Control

۲۲۔ افراط زرہ، افراط زدگی : Inflation

۲۳۔ اقتصادی تداخل : Penetration

۲۴۔ الکلی راج : جیسی حکومت آج کل جرمن اور اٹلی میں ہے۔

• Total Itarinism

۲۵۔ ایراگن کا لفظی ترجمہ : اس جرمن لفظ کے معنی ہیں اوپر سے آگ پھینکنا یا برسانا۔ Luftwafe

۲۶۔ اشتراکیت : سوشیلزم۔

۲۷۔ ارزاں زری : Devaluation

۲۸۔ ارزانیت : Trade Depression

۲۹۔ ات جیت : Air conditioned

۳۰۔ بتار : (مصدر) بتارنا Wireless

۳۱۔ بم، بعد مسیح، A.D. قم : قبل مسیح کی ضد۔

۳۲۔ باہر تال : جب کارخانے کے منتظم کارخانے کے دروازے میں تالہ لگا دیں اور کامگاروں کو اندر نہ جانے دیں۔ Lock out

۳۳۔ بھکراول : بھک سے اڑنے والی چیز، (بھک سے اڑ) اڑنا، ول (فاعل علامت) ھتول کے قیاس پر Explosive.

۳۴۔ بھک سے اڑنا، To Explode

۳۵۔ بس گیس : زہریلی گیس۔

۳۶۔ برزخی ریاست : Buffer State

۳۷۔ بٹیا بجوم : موجودہ جنگ عظیم میں اس کا بہت کچھ حصہ ہے۔

[illegible] اور پتلا ٹکڑا جو جرمنی کو مشرقی پرشا [illegible] Corridor

سے علاتا ہے۔

۳۸ - بیپاری مساوات : Open Door Policy

۳۹ - بول بڑھاؤ : Loud Speaker Ship

۴۰ - پن بجلی : بجلی جو پانی کی طاقت سے پیدا کی جاتے۔

Hydraulic Electricity

۴۱ - پرپاٹھک : (پر ، پرانا ، پاٹھک ، طالب علم)

۴۲ - پشتانہ : ناٹک کی اس اصطلاح کے لیے پس منظر استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے صفت نہیں بناتے۔ پشتانہ میں اول تو دو لفظ الگ الگ نہیں اور اس سے صفت پشتانوی بہت خوبصورتی سے بن جاتی ہے۔ Background

۴۳ - پشتانوی (منظر) : دیکھو پشتانہ۔

۴۴ - پاگو : Football

۴۵ - تاریر : غیر اردو لفظ کو اردو بنا لینا۔ جیسے ماٹی سے مٹی اور فی سے فیس اور کیپٹن سے کپتان بنا لینا۔ بخشنا ، فرمانا بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

۴۶ - تغینی لہجہ : لسانیات اور صوتیات کی اصطلاح : Nasal Note

۴۷ - تمثیلچہ : چھوٹی اور مختصر تمثیل یعنی ناٹک۔

۴۸ - تشخیص ، تجسیم : ایک شے کو شخص یعنی ذی روح چیز کو ذی روح فرض کر لینا۔ Personification

۴۹ - تختہ اور چادر : تھیٹر اور بائیسکوپ (سینما)

۵۰ - تلنجن : تیل سے چلنے والا انجن Oil Engine

۵۱ - جناتی موسم : بہت سخت گرمی۔

۵۲ ۔ جان انجان: تجاہل عارفانہ ۔ جان بوجھ کر انجان بننا۔ انجان پن ۔

۵۳ ۔ جرمنستان تحریک : اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ جن ملکوں کے لوگ جرمن نسل سے ہیں یا جرمن زبان بولتے ہیں ان سب کو متحد کیا جائے ۔ Pan Germanism

۵۴ ۔ چپلارن : (چپلا : بجلی، رن : جنگ) Blitzkrierg

۵۵ ۔ چھٹ وہم : پہلے میں نے مختصر خویا وضع کیا تھا ۔ اس میں غرابت کا نقص تھا۔ معنی ہیں یہ وہم ہو جانا کہ لوگ مجھے علم، عقل یا عزت میں چھوٹا یعنی ذلیل سمجھتے ہیں ۔ چھوٹے سمجھے جانے کا وہم ۔ Inferiority Complex

۵۶ ۔ چھٹ وہمی : دیکھو چھٹ وہم ۔

۵۷ ۔ چھڑناؤ : (چھٹ ۔ چھوٹا) Packet Battle

۵۸ ۔ چوپٹ راج : انارکزم : Camouflage

۵۹ ۔ چوربتی : Electric Torch

۶۰ ۔ چورگھات : Camouflage

۶۱ ۔ حضارپرستی : اپنے موکل کے مذاق کا لحاظ رکھنا، عامیانہ پسند اور ذوق کی چیزیں مہیا کرنا جیسا اب سینما والے کرتے ہیں ۔

۶۲ ۔ خوردبینی اقلیت : وہ تعداد جو نسبت میں بہت ہی کم ہو۔ جیسے ایک چھوٹی چیز جو خوردبین کے بغیر نظر نہ آئے ۔

۶۳ ۔ دوآبہ گنجم : وہ علاقہ جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے ۔

۶۴ ۔ دھولالال : روس کی وہ فوج جو ۲۱ ۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے ہنگاموں میں جمہور کے خلاف تھی۔ انقلابیوں کی فوج کا نام لال دل تھا ۔

۶۵۔ دوگانہ معاہدہ : Bilatral Agreement

۶۶۔ دوعملی : ایک ملک میں ایک وقت میں دو قوتوں کی حکومت، جیسی آج کل سوڈان میں ہے۔ Condominium

۶۷۔ دساور بند : Embargo

۶۸۔ زمینداری راج : Feudalism

۶۹۔ زندگی کا ڈھلواں حصہ : جوانی کے ختم کے قریب کی عمر۔

۷۰۔ سیاس : Politician۔

۷۱۔ سرجیون قلم : فاؤن ٹن پن۔

۷۲۔ ساعت پرست : وہ بے اصولا جو محض موقع کو دیکھ کر عمل کرے۔

۷۳۔ سیاسی مرکزیت : Centralism

۷۴۔ سامراج : Imperialism

۷۵۔ سوَراج سبھا : لیگ آف نیشنز۔

۷۶۔ سندی رونہ : Navicert

۷۷۔ سماج : جماعت، سوسائٹی۔

۷۸۔ شفاف : واقعیت، عریانی یا نیم عریانی۔

۷۹۔ صوتیات : Phonetics

۸۰۔ صدرِ ایوان : Leader of the House

۸۱۔ ضمیری منکر : جو مذہبی یا اخلاقی اصول کی بنا پر فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کرے۔ Conscientious Objectors

۸۲۔ عواقب : Repercussion

۸۳۔ طلایہ : Peconnitre

۸۴ ۔ طوفانی دل : ہٹلر کی خاص فوج Storm troops

۸۵ ۔ عکس ریز : مصدر، عکس ریز کرنا۔ کرانا X-Rays

۸۶ ۔ عوامیت : سوقیانہ پن Vulgarism

۸۷ ۔ عزم حشر پیما : بہت بلے ارادے ۔

۸۸ ۔ فیشیت : اٹلی کی قومی تحریک جسے مسولینی نے ۱۹۱۹ء میں نکالا ۔ Fascism

۸۹ ۔ فرنگ خارج : متحدہ امریکہ کا یہ اصول کہ اہل فرنگ (یورپ والوں) کو امریکی معاملوں میں دخل دینے کا حق نہیں Monroc Doctrine

۹۰ ۔ فضا پردازی : Setting and Properties

۹۱ ۔ قم : قبل مسیح ، بم کی ضد ۔ مثلاً پورس اور سکندر کی لڑائی ۳۲۷ قم میں ہوئی ۔

۹۲ ۔ قومی اشتراکیت : نیشنل سوشیلزم ۔

۹۳ ۔ کتابچہ : چھوٹی کتاب ۔ گٹکا

۹۴ ۔ کفالت اجتماعی : Cullective security

۹۵ ۔ کہنہ شرب : بہت مدت کا پینے والا ۔

۹۶ ۔ کردار طرازی : Characterization

۹۷ ۔ جکات : ملاپ ، کسٹم ، جتھا ۔ دو آزاد ملکوں میں درآمد برآمد کے محصول کی نسبت ایک خاص قسم کی باہمی قرارداد Custom Union

۹۸ ۔ کھلا بندر : Free port

۹۹ ۔ کامگاریت : ایک قسم کی انقلابی مزدوری تحریک سے منسوب Syndicalism

۱۰۰ - کم زری : Deflation

۱۰۱ - گرگا : سماجی یا سیاسی تنازعہ کے دوران میں ایک ایسا آدمی بھیجنا جو ملک یا فریق مخالف میں بنا کر ان کے اغراض سے ہمدردی ظاہر کرے اور ان میں فتنہ انگیزیوں کی تحریک کرے جن سے وہ ابھی دور تھے۔ Agent Provocateut .

۱۰۲ - گھر ماندہ : جو گھر کی یاد میں اداس رہے۔ Home Sick

۱۰۳ - گنگا جمنی سلوک : وہ سلوک جو ایک سا یا یکساں نہ ہو۔

۱۰۴ - گلابی جذبات : نیم گرم یا کمزور جذبات ۔ جیسے گلابی جاڑا۔

۱۰۵ - گھر پھونک : جھلس بھوم، تباہ کاری Chorched Earth

۱۰۶ - گرپا تھلی : گرم پانی کی تھیلی Hot Water Bottle

۱۰۷ - لڑوکنا : لڑوکنا پن War minded

۱۰۸ - لسان : علم لسان کا جاننے والا Linguist .

۱۰۹ - لسانیات : علم زبان Linguistics

۱۱۰ - لال دل : دیکھو دھولا دل

۱۱۱ - لمدتوپ : لمبی مار کی توپ Long Range Gun

۱۱۲ - لام بندی : میدان جنگ میں جانے کی تیاری کا عکم یا عمل۔

۱۱۳ - لوک جتھا : Peoples Party

۱۱۴ - مان جوکھوں : جس جگہ یا جس کام میں عزت خطرے میں ہو۔

۱۱۵ - مورد : تاریدکے قاعدے سے اردو بنایا ہوا لفظ۔

۱۱۶ - موسم رو بہ آشتی ہے : نرم موسم ہے۔ سخت گرم یا جاڑے کا موسم نہیں۔

۱۱۷۔ متوازن : متقابل، برابر کی چوٹ۔

۱۱۸۔ مفت خواں : جو کتاب وغیرہ خریدے نہیں اور ادھر ادھر سے اڑا کر پڑھ لے۔

۱۱۹۔ منتہا : Climax

۱۲۰۔ مقامات : Situation

۱۲۱۔ مناظمہ : جس میں غزلوں کی بجائے نظمیں پڑھی جائیں۔ مشاعرے کی ضد۔

۱۲۲۔ مست بلپاز : Contraband

۱۲۳۔ ملوکیت : Imperialism

۱۲۴۔ مستری بھاؤ : Entent Cordials

۱۲۵۔ ماروج : Destroyee

۱۲۶۔ منہائی تحریک : Cut Motion

۱۲۷۔ میر ایوان : Leader of the House

۱۲۸۔ میر مقابل : Leader of the Opposition

۱۲۹۔ مد مقابل : Opposition Party

۱۳۰۔ نفاس : علم نفسیات کا ماہر۔

۱۳۱۔ نیم گرم رویہ : گرم جوشی کی ضد۔

۱۳۲۔ نفری : ناٹک میں جو ایکٹ کریں ان کی فہرست۔

۱۳۳۔ نک ڈبکی : نک ڈبکنا۔ اڑناؤ کا ناک یا سر کے بل نیچے گرنا۔
Nose Dive

۱۳۴۔ نفس متحید : نفس ناطقہ۔ ماہرین کی ہاں میں ہاں ملانا۔ خرد راے زنی کرنا Brain Trust

۱۳۵۔ نوکرشاہی : ایک ملک کا نوکروں کے ذریعے دوسرے ملک پر حکومت چلانا Beaucracy

۱۳۶۔ ناگہانی انقلاب : Coup De etat

۱۳۷۔ ناطرفی : ناطرفانہ Neutrality

۱۳۸۔ نازیت : Nazism

۱۳۹۔ نمودی کاٹ : Taken Out

۱۴۰۔ وافرزری : Inflation

۱۴۱۔ ہرکبھی : ہمیشہ

۱۴۲۔ ہم درسی : لڑکوں اور لڑکیوں کا ساتھ ساتھ پڑھنا پڑھانا۔ Co-Education

۱۴۳۔ ہواگھر : جہاں اڑناویں رکھی جائیں۔ Aerodrome

۱۴۴۔ ہتھ گولا : Hand Grenade

۱۴۵۔ ہواپسندی : Air mindedness

ان تمام اصطلاحات کے تجزیاتی مطالعہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم سب اس امر سے آگاہ ہیں کہ پنڈت کیفی کی وضع کردہ اصطلاحات انگریزی یا پہلے سے مروج اصطلاح کی جگہ نہیں لے سکیں۔ اصطلاح کیا ہے؟

کسی علمی نظریہ، تصور، وقوعہ، کیفیت یا تجربہ کے جوہر کو مختصر ترین الفاظ میں بیان کرنا اصطلاح ہے۔ اسی لیے ہر شعبۂ علم یا ایجاد یا اختراع یا تصور اپنے وجود کے ساتھ اپنی اصطلاحات بھی لے کر آتا ہے بالکل ایسے جیسے بچہ پیدا ہوکر مخصوص نام پاتا ہے اسی طرح تصورات یا ایجادات بھی معرض وجود میں آنے کے بعد اصطلاحات سے اپنا تشخص برقرار رکھتی ہیں۔

ہمارا کاروبار علم کیونکہ انگریزی پر استوار ہے اس لیے ہم انگریزی اصطلاحات کو اپنانے یا ان کے تراجم کرنے پر مجبور ہیں، ہاں! جب ہم خود نئے تصورات تخلیق کریں گے یا نئے علمی نظریات وضع کریں گے تو پھر نہ صرف ہم ان کے لیے خود اپنی اصطلاحات وضع کریں گے بلکہ ان تصورات کی مقبولیت کے ساتھ وہ اصطلاحات بھی مقبول ہوں گی۔ اور یوں ایک دن ہماری مانند دوسری زبانوں والے اگر انہیں قبول بھی نہ کریں گے تو ان کے تراجم کی فکر کریں گے۔ اسے علامہ اقبال کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے مخصوص فلسفیانہ تصورات کے لیے تصوف سے "خودی" کا لفظ لیا مگر اسے نیا مفہوم عطا کیا۔ یورپ کے مترجمین نے خودی کا ترجمہ Ego کیا اور یوں ایگو کے حوالہ سے خودی کے تصور میں وہ انائی تصورات بھی شامل ہو گئے جو تصور خودی سے غیر متعلق بلکہ اس کے برعکس ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال نے عشق کو غزل کے روایتی عشق کے مفہوم کے برعکس گرمی شوق، عمل پیہم اور سعی مسلسل کے جن معنی میں استعمال کیا ہے اگر انہیں فراموش کر کے انگریزی میں اسے Passion, Love یا فرانسیسی میں اسے L'amore سے واضح کیا جائے تو بات نہ بنے گی اس لیے کہ یہ الفاظ لغوی طور پر صحیح ہونے کے باوجود عشق سے وابستہ تمام تلازمات سے عاری ہیں۔

الفاظ سے وابستہ مخصوص تلازماتی مفاہیم کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ہماری مانند دیگر زبان والوں کو بھی دقتیں پیش آسکتی ہیں۔ اس میں زبان کے امیر یا غریب ہونے سے فرق نہیں پڑتا، فرق پڑتا ہے تو ان مخصوص تلازمات سے کہ جو جن کی مانند اصطلاح کی بوتل میں قید ہونے کو تیار نہیں ہوتے۔

ویسے خود انگریزی میں اصطلاحات[۱۳] کا مسئلہ خاصا الجھا ہوا ہے کیونکہ انگریزی کی [illegible] یونانی، جرمن اور فرانسیسی کے مقابلہ میں خاصی کم ہے اس لیے وہ

اصطلاحات کے لیے لاطینی اور یونانی کا سہارا لیتے ہیں ۔ اگرچہ انگریزی کے مقابلہ میں جرمنی میں علمی اصطلاحات کے لیے موزوں الفاظ کی کمی نہیں لیکن وہ بھی بسا اوقات دوسری زبانوں (بالخصوص یونانی) سے الفاظ مستعار لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں مثلاً فرائڈ نے سوفوکلیز کے مشہور یونانی المیہ " ایڈی پس ریکس " سے طفلانہ جنسیت کے اظہار کے لیے ایڈی پس کمپلیکس کی اصطلاح حاصل کی جو اس کے تصور کی یک طرفہ ترجمانی کرتی ہے اس لیے علمی اصطلاح کے طور پر یہ ناکافی ہے اور شاید اس لیے متنازعہ فیہ بھی !

اصطلاح بنتی ہے اور پھر اس کا ترجمہ کسی زبان میں کیا جاتا ہے تو اس سے بعض اوقات جو دلچسپ صورت حال معرض وجود میں آتی ہے اسے عدسہ اور لینز کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے ۔ بیگم ریاض امیر نے " ابن الہیثم کے تعلیمی افکار " میں لکھا ہے ۔

" آنکھ کے مختلف حصوں کے لاطینی نام جو آج کل انگریزی کی طبیعیات کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ۔ بیشتر ان ناموں کے لفظی تراجم ہیں ۔ جنہیں ابن الہیثم نے اپنی عربی کی کتاب " المناظر " میں استعمال کیا ہے ۔ مثال کے طور پر آنکھ کے Lens یعنی عدسہ کا جب ابن الہیثم نے مطالعہ کیا ، مشاہدہ کیا تو اس کی سطح دونوں طرف سے ابھری ہونے کے باعث مسور کے دانہ کے مشابہ تھی ۔ کیونکہ مسور کو عربی زبان میں عدس کہتے ہیں اس لیے ابن الہیثم نے اس کا نام عدسہ رکھا ۔ جب ازمنہ وسطیٰ میں کتاب " المناظر " کا ترجمہ لاطینی میں ہوا تو کیونکہ مسور کو لاطینی میں Lentil

> کہتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح مسور کا عربی مترادف
> عدس ہے۔ ابن الہیثم نے "عدسہ" کی اصطلاح وضع کرلی
> تھی اسی طرح مسور کے لاطینی مترادف Lentil سے
> کتاب "المناظر" کے مترجموں نے Lenses کی
> اصطلاح بنالی۔"[14]

یوں آج لینز کی اصطلاح عدسہ وضع کرنے کی صورت میں کوئی نیا کام نہیں کیا جاتا کیونکہ اصطلاح اپنی اصل کی طرف واپس آتی ہے۔ اس انداز پر اگر ان علوم کا جائزہ لیا جائے جن میں عربوں نے خصوصیت سے شہرت حاصل کی تھی جیسے الجبراء، جیومیٹری، جغرافیہ وغیرہ تو لاطینی کے توسط سے دیگر یورپین زبانوں میں مروج لاتعداد اصطلاحات عربی الاصل ثابت ہوں گی، یوں ان کے نئے تراجم کے برعکس اصل کو اپنانا زیادہ سودمند ثابت ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصطلاح سازی کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ مخصوص اصطلاح کے ذریعہ سے وہ امر دیگر ملتے جلتے امور سے مابہ الامتیاز ہوجائے۔ اگر ایسا نہیں اور بلحاظ مفہوم اصطلاح میں لچک رہ گئی تو پھر وہ قطعیت سے محروم ہوکر علمی مقاصد کے لیے ناکافی ثابت ہوگی۔ اصطلاح میں قطعیت اسی بنا پر ضروری ہے کہ اس نے اپنے مخصوص شعبۂ علم میں وسعت کے ساتھ ساتھ بعض اوقات صدیوں کا سفر طے کرنا ہوتا ہے۔ اصطلاح تصورات کی وضاحت اور صراحت کا فریضہ انجام دیتی ہے اس لیے اسے ایسا ہونا چاہیے کہ وہ تصور یا نظریہ کے دریا کو اپنے الفاظ کے کوزہ میں بند کرسکے۔

قیام پاکستان کے بعد دیگر علوم سے استفادہ اور تراجم کے ذریعہ سے اصطلاح سازی کا عمل انفرادی سطح پر جاری رہا۔ کسی مترجم نے اصطلاح کا خودساختہ ترجمہ کیا [illegible] طلاح کو استعمال کیا۔ اردو میں اصطلاح سازی سے وابستہ

بیشتر مشکلوں کا باعث یہی ہے کہ ہر اصطلاح کا ترجمہ کیا جاتا تھا مثلاً ٹیلی ویژن کا بھارت میں "دور درشن" ترجمہ کیا گیا تو ہمارے ہاں "دور نما" ___ لفظی ترجمہ کے لحاظ سے تو یہ درست ہے لیکن کیا زبان زدعوام ٹیلی ویژن کا ترجمہ بھی زبان زد عوام ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس نوع کے تراجم کا فائدہ؟

سب جانتے ہیں کہ اردو کے صوتی نظام میں اتنی لچک موجود ہے کہ اس میں ہر نوع کے الفاظ کی ادائیگی ممکن ہے۔ انشاء نے "دریائے لطافت" میں سب سے پہلے اس لسانی نکتہ پر نظر ڈالی تھی:

"ہر لفظ جو اردو میں مشہور ہو گیا عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی، ازروے اصل غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے، اس کی صحت و غلطی اردو کے استعمال پر موقوف ہے۔"[15]

وضع اصطلاحات میں یہی اصول پیش نظر رکھنا چاہیے پھر جس تیز رفتاری سے غیر ملکی الفاظ اور اصطلاحات آرہی ہیں تراجم اس کا ساتھ نہیں دے پاتے اسے یوں سمجھیے کہ غیر ملکی اصطلاحات اور الفاظ کی آمد Geometrical Progression کے مطابق ہے یعنی ۲، ۴، ۸، ۱۶، ۳۲ کی رفتار سے جب کہ ان کے تراجم کا عمل Arithmatical Progression کے مطابق ہے۔ یعنی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷ کی رفتار سے۔ لہذا کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے تمام اصطلاحات کے تراجم نہیں ہو پاتے اور پھر جو تراجم کیے جاتے ہیں انہیں سند قبولیت ملتی بھی ہے یا نہیں؟

لفظ اصل میں کیا ہوتا ہے مگر عوام اسے کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ یہ امر اصطلاح سازی میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ لاتعداد اصطلاحات الفاظ عوامی لہجہ سے عدم مطابقت کی بنا پر عوام کی زبانوں پر چڑھ کر سکہ رائج الوقت ثابت نہیں ہوتے بلکہ کتابوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے بلٹی کی جو مثال دی ہے اس سے یہ نکتہ روشن کیا جا سکتا ہے وہ "اردو کی موجودہ ضروریات" میں فرماتے ہیں:

"جب ولایتی مال جہازوں پر لد کر ہندوستان میں آنا شروع ہوا تو بل آف لینڈنگ ساتھ آتا ہی تھا اس کو ضروری تصرف کے ساتھ بلٹی کہا گیا۔ جب ملک میں ریل جاری ہوئی تو ریلوے کے پارسل کی رسید کو نہ جانے کیوں بلٹی کہنے لگے۔ آج بھی ہم ریل کے پارسل یا گودام کی رسید کو بلٹی کہتے ہیں جنہوں نے اس رسید کو بلٹی کہا وہ اردو بولنے والے تھے۔ جنہوں نے بل آف لینڈنگ کو بلٹی کہا وہ گجراتی بولنے والے تھے۔ دونوں قسموں کا مال لانے والے فرنگی تھے۔ بلٹی کا لفظ مال کی آمد و رفت کے سلسلہ میں کانوں میں پڑا ہوا تھا۔ ادھر بھی سہل انگاری سے اس کا استعمال دوسرے معنی میں شروع ہو گیا اب جو معاشیات کی اصطلاحیں نئے سرے سے وضع ہونے لگیں تو بل آف لینڈنگ کے لیے کوئی لفظ نہ تھا کیونکہ تمام شمالی ہند میں بلٹی کا لفظ ریلوے کے پارسل سے

متعلق مستعمل اور معروف ہو چکا تھا اور اس کی جگہ
پرچہ قرار دینا پڑا۔ جو بل آف لینڈنگ کا اردو ترجمہ
ہے۔ برقیات کی ذیل میں الیکٹری فائی کی جگہ برقانا
وضع کیا گیا ہر لحاظ سے قابلِ داد ہے۔ پونڈ کے روپے
اور روپلوں کے پونڈ بنائے جائیں تو زر مبادلہ کا فرق جو
ہوتا ہے اسے بھرطوت کہا گیا یعنی ڈفرنس آف ایکسچینج
لفظی ترجمہ کہیں بدعنوانی بھی پیدا کر دیتا ہے ہونا یہ چاہیے
تھا کہ اصطلاح کی ضرورت پر پہلے اپنے ہاں جائزہ لیا
جائے یعنی دیکھا جائے کہ ملکی زبان کا کوئی ہم معنی لفظ پہلے
سے کہیں موجود اور مستعمل ہے کہ نہیں۔ نہ ملے تو لفظی
ترجمہ کیا جائے یا آکسیجن کی طرح اصل لفظ ہی کو رہنے
دیا جائے۔ ایک جگہ ریزرو فارسٹ کا ترجمہ کیا گیا محفوظ
جنگلات جو افسوس ناک ہے کیونکہ ٹینک یا آکسیجن کی
طرح ریزرو فارسٹ ہمارے لیے نئی چیز نہیں یہ پہلے
سے ہے اور نہ صرف عرف عام بلکہ دفتری اصطلاح
میں بھی اسے رکھ کہتے ہیں۔" [۱۹]

لفظی تراجم کی لغوی درستی کے باوجود بھی اگر عوام انہیں قبول نہیں کرتے
اور وہ ہمارے صوتی نظام کا ایک مستقل جزو نہیں بن سکتے تو ایسے تراجم کی
افادیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس نکتہ کو ذہن نشین رکھنے پر غیر ضروری
اور ناموزوں تراجم پر صرف ہونے والی توانائی کسی بہتر مصرف میں آسکتی ہے۔

دفتری اصطلاحات کے تراجم میں اس نوع کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً "اخبار اردو" (ستمبر ۱۹۸۵ء) میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے لیے مندرجہ ذیل اردو اصطلاحات درج کی گئی ہیں:

۱۔ ناظم حساب : مجلس زبان دفتری، کی لغت قاموس الاصطلاحات۔
۲۔ ناظم اعلیٰ حسابات : دفتری اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔
۳۔ محاسب اعلیٰ : فرہنگ اصطلاحات ومحاورات قانون۔ مقتدرہ قومی زبان۔
۴۔ صدر محاسب : انگریزی اردو لغت، بابائے اردو مولوی عبدالحق۔
۵۔ منیب اعلیٰ/مہتمم اعلیٰ : کتابستان ڈکشنری۔
۶۔ میر محاسب : علمی اردو لغت۔
۷۔ میر بخش : فیروز اللغات۔
۸۔ محتسب اعلیٰ : پاپولر ڈکشنری۔
۹۔ حساب دار اعلیٰ :

کتنے اصحاب نے اتنی محنت سے اصطلاح وضع کی لیکن عوام نے کسی ایک کو قبول نہ کیا کیونکہ وہ تو پورا اکاؤنٹنٹ جنرل بھی ادا کرنے کے برعکس صرف اے۔ جی کہتے ہیں۔ اس مثال یا اسی نوع کی دیگر مثالوں کا مطلب نفاذ اردو کے ضمن میں کی جانے والی مساعی کی نفی نہیں کیونکہ عوام پسند نہ ہونے کے باوجود بھی اس کام کی اپنی جداگانہ اہمیت ہے۔ البتہ ایک امر کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دفتری اصطلاحات کے تراجم کے لیے سرکاری سطح پر جو ادارے یا کمیٹیاں کام کر رہی ہیں۔ ان کی انفرادی اہمیت سے قطع نظر امر بھی ضروری ہے کہ اصطلاح سازی کی جملہ کاوشوں کو تدوین لغت کے ساتھ مربوط ہونا ... یہ اسی لیے ضروری ہے کہ سرکاری کمیٹیوں یا اداروں نے جو کام کیا اس کی رپورٹ سرکاری ... کو دی جس نے اسے دفتری اصطلاح کی فائل میں بند کر دیا

یا زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اپنے انگریزی میں تحریر کردہ مراسلے کے ساتھ چند محکموں کو اس کی نقول ارسال کردیں اور بس! حالانکہ اصطلاحات کے تمام تراجم کو اس کے برعکس کسی جامع لغت کا حصہ بننا چاہیے، جب تک وہ لغت میں نہیں آتے وہ زبان کے بنیادی ڈھانچہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف حکومتوں نے جو کمیٹیاں قائم کیں اور انہوں نے اصطلاح سازی میں جو مساعی کیں اس کے نتائج کا علم نہ ہوسکا، اس لیے اس ضمن میں "تکرار و توارد" بھی ہوتی رہتی ہے لہذا ایسے تمام کام کو کسی ایک بڑی لغت کے ذریعے سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مخصوص علوم کی اصطلاحات پر مشتمل الگ لغات بھی چھپتی رہتی ہیں اور ان کی اہمیت بھی مسلم! کراچی میں مدون ہونے والی لغت میں یہ سب اصطلاحات شامل کی جا سکتی ہیں یا پھر مقتدرہ قومی زبان بھی تمام منتشر کام کو سمیٹ کر اردو کی تمام اصطلاحات پر مشتمل ایک عظیم اور ضخیم لغت مدون کرنے کا منصوبہ بنا سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ "۱۹۵۷ء سے قبل کی اردو مطبوعات" از خلیل الرحمان داؤدی، مطبوعہ "اردو نامہ" لاہور، اگست ۱۹۸۳ء۔

۲۔ "اردو میں اصطلاح سازی" از ڈاکٹر ابوسلیمان شاہ جہاں پوری، مطبوعہ، "اخبار اردو" اسلام آباد، فروری ۱۹۸۴ء۔

۳۔ "دفتر مترجم السنہ شرقیہ" (بمبئی) مطبوعہ "اخبار اردو" جولائی ۱۹۸۵ء۔

۴۔ مقالہ مطبوعہ "اردو نامہ" (سالنامہ مارچ ۱۹۸۳ء)

۵۔ "منشورات" ص ۷۳۔

۶۔ "مغربی تصانیف کے اردو تراجم" از میر حسن، ص ۹۹۔

۷۔ "الفہرست" از محمد سجاد بیگ دہلوی، ص ۹۔

۸۔ مملکت حیدرآباد ایک علمی ادبی اور ثقافتی ادارہ (جلد اول) از احمد عبداللہ المسدوسی، ص ۳۸۱، ۳۸۲۔

۹۔ "ترجمہ، روایت اور فن" مرتبہ: نثار احمد قریشی، ص ۱۷۳۔

۱۰۔ "اردو اصطلاح سازی اور عربی، فارسی الفاظ" مطبوعہ اردو نامہ، اکتوبر ۱۹۸۲ء۔

۱۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۷۴۔

۱۲۔ "نئے الفاظ" مطبوعہ "اردو نامہ" سالنامہ مارچ ۱۹۸۳ء۔

۱۳۔ اصطلاح کو انگریزی میں Term کہتے ہیں جو لاطینی Terminum سے بنایا گیا ہے جرمن میں اسے Terma اور یونانی میں Termon کہا جاتا ہے۔

۱۴۔ "اقرار" نظامت وفاقی تعلیمی ادارہ جات، جی۔ ایچ۔ کیو راولپنڈی، نومبر ۱۹۸۵ء

۱۵۔ "دریائے لطافت" مقدمہ: مولوی عبدالحق، ص ۱۷۲۔

۱۶۔ "منشورات" ص ۷۳، ۷۴۔

تاریخ

سید باقر حسین نقوی
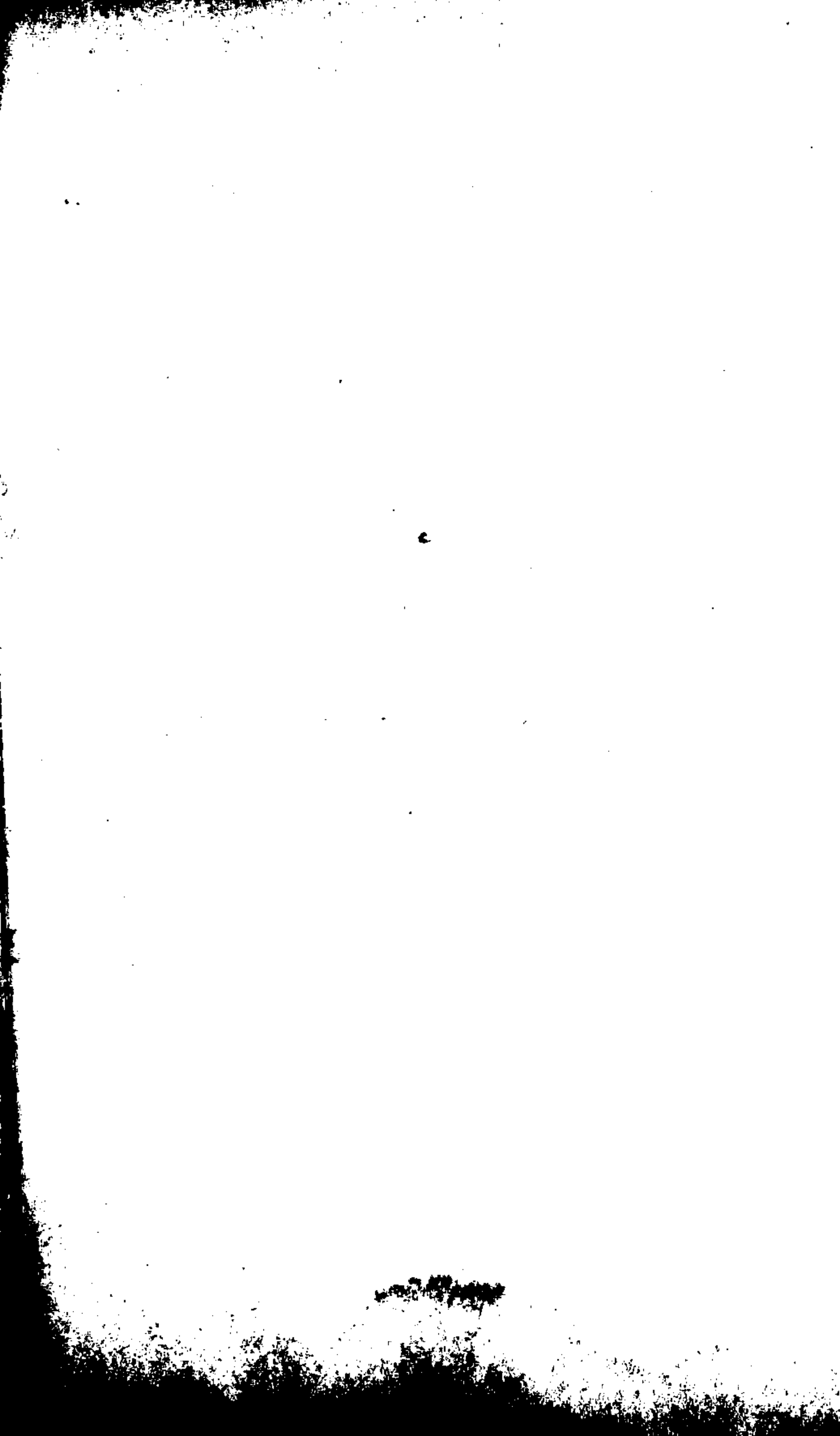
اردو میں اصطلاح سازی کی تاریخ

مسلمانوں کو جدید علوم و فنون سے روشناس کرانے کے لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ ان علوم کی تحصیل کو ان کی اپنی زبان (اردو) میں ممکن بنایا جائے۔ اردو زبان کو علومِ جدیدہ کی تحصیل کا ذریعہ بنانے کے لیے جنرل آکلینڈ نے شرط عائد کی تھی کہ جب تک اردو زبان میں جدید علوم و فنون پر کتابیں تیار نہیں ہو جاتیں اس وقت تک اس زبان میں مکمل تعلیم کا انتظام ممکن نہیں۔ انگریزی زبان کی بالادستی قائم رکھنے کی یہ ایک نئی چال تھی، لیکن دہلی کالج کے دارالترجمہ، سرسید احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی، جامعہ عثمانیہ اور ایسے دیگر اداروں اور خاندانوں نے (جن میں نواب شمس الامراء کا خاندان قابلِ ذکر ہے) انتہائی پامردی اور حوصلے کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کیا۔ انہوں نے مغربی علوم و فنون کو اردو زبان میں ڈھالنے کے کام کا بیڑا اٹھایا۔ چونکہ ان کتابوں کو اردو زبان میں ڈھالنا وضع اصطلاحات کے بغیر ممکن نہ تھا لہٰذا اصطلاح سازی کے کاموں کو ترجیحی بنیادوں پر شروع کیا گیا۔

یوں تو اردو زبان کی ابتدا کے ساتھ ہی وضعِ اصطلاحات کے کام کا آغاز ہو گیا تھا، تاہم نئے علوم و فنون کی آمد کے ساتھ ہی اصطلاحات کی ضرورت کا احساس شدت اختیار کرتا گیا۔ کیونکہ اصطلاحات فروغ علم کے ساتھ وجود میں آتی رہتی ہیں زبان کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے نئے علوم اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے جو زبان اپنے اندر نئے الفاظ و ترکیبات کو جذب کرنے اور نئی اصطلاحات و مترادفات کو جنم دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

اردو میں اصطلاح سازی کا کام اٹھارویں صدی کے اوائل ہی سے شروع ہو چکا تھا، لیکن اس کا باقاعدہ آغاز گلکرسٹ کے فورٹ ولیم کالج سے ہوا۔ اس کالج میں پہلی مرتبہ تالیف و ترجمہ کا شعبہ قائم کیا گیا جس کا مقصد انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کرنا تھا۔ گلکرسٹ کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ دو جلدوں میں انگریزی ہندوستانی لغت کی اشاعت ہے۔ اس کے بعد دہلی کالج کی قومی زبان کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں کی گئی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وضع اصطلاحات کے سلسلے میں منظم کوشش کا سہرا بھی اسی کالج کے سر ہے۔ یہ کالج ۱۸۲۵ء میں قائم کیا گیا اور اسی کالج کے تحت ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ ایک ٹرانسلیشن سوسائٹی (دارالترجمہ) قائم کی گئی اس سوسائٹی کے تحت جدید علوم و فنون کے ترجمے کے لیے اصطلاحات سازی کا باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ بیش قیمت اصطلاحات وضع کی گئیں اور وضع اصطلاحات کے اصول مرتب کیے گئے۔ اس سوسائٹی کے تحت تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا جن میں سے ۱۵ کتابیں ریاضیات، طب، معدنیات اور زراعت ایسے مختلف مضامین کے تراجم و اصطلاحات پر مشتمل تھیں۔ ان موضوعات کی عا

کتابوں کے تراجم کی بدولت سائنسی اور فنی اور تکنیکی اصطلاحات کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہوا جس نے نہ صرف اردو زبان کو تنگ دامانی کے احساس سے نکال کر وسعتوں کی لذت سے آشنا کیا۔ بلکہ علوم جدیدہ کی اس زبان میں تحصیل کو سہل تر بنا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب اور ہنگامے نے اس کالج کو شدید نقصان پہنچایا اور بعد کے دگرگوں حالات نے علم کے اس درخشندہ باب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اگر یہ ادارہ کچھ دیر اور قائم رہتا تو مختلف جدید علوم و فنون کی کتابوں پر اصطلاحات سازی، ترجمے اور نظرثانی کا کام مکمل ہو جاتا۔ انہیں نامساعد حالات کی بنا پر یہ کام شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

۱۸۵۷ء کے آلام و مصائب کے باوجود سر سید احمد خان ایک ایسی ہستی تھی جس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اور انہوں نے حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ مخالفتوں کی طوفانی لہریں انہیں متزلزل نہ کر سکیں اور انہوں نے اپنے ارادے کی تکمیل کی راہ میں ہر رکاوٹ کو اپنے پاؤں کی دھول سمجھا۔ انہوں نے اردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز پیش کی لیکن شدید مخالفت کے باعث یہ تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ جدید علوم و فنون کی کتابوں کے اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے ۱۸۶۳ء میں ایک سائنٹفک سوسائٹی قائم کی گئی جس کے تحت علمی، تاریخی، سائنسی اور فنی موضوعات کی حامل کم و بیش چالیس کتابوں کا اردو ترجمہ کروایا گیا۔ وضع اصطلاحات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو دو ارکان بابو رام چندر لال متر اور مولوی تمیز الدین خان بہادر پر مشتمل تھی۔ انہوں نے وضع اصطلاحات کے سلسلے میں گراں قدر تجاویز پیش کیں۔ رائے سوہن لال اور سید حسن بلگرامی نے بھی اصطلاح سازی کے مفید اور کارآمد اصول وضع کیے۔ چنانچہ اس کمیٹی کی بدولت وضع اصطلاحات اور ترجمے کے لیے ایک واضح طریق کار متعین ہوا۔

۲۴ مئی ۱۸۶۸ء میں سرسید احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی کی طرز پر سائنٹفک سوسائٹی بہار، مظفر پور میں قائم ہوئی۔ جس کے روحِ رواں رائے سوہن لال سپرنٹنڈنٹ نارمل سکول پٹنہ تھے۔ اصطلاحات سازی کے کام میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا۔ اور سیاسیات و فلکیات، جغرافیہ، جبر و مقابلہ، طبیعیات، معدنیات، فنِ تعمیر پر متعدد کتابیں شائع کروائیں۔ اصطلاحات سازی کے سلسلے میں اس سوسائٹی کے کام کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اردو زبان کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی کوششوں میں حیدر آباد کے نواب شمس الامرا کا خاندان قابلِ ذکر ہے۔ اس خاندان کے امیر کبیر نواب شمس الامرا محمد فخر الدین خان بہادر کو خیال پیدا ہوا۔ کہ سائنس اور دیگر جدید علوم کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا جائے چنانچہ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۰ء یعنی ایک سال کے عرصے میں چھ رسالے علم جر ثقیل، علم آب و ہوا، علم مناظر اور علم برق و مقناطیس اردو میں شائع ہوئے۔ ان کتابوں کے ترجمے کے لیے عربی و فارسی کی مدد سے اصطلاعات وضع کی گئیں۔

لکھنؤ میں سید کمال الدین حیدر نے جدید علوم و فنون پر مشتمل بعض انگریزی رسالوں کا اردو میں ترجمہ کروایا اور بیش قیمت اصطلاعات وضع کی گئیں۔

اردو زبان کی تدریج و ترقی اور اردو ادب کے فروغ کے لیے جامعہ عثمانیہ کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کا قیام ۱۹۱۵ء میں عمل میں آیا۔ اس جامعہ کے تحت ۱۹۱۶ء میں دار الترجمہ قائم ہوا اور وضع اصطلاحات کے لیے ایک مجلس تشکیل دی گئی۔ اصطلاحات سازی کے کام میں مستند ماہرین لسانیات نے حصہ لیا۔ اصطلاحات سازی کے رہنما اصول وضع کرنے کے سلسلے میں ان ماہرین کے کارنامے

کو اصطلاحات سازی کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ ان ماہرین میں پروفیسر وحید الدین سلیم کا نام سرفہرست ہے۔ جن کی کتاب "وضع اصطلاحات" اصطلاح سازی کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

دارالترجمہ کے کام کا آغاز ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ اور یہ سلسلہ تیس سال یعنی قیام پاکستان تک جاری رہا۔ اس تیس سال کے عرصہ میں دارالترجمہ نے چار سو سے زیادہ کتابیں شائع کیں۔ جن میں سے تقریباً پونے تین سو کتابیں سائنسی مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان کتابوں کے ترجمہ کے لیے بے شمار اصطلاحات وضع کی گئیں۔ جو اردو زبان و ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ جامعہ عثمانیہ نے مخالفینِ اردو پر اس حقیقت کو آشکار کیا کہ اردو زبان میں ہر مضمون خواہ وہ کتنا ہی دقیق اور پیچیدہ کیوں نہ ہو، ادا کرنے اور اسے اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ سقوطِ حیدرآباد نے سلطنت نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ اس عظیم علمی اور تہذیبی مرکز کی ہیئت بھی بدل کر رکھ دی۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی اس مرکزِ علمی کی علمی خدمات اور وضع کردہ اصطلاحات پر مبنی بیش قیمت سرمایہ پاکستان میں موجود ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے علاوہ انجمن ترقیٔ اردو (ہند) نے بھی اصطلاح سازی اور اس کی اشاعت و ترویج میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ انجمن نے پرانی اصطلاحات پر نظرِ ثانی کرنے کے ساتھ ساتھ اصطلاحاتِ نو کو وضع کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ انجمن نے دارالترجمہ کی مدد اور تعاون سے علمی اصطلاحات شائع کیں۔ اس میں طبیعیات و ریاضیات اور فلکیات کی اصطلاحیں دارالترجمہ کی وضع کردہ اور حیاتیات و نباتات کی اصطلاحیں خود انجمن کی مرتب کردہ تھیں، ۱۹۳۹ء میں فرہنگ اصطلاحات کیمیا شائع کی گئی۔ ۱۹۴۱ء میں فرہنگ اصطلاحات

طبیعات، معاشیات و فلکیات اور جغرافیہ شائع ہوئیں۔ الغرض اصطلاح سازی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کو معرضِ وجود میں آتے ہی گوناگوں مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ان مسائل میں سب سے اہم مسئلہ زبان کا تھا۔ مغرب زدہ ذہنیت کا حامل طبقہ انگریزی کو قومی زبان کا درجہ دلانے کے لیے بے تاب نظر آتا تھا۔ جبکہ دوسرا طبقہ بنگالی زبان کی قومی حیثیت کے سلسلے میں بنگالیوں کو تحریک چلانے کے لیے ابھار رہا تھا۔ لیکن اکثریتی طبقہ (عوام) اردو زبان کو قومی زبان کی حیثیت میں دیکھنے کا خواہاں تھا۔ رفتہ رفتہ اس خواہش نے مطالبے کی صورت اختیار کی اور مطالبہ تحریک کی صورت میں نمودار ہوا۔ ناظمِ تعلیماتِ عامہ ایس ایم شریف کے ۳۱ جولائی ۱۹۴۸ء کے ایک مراسلے سے عوام کی اس مطالبے کے ساتھ جذباتی وابستگی کا پتہ چلتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی اردو کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۸ء کی قراردادیں بھی اسی پرزور مطالبے کی غماز ہیں۔ اسی مطالبے ------- کے پیشِ نظر حکومت پنجاب کے وزیرِ تعلیم شیخ کرامت علی نے لیجسلیٹو اسمبلی میں اعلان کیا کہ

"تمام سرکاری محکموں، دفتروں اور عدالتوں کی زبان اردو ہوگی۔"

۱۔ مجلس زبان دفتری

بابائے قوم قائدِ اعظم محمد علی جناح کے فرمان اور وزیرِ تعلیم کے مذکورہ اعلان کی روشنی میں اردو کو سرکاری سطح پر ترویج دینے کے لیے متعدد تنظیمیں وجود میں آئیں۔ ان تنظیموں میں "مجلسِ زبان دفتری" کا نام سرِ فہرست ہے۔ سردار

عبدالرب نشتر کے حکم سے ۲ دسمبر ۱۹۴۹ء کو مجلسِ زبان دفتری کا قیام عمل میں آیا۔ مجلسِ زبان دفتری کے اجلاس منعقدہ ۱۳ جنوری ۱۹۵۰ء کی سفارشات کے مطابق مندرجہ ذیل چھ کمیٹیاں قائم کی گئیں :-

۱۔ عدالتی کمیٹی
۲۔ کمیٹی متعلق بہ کار
۳۔ فنی کمیٹی
۴۔ تعلیمی کمیٹی
۵۔ تجارتی کمیٹی
۶۔ لسانی کمیٹی

۱۔ عدالتی کمیٹی نے جس کے چیئرمین جناب جسٹس ایس۔ اے رحمان مقرر ہوئے، دیوانی، فوجی اور مال کی عدالتوں میں اردو کی ترویج و ترقی کے لیے قانونی اصطلاحات وضع کرنے کا ذمہ لیا۔

۲۔ کمیٹی متعلق بہ کار کو جس کے چیئرمین جناب حافظ عبدالمجید (چیف سیکرٹری) مقرر ہوئے۔ دفتری اصطلاحات و متبادلات تجویز کرنے کا کام سونپا گیا۔

۳۔ فنی کمیٹی جس کے چیئرمین خان بہادر شیخ عبدالمجید مقرر ہوئے، صنعت، انجینئرنگ اور فنی اصطلاحات سازی کا کام تفویض ہوا۔

۴۔ تعلیمی کمیٹی کو جس کے چیئرمین جناب ایس ایم شریف مقرر ہوئے۔ تعلیمی اداروں میں مستعمل اصطلاحات اور مالیات و حسابات سے متعلق اصطلاحات وغیرہ کے اردو متبادلات وضع کرنے کے کام کی

ذمہ داری سونپی گئی۔

۵۔ تجارتی کمیٹی کو جس کے چیئرمین جناب سید نور احمد مقرر ہوئے، اردو مختصر نویسی، ٹائپ کاری اور ٹائپ مشینوں سے متعلق مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کا کام سپرد ہوا۔

۶۔ لسانی کمیٹی کو جس کے چیئرمین جناب ایم ڈی تاثیر مقرر ہوئے۔ استنادشدہ اصطلاحات پر مشتمل ایک جامع لغت ترتیب دینے کے کام سے متعلق تجاویز پیش کرنے کا کام سونپا گیا۔

۳۱ جولائی، ۱۹۵۰ء میں "مجلسِ مترجمین" (بورڈ آف ٹرانسلیٹرز) کا قیام عمل میں آیا۔ میرِ مجلس کی حیثیت سے پروفیسر محمود احمد خان ڈین عثمان یونیورسٹی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حکومت کے تمام محکموں اور عدالتوں سے ایسی ترجمہ طلب انگریزی اصطلاحات کی فہرستیں طلب کی گئیں جو دفتری اور عدالتی کاروبار میں استعمال ہوتی تھیں۔ ان اصطلاحات کے ترجمے کا کام شعبۂ ترجمہ کے کسی رکن کے سپرد کر دیا جاتا ترجمہ شدہ اصطلاحات کی نظرِ ثانی کا کام صدر شعبہ ترجمہ کی وساطت سے مجلس استناد میں پیش کر دیا جاتا۔ مجلس استناد کے رد و بدل یا صاد کے بعد اصطلاحات کا ترجمہ، تنقید یا اظہارِ رائے کے لیے مجلس زبان دفتری کے ارکان اور متعلقہ سرکاری محکموں اور عدالتوں کو ارسال کیا جاتا تھا، جن اصطلاحات پر کوئی تنقید یا اعتراض نہ ہوتا انہیں مستند یا منظور شدہ قرار دیا جاتا اور اصطلاحات کے جن ترجموں پر زبانِ دفتری کے ارکان یا متعلقہ محکمے اور عدالتیں تنقید کرتیں انہیں شعبۂ ترجمہ اور مجلس استناد کی تصریحات کے ساتھ غور کے لیے مجلسِ زبان دفتری کے اجلاس میں پیش کیا جاتا۔ اور مجلس کا منظور شدہ ترجمہ قطعی قرار پاتا۔ اگرچہ یہ طریقۂ کار بظاہر خاصا طویل لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اصطلاحات جرح و نقد کی کسوٹی

طرح سے پرکھ لیے جانے کے بعد ہی قابلِ ترویج پاتی ہیں۔

مجلس زبان دفتری نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹۷۳ء میں یہ فیصلہ کیا کہ شائع شدہ ۲۵ فہرستوں میں مشمولہ ۳۵ ہزار اصطلاحات کو مجلسِ استناد سے مزید نظرثانی کرا کے یکجا کیا جائے اور لغت کی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ مجلس استناد کی نظرثانی کے بعد ان اصطلاحات و محاورات کو لغت کی صورت میں شائع کیا گیا۔

۲۔ مجلس ترقیٔ ادب۔ لاہور

اردو زبان و ادب کے فروغ و ارتقا کے سلسلے میں مجلس ترقی ادب امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ حکومت پنجاب کے محکمۂ تعلیم نے مئی ۱۹۵۰ء میں اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام "مجلسِ ترجمہ" رکھا گیا۔ لیکن ۱۹۵۸ء میں حکومت نے اس ادارے کو ایک نئی شکل دی اور اس کا نام مجلس ترقیٔ ادب رکھا۔ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۶۰ء یعنی پہلے دس برسوں میں مجلس ترجمہ نے کل ۲۷ کتابیں شائع کیں، لیکن اس کے بعد اب تک مجلس نے ۳۰۰ کتابیں شائع کی ہیں۔

۳۔ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی نے بھی اصطلاحات سازی کے سلسلے میں نمایاں کام سرانجام دیا ہے۔ یہ اکیڈمی ۱۹ دسمبر ۱۹۵۶ء میں قائم ہوئی۔ اردو زبان میں جدید علوم و فنون کی بے شمار کتابوں کے ترجمے کروا کر انہیں شائع کیا گیا۔

۴۔ مرکزی اردو بورڈ

اردو زبان کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں مرکزی اردو بورڈ کی خدمات بھی ہمارے ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ ادارے نے مختلف علوم جدیدہ پر مشتمل کتابوں کے تراجم شائع کروا کر اصطلاحات سازی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس ادارے نے اصطلاحات سازی کے سلسلے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔

۵۔ ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

اس ادارے نے ستمبر ۱۹۶۲ء میں اپنے کام کا آغاز کیا۔ چونکہ کتابوں کی تالیف و تصنیف کا پہلا مرحلہ اصطلاحات کی تدوین تھا۔ اس لیے اصطلاحات کی تدوین اور استناد کا کام فوراً شروع کیا گیا۔ سائنس میں طبیعیات اور آرٹس کے مضامین میں معاشیات کی اصطلاح سازی کا کام شروع کیا گیا۔ یہ کام ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۶ء تک جاری رہا۔ اور اس دوران میں آرٹس کے مختلف مضامین کی اصطلاح سازی کا کام ہوتا رہا۔ اس ادارے نے مختلف علوم پر مبنی اصطلاحات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کروایا۔

۶۔ ادارہ تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی

اردو زبان میں جدید علوم و فنون کے فروغ اور ارتقا اور قومی سطح پر اس کی ترویج و ترقی کے لیے کسی پاکستانی یونیورسٹی میں قائم ہونے والا یہ پہلا ادارہ تمام اس نوعیت کے دیگر اداروں کا پیش رو ہے۔ یہ کہنا [illegible]

زبان کی ترویج و ترقی کے لیے نواب شمس الامراء دہلی کالج، سائنٹفک کا سوسائٹی، اور جامعہ عثمانیہ نے جن روایات کو قائم کیا اس ادارے نے نہ صرف انہیں برقرار رکھا بلکہ خونِ جگر سے ان کی آبیاری کی۔ ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کا قیام ۱۹۵۷ء میں عمل میں آیا۔ اصطلاحات کے ضمن میں اس ادارے کا طریق کار یہ رہا کہ دہلی کالج سے لے کر آج تک مختلف اداروں نے جو کام کیا تھا اس کو یکجا کیا جائے۔ علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئی اصطلاحات وضع کرنے کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے براعتبار موضوع الگ الگ مجالس وضع اصطلاحات قائم کی گئیں۔ ان مجالس کی وضع شدہ اصطلاحات شعبے کے مجلّہ "جریدہ" میں شائع ہوتی ہیں۔ ماہنامہ جریدہ میں اشاعت کے علاوہ کئی مضامین کی اصطلاحات کی فرہنگیں شائع کی جا چکی ہیں۔

۷۔ ترقیٔ اُردو بورڈ۔ کراچی

حکومتِ پاکستان کی فرمائش پر جولائی ۱۹۵۸ء میں اردو لغت کی تدوین کا منصوبہ ایک وسیع پیمانے پر شروع کیا گیا۔ محیط اللغات کی پہلی جلد ۱۹۶۱ء میں تیار ہوئی۔ یہ لغت تیرہ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں ۱۴۱۵۹۴ الفاظ اور محاورات شامل ہیں۔

۸۔ زرعی یونیورسٹی۔ فیصل آباد

اس یونیورسٹی نے زرعی علوم کی اصطلاحات کا ایک جامع انگریزی لغت

مرتب کیا ہے جو چالیس ہزار اصطلاحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ یہی عمرانیات ارضیات اور علاج حیوانات پر الگ الگ لغات مرتب کیے ہیں۔

۹۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی

یہ قدیم انجمن جو ۱۸۶۶ء میں قائم ہوئی۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے پاکستان میں بھی سرگرم عمل ہے۔ اس ادارے نے فنی اور سائنسی علوم پر کتابیں شائع کروا کر اصطلاحات کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔

۱۰۔ انجمن ترقیٔ اردو (پاکستان) کراچی

یہ ادارہ قیام پاکستان سے قبل انجمن ترقیٔ اردو ہند کے نام سے قائم ہوا تھا۔ لیکن اردو زبان کے فروغ و ارتقا کے لیے آج بھی نہایت جانفشانی سے کام کر رہا ہے۔ اس ادارے کی وضع کردہ اصطلاعات پر مشتمل کتابیں اردو زبان و ادب کا بہترین قیمتی سرمایہ ہیں۔

۱۱۔ سائنٹفک سوسائٹی پاکستان۔ کراچی

اس سوسائٹی کا قیام ۱۹۵۵ء میں عمل میں آیا۔ اس سوسائٹی کا منصوبہ سر سید احمد خان کی شاندار روایات کو زندہ رکھنا تھا۔ تاہم اس نے اپنے دائرہ کار کو صرف سائنسی مضامین تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ علم و ادب کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس کی طرف سے اصطلاحات کے ضمن میں وسیع کام ہوا ہے۔ اور اکثر اس کی کتابیں جامعۂ کراچی کے تعاون سے شائع ہوئی ہیں اور اس کا رسالہ "جدید سائنس" اصطلاحات کی اشاعت میں سرگرم ہے۔

۱۲ - انجمن فاضلین ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب

اس انجمن کی طرف سے تعلیمی میدان میں وضع اصطلاحات کے کام ہوتے رہتے ہیں۔ انجمن نے ایک "تعلیمی لغت" مرتب کرنے کا آغاز کیا جو اس کے رسالے "تعلیمات" میں قسط وار شائع ہونے لگی۔ بعد ازاں اس کام میں سائنٹفک سوسائٹی نے بھی تعاون کیا اور بالآخر مقتدرہ قومی زبان کراچی نے اس لغت کی تدوین کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ "تعلیمی لغت" مرتب ہو گئی۔

اگرچہ ان سب تنظیموں نے اصطلاحات سازی کے سلسلے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اردو زبان کو وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے لیکن اس کے باوجود ان تنظیموں اور اداروں کے اصطلاحات سازی کے سلسلے میں کیے گئے کام کو مجتمع کرنے اور وضع کردہ اصطلاحات میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے ایک ایسے مرکزی ادارے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے جو ان تنظیموں کے درمیان باہم ارتباط پیدا کرے اور ان تنظیموں اور اداروں کی تیار کردہ اصطلاحات کو جمع کرے اور ان تنظیموں کے نمائندگان سے باہمی بحث و تمحیص کے بعد قابلِ قبول اصطلاحوں کو یکجا کر کے شائع کروانے کا اہتمام کرے۔

موجودہ حکومت نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو عنانِ اقتدار سنبھالتے ہی عوام کے اندر قومی تشخص کے خوابیدہ جذبے کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور ان کے دلوں میں قومی یک جہتی، قومی لباس اور قومی کردار کی اہمیت و ضرورت کا احساس پیدا کیا اور یہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کا اس کے تشخص کے حوالے سے ہی مقام متعین ہوتا ہے لہذا اسی قومی تشخص کے احیاء کے پیشِ نظر موجودہ حکومت نے قومی زبان کو اختیار کرنے اور اسے ملک کے تمام سرکاری محکموں اور دفتروں میں رائج کرنے کے لیے

"مقتدرہ قومی زبان" قائم کی۔ مقتدرہ قومی زبان نے اردو ادب کی ترویج و ترقی کے لیے کام کرنے والے تمام اداروں میں باہم ارتباط پیدا کرنے اور اصطلاحات کا ازسرنو جائزہ لینے کا کام شروع کر دیا ہے تاکہ تمام اداروں کی وضع کردہ اصطلاحات میں یکسانیت پیدا کی جا سکے۔ اور انہیں دفتری اور سرکاری سطح پر استعمال کے قابل بنایا جا سکے۔

ترجمہ

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

اُردو اصطلاح سازی اور عربی فارسی الفاظ

دفتری زبان کی اصطلاح سازی کے تعلق میں عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ فارسی عربی کے الفاظ زیادہ استعمال کیے جائیں۔ تو اس سے زبان زیادہ مشکل اور نامانوس ہو جاتی ہے اور ایسے انداز میں ڈھل جاتی ہے جس کی عادت نہیں ہے۔ اس سے مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے، آسانی پیدا نہیں ہوتی۔

دفتری زبان کے سلسلے میں اعتراض بظاہر بہت وقیع معلوم ہوتا ہے اور آسانی سے سمجھ میں بھی آتا ہے، مگر غور طلب یہ ہے کہ اگر انگریزی کے بدلے فارسی عربی الفاظ استعمال کرنے سے زبان کی نامانوسیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مانوس اور مستعمل انگریزی الفاظ باقی رکھے جائیں۔ اس صورت میں زبان تو نہ بدلی گئی۔ صرف رسم الخط میں تبدیلی آئی۔

اس صورت میں سوچنے کی بات یہ ہوگی۔ کہ اگر قومی غیرت اور حمیّت قسم کی کوئی چیز ہوتی ہو، تو اس کا تقاضا کیسے پورا ہوگا اور ملّی تشخص

کا حشر کیا ہوگا! مثلاً انگریزی میں مسز .Mrs مسٹرس کا مخفف ہے۔ جس کے معنی "داشتہ" Keep کے ہیں، تو "مسز" کے مانوس لفظ کی جگہ "بیگم" کا لفظ نامانوس ہو تو مانوس ہونے کی خاطر "مسز" کے ناپسندیدہ مفہوم کی طرف بے حسی پیدا کرنا ضروری ہو جائے گا۔

اگر انگریزی کے ترجمے کے سلسلے میں فارسی کے بجائے ہندی کے الفاظ آسانی کی بنا پر زیادہ پسندیدہ متصور ہوں تو "دیور"، "سالے"، "بہنوئی" کے بجائے "برادر نسبتی" تو فارسی کا لفظ ہوگا۔ اس لیے ہندی ہی الفاظ باقی رکھے جانے کو ترجیح دی جائے گی۔ مگر تعدد "زوج" کی روایت کے حوالے سے "دیور" تو دوسرا شوہر متصور ہوگا۔ سالا اور بہنوئی تو گالی متصور ہوں گے۔

اگر گورنز کے بجائے "والی" نامانوس متصور ہو تو اپنی زبان کا افلاس مسلّم ہوگا۔ اگر اس کا محرک "انگریزیت" ہی نہیں ہے اصطلاحات کے ترجمے میں یہ بھی سوچنا ہوگا۔ بعض اصطلاحات کے سلسلے میں نوعیت اور کمیت کے درمیان امتیاز سے صرفِ نظر کرنا لازم آئے گا۔ مثلاً ایک لفظ Value ہے اس کا ترجمہ "قدر" کہا جائے تو "قدر" نوعی حیثیت کے بجائے صرف "مقداری" حیثیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا بدل "فضیلت" ہے اور جمع "فضائل" ہے جو سب قسم کی Value کے لیے مستعمل ہے۔ Moral Value کے لیے مکارم اور Aesthetic Value کے لیے "محاسن" اور قابلِ ستائش صفات کے لیے "محامد" کا لفظ استعمال کریں گے۔

اب Value (فضیلت) کی دو حیثیتیں ہیں ایک Intrinsic بالذات فضیلت یعنی مقصود ہونے کی حیثیت سے اپنی ذات میں قابلِ قدر

اور دوسری Extrinsic Value بالغیر فضیلت۔ یعنی ذریعہ ہونے کی بنا پر قابل قبول اور اصطلاح کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک لفظ پورے مفہوم کو ادا کرے۔

تمام علوم خواہ دینی ہوں یا لادینی اور تمام عمرانی اور ثقافتی فضائل اپنی اپنی اصطلاحوں میں بند ہیں۔ اگر حجر اسود عربی ہونے کی وجہ سے مشکل محسوس ہو تو ہندی میں تو "کالا پتھر" ہی رہ جائے گا۔ اور عربی کے ساتھ اس کا سارا تقدس بھی ختم ہو جائے گا۔

ہماری تہذیب اور ہمارے معاشرتی آداب تو عربی فارسی کے بغیر فنا ہو جائیں گے۔ مثلاً خود کو چھینک آئے تو "الحمدللہ" دوسرے کو آئے تو "یرحمک اللہ" کوئی خوبی سامنے آئے تو "ماشاءاللہ" کسی کو رخصت کرنا ہو تو "فی امان اللہ" یہ سب عربی الفاظ ہیں۔ ان کی مخالفت کی تہہ میں ایک معاندانہ نظریاتی تضاد بھی کارفرما ہے جس کی نگہداری شدت سے درکار ہے۔

آسانی پر بہت زیادہ اصرار سے اعلیٰ علمی سطح پر انگریزی ہی ذریعہ علم متصور ہوگی اور عربی فارسی اصطلاحات کا انجام پاکستان سے علم کو ملک بدر کرنے ہی پر ہوگا۔

اگر عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد پر اصرار نہ رہے تو بہائم کے مجموعہ کو حیات اجتماعی تصور کرنا لازم آئے گا۔ اور انگریزیت کی پیروی میں حیات اجتماعی میں وحدت کے شعور کی بنیاد جغرافیہ ہی متصور ہو تو شعوری سطح پر اسلام کی "آلائش" سے زندگی کو بچانا ہی مقصود رہ جائے گا۔

اگر فرقہ پرستی کے تریاق کی حیثیت سے "اسلام" کے بجائے سیکولرازم ہی کو ترجیح دی جائے اور عربی فارسی کے الفاظ زیادہ بوجھل محسوس ہوں اور ان کی جگہ

ہندی اور انگریزی ہی کو ترجیح دی جائے اور قومی زبان کو علاقائی زبانوں کا حریف تصور کیا جائے تو "آزادی" اور ایک علیحدہ ریاست کا جو مطالبہ پورا کرایا گیا تھا اس سے سجدۂ سہو ہی لازم آئے گا۔

پروفیسر افضل علوی

اصطلاحات کا اردو ترجمہ اور اس کے لسانی تقاضے

جہاں یہ امر خاصا مایوس کن ہے کہ بار بار کے اعلانات کے باوجود سرکاری دفاتر
میں اردو کو ابھی تک نہیں اپنایا گیا وہاں یہ امر خاصا اطمینان بخش اور خوش آئند ہے
کہ حکومت کی سرپرستی میں دفتری و فنی اصطلاحات کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں کیا
جا رہا ہے اور اس سلسلے میں نمایاں پیش رفت ہو چکی ہے اور اب تک بہت سی
انگریزی مصطلحات کا ترجمہ کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب
دفتری اور بعض دیگر علمی و فنی نوعیت کی تمام مصطلحات کا ترجمہ مکمل صورت میں قوم
کے سامنے آ جائے گا اور یوں اردو کو دفتری سطح پر اپنائے جانے کے اعلانات پر
عمل درآمد کے سلسلے میں بعض بااختیار عناصر کی طرف سے جو ایک چیز رکاوٹ کے
طور پر پیش کی جاتی ہے وہ دور ہو جائے گی اور یوں قوم کو ایک ایسی بدیسی زبان کی
بالادستی سے نجات مل جائے گی جس کی وجہ سے دفاتر میں انگریزی میں کم دسترس

کے حامل اہل کاروں کو نہ صرف اپنے مافی الضمیر کو صحیح طرح بیان کرنے میں دقت پیش آتی ہے بلکہ ان کے کام نپٹانے کی رفتار و صلاحیت پر بھی خاصے مایوس کن اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ہمارے خواندہ یا نیم خواندہ عوام کو جو اس وجہ سے دقت ہوتی ہے وہ تو محتاج بیان یا وضاحت ہی نہیں ۔ وہ دن قوم کی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل ہو گا جس دن بیک جنبش قلم تمام دفتری اور قومی امور و معاملات قومی زبان اردو میں سرانجام پائیں گے۔

لیکن اس سلسلے میں انگریزی کی دفتری مصطلحات سے چھٹکارا پانے اور اس کے لیے ان کا اردو میں ترجمہ کرنے کے عمل سے توازن اور اعتدال کی روش کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جانا چاہیے ۔ اور اس خصوص میں یہ بنیادی نکتہ ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ دنیا کی مختلف تہذیبوں کے تال میل سے ان تہذیبوں کی ترجمانی و نمائندہ زبانوں کا باہمی طور پر اثر پذیر ہونا اور ایک دوسرے ذخیرہ الفاظ سے استفادہ کرنا ایک قدرتی اور فطرتی عمل ہے اور دنیا کی کوئی بھی زبان باہمی اثر پذیری اور استفادہ کے اس فطری امر سے محفوظ نہیں رہ سکی ۔

خود انگریزی زبان جس کی بالادستی کے ہم شاکی ہیں اپنے رومن فاتحین کی زبان لاطینی اور یونانی کے لیے بے شمار الفاظ یا ان کے اشتقاقات سمیٹے ہوئے ہے اور آج اگر ان کو انگریزی سے نکال دیا جائے تو اس کے سرمایہ لغت میں حیرت انگیز کمی واقع ہو جائے گی ۔ ایسے ہی بہت سے فرانسیسی الفاظ ہیں یا تو جوں کے توں یا پھر بادنیٰ تغیر انگریزی زبان کا جزو بنے ہوئے ہیں ۔ اور تو اور برصغیر ہند و پاک کی اس "فاتح" زبان نے اردو کے بھی بہت سے الفاظ کو لعینہٖ اپنایا ہے جیسے "بازار"، "جنگل" وغیرہ ۔

مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں بجا طور پر لکھا ہے کہ انگریزی میں تمام دنیا کی زبانوں سے الفاظ لیے گئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ کسی لفظ کو بھی اس کی اصل صورت میں قائم نہیں رکھا (اور زندہ قومیں ایسے تصرفات کیا ہی کرتی ہیں) مثلاً "خلیفہ"، "مخزن"، "نواب"، "قطن"، "امیر البحر"، "عثمان"، "فردوس"، "مینارہ"، "سپاہی"، "کاروان"، "قرمزی" کہ یہ عربی اور انگریزی میں "کیلف" "میگزین"، "نیبوب"، "سپوئے"، "ایڈمرل"، "کیروان"، "پیراڈائز"، "منارٹ" "کرمسن" بن گئے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زندہ زبانیں اپنی وسعت و ثمر آوری کے لیے باہمی داد و ستد کی روش اختیار کرنے پر مجبور ہیں اور یہ ایک ایسا فطری عمل ہے کہ جس کو روکنے کے نتیجہ میں زبان کی صحیح نشو و نما اور بالیدگی کا سلسلہ رک جاتا ہے اور مطالب و مفاہیم کی ادائیگی کے لیے ترقی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں اور بھرپور قسم کے ابلاغ و اظہار میں دقتیں اور دشواریاں پیش آنے لگتی ہیں خود اردو نے اس فطری عمل کو نہ اپنایا ہوتا اور عربی فارسی، برج بھاشا، سنسکرت اور انگریزی زبانوں کے سیکڑوں الفاظ کو اپنا جزو نہ بنایا ہوتا تو آج اس کا اپنا دامن لسانی نقطہ نظر سے کم مائیگی کا منہ بولتا اشتہار ہوتا جس میں جدید خیالات و نظریات اور ایجادات کے بیان و اظہار کے لیے موزوں الفاظ نہ ملتے لیکن اس کے برعکس اردو نے اخذ و اقتباس کے معاملہ میں حد سے زیادہ فراخ دلی کی روش اپنا کر اپنے دامن کو اتنا وسیع کر لیا ہے کہ آج وہ دنیا کی بڑی سے بڑی زبان سے آنکھ ملانے کی جرأت رکھتی ہے اور ہر طرح کے دقیق سے دقیق مطالب کو بیان کرنے کی صلاحیت۔

انگریزی الفاظ کو اردو زبان نے اپنے لسانی تار و پود میں یوں سمویا اور یوں رچایا بسایا ہے کہ ان میں اکثریت پر ذرا گمان نہیں گزرتا کہ وہ انگریزی زبان سے لیے گئے ہیں یا وہ بنے ہی اردو کے اپنے خمیر سے ہیں۔

چنانچہ کیمرہ، سٹیشن، موٹر کار، ریلوے، ریل، ٹیلی فون، ریڈیو، کالج، یونیورسٹی، پرنسپل، پروفیسر، انجینئر، انسپکٹر، کلاس، کلرک، گلاس، ہیڈ کلرک، ڈاکٹر، ہسپتال، سنٹر، سوسائٹی، سپرنٹنڈنٹ، گورنر، پولیس، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، چیئرمین، ٹرانسپورٹ، ٹائپ، ٹائپ رائٹر، ٹائپسٹ، ڈرائیور بریک، مشینری، سٹینوگرافر، لالٹین، رجسٹرڈ وغیرہ سینکڑوں الفاظ ہیں جو انگریزی ہونے ہوتے بھی اب انگریزی نہیں لگتے اور ہمارے ہاں کا ان پڑھ سے ان پڑھ شخص ان کو ادا کرنے پر قادر اور ان کے مفہوم سے آشنا ہے۔ اب اگر دفتری اور فنی مصطلحات کا ترجمہ کرتے ہوئے ایسے کثیر الاستعمال الفاظ کا بھی فارسی یا عربی نعم البدل ڈھونڈنے اور رائج کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ ایک طرح سے تکلیف بالالیطاق اور اردو کے ساتھ نادان دوستی ہوگی۔

ان گزارشات کی شاید ضرورت پیش نہ آتی اگر پنجاب یونیورسٹی کے سینٹ کے بجٹ اجلاس میں (جو گزشتہ سال ہوا اور جس میں یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اردو میں بجٹ پیش کیا گیا تھا) بعض دفتری اصطلاحات کے اردو ترجمہ میں کلرک کے لیے لفظ محرر اور ہیڈ کلرک کے لیے لفظ "محرر اعلیٰ" استعمال نہ کیا گیا ہوتا۔ راقم کو ایک ایک لفظ کے ترجمہ پر جو ہماری زبان اور تہذیب و معاشرت کی فضا میں خوب رچ بس گیا تھا خاصا تعجب بھی ہوا اور تاسف بھی۔ اور یہ تعجب و تاسف اس لیے بھی ہوا کہ محرر کا لفظ ہمارے ہاں

ایک اور اہل کار کے لیے مخصوص و مستعمل چلا آرہا ہے جو محصول چونگی پر کام کرتا ہے اور یوں کلرک کے لیے محرر کا ترجمہ کرنے سے زبان کی وسعت میں کمی کے ساتھ ساتھ ایک لسانی الجھاؤ بھی پیدا ہوا تھا۔ میں نے اپنے اس تعجب اور ذہنی الجھن کا اظہار دفتری و فنی مصطلحات کا ترجمہ کرنے والے بورڈ کے ایک نہایت ہی فاضل رکن سے جب کیا اور کہا کہ یہ روش تو خواہ مخواہ لسانی الجھاؤ پیدا کرنے کا سبب بن جائے گی اور ویسے بھی زبان کو محدود کر کے رکھ دے گی۔ آخر ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اب :

"ڈی سی، ایس۔پی۔ پولیس، سرٹیفکیٹ، انسپکٹر، پریکٹس، فیس، مجسٹریٹ، ٹائپسٹ، سٹینوگرافر، سیکرٹری بورڈ، ریڈیو، سائیکل، راکٹ وغیرہ جیسے مروجہ، مانوس اور اردو زبان میں رچے بسے الفاظ و اسماء کے نامانوس تراجم ڈھونڈتے پھریں اور یوں اردو لغت کی وسعت میں رکاوٹ کھڑی کریں۔"

تو انہوں نے اس فقیر سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"نہیں ہمیں اس قبیل کے تمام الفاظ و اسماء کے ترجمے کرنے چاہییں کیوں کہ یہ ایک غیر ملکی تہذیب کے نمائندے ہیں۔"

حالانکہ دنیا کی ہر زبان میں دوسری تہذیبوں کے نمائندہ الفاظ موجود ہیں۔ اور موجود رہیں گے یہاں تک کہ جرمن جو اپنی زبان کو خالص رکھنے کا بہت اہتمام رکھتے ہیں وہ اپنی زبان میں ریڈیو، ٹیلی فون اور بعض دوسری ایجادات کے مترادفات رکھنے

کے باوجود ان انگریزی ناموں کو ترجیح دیتے اور استعمال کرتے ہیں۔ (بادنیٰ تغیرو تصرف جیسے ریڈیو کو راڈیو) اور صرف اس لیے کہ سہل التلفظ اور بہتر اور مختصر ہیں۔ مگر میں نے ان فاضل رکن سے بحث کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ میرے بزرگ تھے، تاہم مجھے ان کی اس بات سے اندازہ ہوگیا کہ اب اردو میں انتہائی طور پر مروجہ الفاظ بھی بورڈ کے شوقِ ترجمہ کی زد میں ہیں۔

دفتری و فنی مصطلحات کا ترجمہ کرنے والے صاحبانِ علم و فن سے راقم کی عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ کسی انگریزی اصطلاح کا ترجمہ صرف اس لیے نہ کریں کہ اگر وہ اس کا نعم البدل نہیں دیتے تو ان کی لسانی مہارت و قدرت پر حرف آئے گا۔ بلکہ یہ دیکھیں کہ اس کا مترادف کیا اس سے بہتر، آسان اور سہل التلفظ بھی ہے اور کیا اس سے ابلاغ و اظہار کا تقاضا اتنا ہی پورا ہوتا ہے جتنا کہ انگریزی کے اس لفظ سے جو اب اردو کا حصہ بن گیا ہے اور اس معاملہ میں غیر ملکی تہذیب سے الرجک نہ ہوں۔ وہ یہ چند "معصوم" اور "بے زبان" الفاظ نہیں جو اظہار و بیان کے سلسلہ میں ہماری خدمت کرتے ہیں بلکہ وہ باتیں اور ہیں اور ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہم ابھی تک ذہنی طور پر غلام ہیں اور ایک غیر ملکی تہذیب کی بالا دستی کو عملاً اور قلباً تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ مثلاً انگریزی کا دفتری سطح پر اب تک استعمال۔ سکولوں میں عربی، فارسی کے فاضل اساتذہ سے انگریزی کے اساتذہ کے منصب اور تنخواہ کا زیادہ ہونا۔ اعلیٰ سروسز کے لیے امتحان میں انگریزی کا ذریعہ اظہار ہونا اور ہمارے بعض وہ طور و اطوار ہیں جو صریحاً ہمارے معاشرہ سے لگاؤ نہیں کھاتے۔ اس حقیقت

سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دفتری و فنی مصطلحات کے ترجمہ میں ہمیں ایک معتدل اور متوازن مزاج کے ساتھ کام کرنا چاہیے کہ اس معاملہ میں انتہا پسندی لسانی الجھاؤ کا باعث تو بنے گی سلجھاؤ اور "بناؤ" کا نہیں۔

○

عطش درانی

اطلاقی علوم میں اصطلاح سازی کے مسائل

اردو میں اصطلاح سازی کے مسائل پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ دہلی کالج سے لے کر مقتدرہ قومی زبان تک اصطلاح سازی کا ڈیڑھ سو سالہ ذخیرہ اور اصول سازی کا ایک بڑا پلندہ موجود ہے۔ سید حسین بلگرامی، ڈاکٹر محمد شائق، مولوی کرامت حسین، مولوی وحید الدین سلیم، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری، مولوی عبدالحق میجر آفتاب حسن، ڈاکٹر سید عبداللہ، سید عابد علی عابد، ڈاکٹر سلیم فارانی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اور ڈاکٹر وحید قریشی تک اہل دانش کا ایک طویل سلسلہ اصطلاح سازی کے اصولوں کی بنیادیں استوار کرتا نظر آتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی، فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی، انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بیورو، مجلس زبان دفتری اور مقتدرہ قومی زبان ان اصولوں کے تاریخی مباحث میں پیش پیش رہے ہیں۔

وضع اصطلاحات کی اصول سازی کی یہ ساری کاوشیں آج تک عمومی اور موضوعی نقطۂ نظر کی حامل رہی ہیں۔ انہیں خصوصی میدانوں، موضوعات اور مضامین کے لحاظ سے اور معروضی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش پہلی بار کی جا رہی ہے۔ یقیناً سماجی علوم میں اصطلاح سازی کے مسائل طبعی علوم اصطلاح کے مسائل سے مختلف ہوں گے۔ دفتری اور قانونی اصطلاحات کے امور فنی، پیشہ وارانہ اور اطلاقی علوم سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہوں گے۔ آج تک اصطلاح سازی کی تمام تر کوششیں عمومی یا بنیادی علوم سے متعلق رہیں۔ اکا دکا مجموعے خصوصی موضوعاتی اصطلاحات سے متعلق بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ سماجی اور تعلیمی علوم میں کل بیس لغات اصطلاحات شائع ہوتے ہیں۔ سائنسی علوم میں بھی تعداد کم و بیش یہی ہے۔ فنی و پیشہ وارانہ لغات صرف سات ہیں۔ قانونی اور دفتری لغات البتہ ۲۵ سے زائد ہیں۔ طبی لغات بارہ تیرہ کے قریب ہیں۔ اطلاقی علوم میں چونکہ ہم نے زراعت، موسمیات، مسافت اور بیطاری کو بھی طب، نفسیات اور پیشوں کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں، اس لیے سائنسی لغات کی تعداد اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ زراعت پر ابھی تک دو لغات سامنے آئے ہیں۔ مسافت اور نفسیات پر تین، موسمیات پر ایک۔ بیطاری پر ایک اور عسکری اصطلاحات پر ایک لغت موجود ہے ارضیات، پٹرولیم، فلزیات، کمپیوٹر سائنس، طیرانیات، فن تعمیر اور دیگر جدید ترین علوم و فنون پر باقاعدہ لغات موجود نہیں ہیں۔

اطلاقی علوم میں زیادہ بڑے میدان زراعت، طب، انجینئری اور نفسیات کے ہیں۔ ان علوم میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا کم و بیش حصہ بنیادی علوم [illegible] طبیعیات میں حیاتیات، حیوانیات اور علم کیمیا کی اصطلاحات سامنے [illegible] اور نفسیات میں طبیعیات، ریاضی، شماریات، فلکیات اور

علم کیمیا کی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ زراعت میں حیاتیات، حیوانیات، نباتیات، علم کیمیا، انجینئری، معاشیات اور عمرانیات کی اصطلاحوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ بیطاری اور ارضیات میں حیوانیات اور جغرافیہ اور علم کیمیا کی اصطلاحوں کا چلن عام ہے۔ چنانچہ اطلاقی علوم کے زیادہ تر مسائل وہی ہیں جو بنیادی علوم (سائنسی اصطلاحات) کے ہیں۔

جہاں تک چند مخصوص اصطلاحات کا تعلق ہے، طب میں ادویہ، امراض، تشریح الاعضا کی اصطلاحیں انفرادیت رکھتی ہیں۔ انجینئری میں بعض کلیے، تصورات پرزوں اور آلات کے نام، عملی تشریحات، نقشے، ڈیزائن وغیرہ اور لغیات میں پیشوں کے نام، اوزاروں اور آلات کے نام، عملی تشریحات، افعال اور تصورات اور زراعت میں کھیتی باڑی کے مسائل، آلات کے نام اور استعمالات وغیرہ بنیادی علوم سے قدرے مختلف ہو سکتے ہیں۔

اطلاقی علوم میں اصطلاح سازی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انگریزی اصطلاحات اور ان کے تراجم یا ان سے وضع کردہ اصطلاحات ہمارے ثقافتی ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتیں۔ یہ بات نہیں کہ ہمارے ثقافتی ورثہ میں پہلے سے اصطلاحات موجود نہیں۔ گلیڈون، شیکسپیئر، ایلیٹ، ولسن، ڈاکٹر ہنچن سن، فیلن اور پلیٹس کے عمومی، موضوعات لغات اور انجمن ترقی اردو کے لغاتِ اصطلاحات پیشہ وراں وغیرہ ایسی ہزاروں لاکھوں اصطلاحات کا ذخیرہ رکھتے ہیں، جو انگریزی کے غلبے سے پہلے ہمارے فن کاروں، طبیبوں، ماہرینِ تعمیرات، زرعی کارکنوں پیشہ وروں اور دیگر اطلاقی علوم کے ماہرین اور مستریوں کے ہاں مستعمل ہے۔ مگر ماحول کا ہے۔ ہمارے جدید اور اعلیٰ ماہرین، انگریزی پڑھ کر آتے ہیں۔ مقامی

مستریوں، مکینکوں، راج مزدوروں، دواسازوں، کسانوں، اور عام تکنیکی کارکنوں نے انہی سے سن سن کر، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ان انگریزی اصطلاحوں کو توڑ مروڑ کر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ٹانکا، پیچ بنا اور پھر پنچ ہو کر رہ گیا۔ ساتھ ساتھ ان کی انہی اصطلاحیں اور الفاظ جاری رہے مگر ماحول اس قدر بدل گیا۔ ثقافتی تناظر اور رویے اتنے قبیح صورت ہو گئے کہ ہمارے یہ پیشہ ورانہ، صنعتی، طبی اور فنیاتی الفاظ رخصت ہو گئے اور ان کی جگہ انگریزی کے مسخ اور بھدے الفاظ رہ گئے۔ اردو میں پخ لگانا محاورے کا حصہ بن گیا مگر اس کے معانی جو معماری میں ستون کے پتھر کے پہلو تراشنے کے لیے، نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو زبان میں لکھنے والے الفاظ و اصطلاحات کے اس ورثے سے ناآشنا رہے۔ فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر جدید اور آسان اردو نے ہم سے ہمارا یہ علمی ورثہ بھی چھین لیا اور جب ایک مصنف طب کی کتاب کا ترجمہ کرنے بیٹھا تو اس نے Flower of Sulpher کا ترجمہ گل گندھک کیا، جو ہمارے ورثے میں "گوگرد مُصَفّٰا" ہے ایک معروف ادیب نے Horse Shoe Arch کا ترجمہ "نعل اسپ عراب" کر دیا جو ہمارے ورثے میں "گھر نعل" کے نام سے چلا آرہا ہے۔

آج ہم محض خلا میں نہیں کھڑے۔ ہمارے پاس یہ اصطلاحی ورثہ بھی موجود ہے، انگریزی اصطلاحات بھی ہیں، "نئے ترجمے" بھی ہیں اور سوچ کے نئے انداز بھی ہیں۔ آج ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ اس ورثے کو کیوں کر محفوظ رکھا جائے اور اس سے استفادے کی صورت کیا ہے۔ مقتدرہ قومی زبان نے ولسن کی گلاسری شائع کر دی ہے مگر ضرورت ہے کہ اس میں موجود مشرقی اصطلاحات کو اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو متبادلات کی صورت میں پیش کیا جائے اس ذخیرے میں

ایلیٹ، فیلن اور پلیٹس کے لغات سے بھی الفاظ کو نکال کر شامل کیا جائے۔ انجمن ترقیٔ اردو نے دس جلدوں میں کوئی دوسو علوم اور پیشوں کی بیس ہزار کے قریب مستعمل اردو اصطلاحات جمع کر دی ہیں۔ ان پر محنت صرف ہوئی ہے۔ تحفظ کا مسئلہ حل ہوا ہے۔ مگر ان کے استعمالات کا مسئلہ ابھی باقی ہے۔ ان میں تمام اصطلاحات اور ان کا مفہوم اردو میں دیا گیا ہے۔ اشاریہ بھی اردو میں ہے اور ہمارا مسئلہ انگریزی سے ہے۔ اگر اشاریہ میں انگریزی مترادفات بھی دے دیے جائیں تو جدید فنیات کے اصطلاح سازوں کو اس سے استفادے کا موقع مل جائے گا۔ تجویز یہ ہے کہ ان اصطلاحاتِ پیشہ وراں کی ایک جلد انگریزی۔ اردو / اردو انگریزی مترادفات کی بھی شائع کی جائے۔

صرف یہی نہیں بلکہ ایک اور ثقافتی مسئلہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ مغلیہ دور سے لے کر کلکتہ اور دہلی کی تہذیبوں تک موجود ان الفاظ اور اصطلاحات میں بعض ایسے ہیں۔ جن کا چلن اور رواج آج ویسے ہی ختم ہو گیا ہے۔ اجازت نامہ یا اجازی آج لائسنس اور سرٹیفکیٹ میں بدل گیا ہے۔ شفا خانے ختم ہو چکے ہیں، ہسپتال وجود میں آ گئے ہیں۔ آج مطبخ نہیں کچن کا لفظ عام ہے یا بہت سادہ کہہ لیں تو باورچی خانہ ہے۔ طبیب ڈاکٹر کا قائم مقام نہیں۔ یہ الفاظ بطور مثال ہی نہیں ثقافتی تبدیلی کی علامتوں کے طور سے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کون سی انگریزی اصطلاحوں کا اردو مترادف ضروری ہے اور ہمارا ثقافتی تناظر اور ماحول انہیں کہاں تک قبول کرتا ہے، نیز قدیم ذخیرے میں سے اب کون سا جزو ہمارے لیے قابلِ قبول ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اصطلاح سازی کے وقت قدیم اور جدید ذخیرے کو مترادف کے طور پر استعمال کیا جائے۔ قدیم ذخیرۂ الفاظ کو من وعن لیا جائے یا اس کے بعض الفاظ کو نئے معانی پہنائے جائیں؟۔ قدیم اصطلاحات کو نئے معانی [illegible]

حدود کیا ہوں؟ کیا واقعی ہسپتال کا ترجمہ شفاخانہ کیا جائے؟ عربی اور فارسی سے استفادے کی حدود کیا ہوں؟ اگر شفاخانے کا مفہوم قدیم ہو گیا تو کیا فارسی سے بیمارستان کا لفظ لے لیا جائے یا ہسپتال ہی کو قبول کر لیا جائے۔ کیا قدیم الفاظ کو نئے معنی اپنانے کے لیے ہمارے پاس کوئی دلالت وصفی موجود ہے؟ کیا تشبیہ استعارہ، کنایہ مجازی معانی یا استعمال کا محل موجود ہے یا نہیں؟ کیا قدیم مفرد اصطلاحیں بجنسہ رہنے دی جائیں یا نئے ثقافتی پس منظر میں انہیں نئے معانی پہنائے جائیں یا سرے سے ترک کر دیا جائے؟ ان سوالوں کا جواب ایک واضح پالیسی طلب کرتا ہے۔

بنیادی اور اطلاقی علوم میں ایک اور مسئلہ بڑا الجھیر ہے اور وہ ہے عالمی یا بین الاقوامی اصطلاحات کا مسئلہ۔ کچھ عرصہ پہلے تو یہ الفاظ یقیناً اہل دانش کے لیے بڑے مرعوب کن رہے ہیں کہ عالمی اصطلاحات کو سائنسی اور اطلاقی علوم میں بجنسہ ہی رہنے دیا جائے۔ خصوصاً کیمیا کی علامتوں، عناصر، پودوں اور حیوانوں کے ناموں اور ریاضی کی علامتوں کے سلسلہ میں بڑی لے دے ہوتی رہی ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ کیمیا میں عناصر کی علامتوں کو جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ حیوانات میں آرڈر، جینس، سپیشز کے لاطینی ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے۔ اشیا اور ادویات کے ناموں کا ترجمہ بھی نہ کیا جائے۔ کیمیا میں پہلے سے موجود نام اردو ہی میں رہیں البتہ مرکبات کے نام انگریزی ہی میں برقرار رہیں۔ ریاضی کی علامات کو نہ بدلا جائے اردو میں مروج اصطلاحوں کو نہ چھیڑا جائے۔ مثلاً وہ آسان ہوں یا کارکنوں کی زبان پر چڑھ چکی ہوں۔ یا پہلی بار اپنے نئے ناموں کے ساتھ ہماری ثقافت میں داخل ہوئی ہوں۔ یعنی مانوس ہو چکی ہوں۔ مگر بات پھر وہیں پر پہنچتی

ہے کہ کن اصطلاحوں کو من وعن قبول کیا جائے اور ان کا ترجمہ نہ کیا جائے؟ کیا ان کی فہرست بنالی گئی ہے؟ کیمیا میں خصوصاً بعض نام اور عمل اردو میں بھی جانے پہچانے جاتے ہیں ان کا کیا کیا جائے لوہے کو آئرن لکھا جائے یا فیرس۔ اور کیا سفید لوہے کو فیرس سلفیٹ کہا جائے۔ آکسائڈ کو بھی تکسید کہا جائے یا آکسیجانا۔ سٹین کے لیے ہمارے پاس زنگ کا لفظ موجود ہے کیا سٹین لیس سٹیل کو بے زنگ فولاد کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ طب میں ان الفاظ کا کیا کیا جائے جو قدیم یونانی اور رومی دیومالا سے اخذ کیے گئے تھے۔ انہیں اردو کا ثقافتی ماحول کہاں تک گوارا کرے گا۔

ہم دنیا کی دیگر ترقی یافتہ قوموں کا حوالہ دیتے نہیں تھکتے۔ انہوں نے تو عالمی اصطلاحات کا بکھیڑا نہیں پالا۔ جرمنوں نے نائٹروجن کو سٹک سٹا کہا ہے اور البیومن کو ای ویز کا نام دیا ہے۔ جاپانیوں نے کم و بیش یہی کیا ہے ہائیڈروجن کو سوئی سو (عنصر آب) کہہ دیا ہے، کاربن کو ٹین سو (عنصر کوئلہ) اشتقاقی الفاظ مثلاً کاربو ہائیڈریٹ کو ٹین سوئی کوابٹسو (آب، کوئلہ ملی اشیا) کہہ دیا ہے۔ روسیوں نے بھی یہی کیا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ انگریزی اصطلاحات کا بکھیڑا پال رہے ہیں۔

اردو میں اس کی آسان صورتیں موجود ہیں۔ طبی اور کیمیائی اصطلاحات کے سلسلے میں ایک کتاب "منافع الاعضا" از حکیم خواجہ رضوان احمد کا حوالہ ناگزیر ہے۔ اس میں ایسے بہت سے مترادفات دیے گئے ہیں۔ آیوڈین کے لیے بنفش، امیبا کے لیے بدلو، نائٹروجن کے لیے شورین، گلیسرین کے لیے حلوین، کاربن کے لیے فحمین، آکسیجن کے لیے حمضین کاربن ڈائی آکسائڈ کے لیے حامض فحمین

وضع کی گئی ہیں۔ اپنے سیاق و سباق میں ان کا استعمال برمحل اور خوب نظر آتا ہے۔ طب ڈاکٹری، سرجری، کیمیا اور میکانیات و فنیات کے قدیم الفاظ بہت سے جدید عالمی الفاظ کے مقابلے میں ہمارے ہاں رچ بسے ہیں۔ انہیں بھولی بسری یادیں بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیا ایسے الفاظ کو پھر سے زندہ نہ کر لیا جائے؟

اگر "عالمی اصطلاحات" نام کی کوئی چیز موجود ہے اور انہیں "مروج" اور "مانوس" کے حوالے سے زبان میں داخل کیا جائے تو کیا ہر شخص کو یہ اجازت ہے کہ وہ تصنیف و تالیف کے وقت جس لفظ اور اصطلاح کو چاہے تو عالمی کہہ کر اردو میں داخل کرے اور جس کو چاہے کان مروڑ کر نکال دے۔

ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ اصطلاح آسان ہونی چاہیے جب بعض لوگوں کے نزدیک اصطلاح کہتے ہی مخصوص الفاظ اور ان کے مخصوص معانی کو ہیں کہا جاتا ہے کہ عربی فارسی سے عبارتیں مشکل اور نامانوس ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عربی سے اردو کا علمی رنگ ابھرتا ہے اور فارسی سے شیرینی اور خوب صورتی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے میں عالمی اصطلاح کا مسئلہ اطلاقی عمل میں وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔ خصوصاً طب میں زیادہ تر عربی، فارسی اور یونانی الاصل اصطلاحات اردو میں عام طور سے مل جاتی ہیں۔ کیا ہم اپنے اس تاریخی ورثے کو عالمی اصطلاحوں کے شوق کی نذر کر دیں؟

ہمارے خیال میں قدیم ورثے اور عالمی اصطلاحات کے مسئلے کو جس انداز سے حل کیا جا سکتا ہے، وہ ہے "تاریخی انداز" Historical Approach

اگر ہم اصطلاح کو اس کے تاریخی تناظر میں دیکھیں تو اس کا عمل استعمال میں لا سکیں گے۔

یونانیوں کے بعد عربوں نے اصطلاحی ذخیرے میں اضافہ کیا۔ عربوں کے سنہری دور کے گزرتے ہی لاطینی میں ان اصطلاحات کے ترجمے کر دیے گئے۔ تخلیص کے جس عمل سے ایران میں فارسی زبان گزر رہی ہے۔ اہلِ یورپ نے اس سے لاطینی کو گزارنے کی کوشش کی تھی۔ اگر ان سے ترجمہ نہ ہو سکا تو ابن رشد کو ادیرو اور ابن سینا کو اوی سینا بنا دیا۔ لاطینی سے اطالوی فرانسیسی اور جرمن اور بالآخر اصطلاحی ذخیرہ انگریزی میں منتقل ہوا۔ انگریزی تخلیص کے عمل سے نہ گزری اور ان یورپی زبانوں کے ذخیرہ اصطلاحات کو من و عن قبول کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی کی گھریلو مکھی (فلائی) کا انگریزی اصطلاح میں لاطینی نام "مسکا ڈومسٹیکا" ہی رہا۔ یہ مسئلہ عربی میں بھی پیش آیا تھا۔ یونانی اصطلاحیں معرب کر لی گئیں مثلاً میگنٹ کو مقناطیس۔ مگر ان کے اشتقاقات عربی زبان کے اصول پر وضع کیے گئے مثلاً طبی اصطلاح Purpura کو عربی میں فرفیورا کہا گیا مگر P.Bullora کو عربی میں فرفیورا نفی کہا گیا ان عالمی اصطلاحوں کو اگر تاریخی تناظر سے پرکھ لیا جائے تو ترتیب کچھ یوں ہو سکتی ہے :۔

۱۔ قدیم یونانی اصطلاحات کو بجنسہٖ لیا جائے جس طرح کہ وہ اردو تک پہنچیں۔

۲۔ تعریب اور تفریس حتیٰ کہ تارید کے عمل سے گزر جانے والی اصطلاحات کو بجنسہٖ لیا جائے۔

۳۔ اس کے بعد اگر لاطینی سے انگریزی تک کوئی اضافہ ہوا ہے اور اس کا اردو متبادل موجود نہیں تو اسے قبول کر لیا جائے۔

جہاں تک عام اصطلاحات یعنی آلات اور اوزاروں کے ناموں، عوامل اور
تصورات کی اصطلاحات کا تعلق ہے۔ طب اور فنیات ہر میدان میں ایک وسیع ذخیرہ
ہمارے پاس موجود ہے، وضع کیا جا چکا ہے یا اسے وضع کرنے کے اصول تیار کر لیے
گئے ہیں۔ مسئلہ انہیں استعمال میں لانے کا ہے۔ ہمیں بار بار کہنے کی ضرورت نہیں
سلاخ کا لفظ موجود ہے میور کی بجائے بیرم ، ایکسل کی جگہ دُھرا ، فنشنگ کی
جگہ تکمیل اور ڈرل کی بجائے برما موجود ہے۔

سابقوں اور لاحقوں کے استعمال کا مسئلہ اطلاقی علوم میں خصوصاً طب
میں بہت اہم ہے۔ طب میں ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اصطلاح کن
الفاظ کا مرکب ہے اور کس تناظر میں اس کے مترادفات کیا ہیں۔ مثلاً ایک
لفظ ہے۔ Acro اس کے معانی اور "نہایت، طرف، جار" کے
دیے گئے ہیں۔ طب میں عموماً اس کا سابقہ جوارح سے پڑتا ہے۔ طرف کا
لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ ایک اور مثال زیادہ موزوں ہوگی۔ Dys اس
کے معانی بُرا، فاسد، عسیر، دردناک کے دیے گئے ہیں۔ اسے طب
میں جن الفاظ سے قبل استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے معنی عموماً بد، فتور، نقص
سوء اور خراب کے آئے ہیں۔ مثلاً Dysacousia کو ہم خرابیٔ سماعت
تو کہہ سکتے ہیں مگر فسادِ سماعت نہیں کہا جا سکتا جب کہ Dysaphia
کو نقصِ لمس کہا جائے گا سوءِ لمس نہیں کہا جائے گا مگر Dyspepsia
کو سوءِ ہضم کہا جائے گا، فتورِ ہضم نہیں کہا جا سکتا۔ Dysgeusia
کو فتورِ ذائقہ کہا جا سکتا ہے، نقصِ ذائقہ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح
Dysphasia کو نقصِ تکلم کہا جائے گا سوءِ تکلم کا نام نہیں دیا جائے گا۔

ان مثالوں سے ہماری مراد یہ ہے کہ اطلاقی علوم میں سابقوں اور لاحقوں کا ترجمہ کرتے وقت محلِ استعمال، روزمرہ اور دلالتِ وضعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ اصطلاحیں مفہوم کے قریب رہیں۔ قریب الفہم ہونے کی ایک مثال لفظ میٹلرجی کا ہے۔ اس کا عام ترجمہ دھات کاری کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ میٹل ورک کے لیے موزوں ہے۔ میٹلرجی ایک علم ہے چنانچہ اسے دھاتیات کا نام موزوں ہوگا کہ فلزیات کا نام دیا جائے۔

اصطلاحوں کو اردو قواعد پر وضع کرنے کا مسئلہ بھی اطلاقی علوم میں قابل ذکر ہے۔ مقتدرہ قومی زبان کی ذیلی مجلس اصطلاحات کے سامنے یہ مسئلہ کئی بار آیا۔ اور دتا تریہ کیفی کے اصول بھی سامنے تھے۔ ایک اصطلاح تھی بیٹ ڈاؤن To beat down۔ اس کا موزوں اصطلاحی مترادف نہ مل رہا تھا اس کا مفہوم یہ ہے ہتھوڑے سے آہستہ آہستہ کوٹ کر دیگچی کا پیندا ابھارنا۔ بازار میں یہ کام کرنے والے یعنی دیگیں بنانے والے ٹھٹھیرے کہلاتے ہیں، شیکسپیئر کے ہاں بھی اس کی سند موجود تھی، چنانچہ اصطلاح یہ وضع ہوئی "ٹھٹھیرنا" جو مفہوم کے قریب ترین ہے۔ اسی طرح شیک آؤٹ کا ترجمہ "تھرتھرانا" موزوں ہے۔ لیکن دتا تریہ کیفی کا اپنا اصول بعض اوقات مضحکہ خیز صورت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بجا کہ ابھی تک Explosive کا ترجمہ ہاتھ نہیں آیا لیکن کیفی کا عطا کردہ "بھکڑول" بھی کچھ اچھا نہیں۔

رہا یہ سوال کہ وضع اصطلاحات کا کام کون لوگ انجام دیں۔ اس کا جواب کئی بار سامنے آیا ہے: اس میں علم کے ماہرین اور زبان دان دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔ لیکن کیا اس مجلس میں عام سطح کے پیشہ ور لوگ مثلاً مستری، مکینک، کمپونڈر یا زرعی معاون کو شامل نہ کیا جائے تاکہ وہ مختلف میدانوں میں اصطلاح کے

چلن، مسخ صورت، پیشہ وارانہ اصطلاحات اور اس ثقافتی تناظر سے مجلس کو آگاہ کرسکیں جو عموماً ماہرین اور زبان دانوں کے حیطۂ علم اور مشاہدہ سے باہر رہ جاتا ہے۔

اردو میں مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں خصوصاً ریڈیو، ٹی وی انجینئری، کمپیوٹر سائنس، طباعت وغیرہ پر، ان میں اس بات کا التزام نہیں رکھا جاتا کہ انگریزی اصطلاح کا اردو متبادل کیا دیا جائے بلکہ ہر قسم کے "پروسیس" "فنکشن" اور تصور کو بعینہٖ اردو رسم الخط میں درج کر دیا جاتا ہے جیسے انگرلوبگ، ایجنگ، ہارڈ ننگ، پلیٹنگ وغیرہ۔ ہمارے نزدیک اردو میں تصنیف و تالیف کے اس ابتدائی اور عبوری دور میں بھی اس قسم کی صورت حال کو گوارا نہیں کیا جاسکتا خصوصاً درسی کتب میں یہ صورت حال بہت مخدوش ہے۔ عام قارئین کے لیے تصانیف کی بات تو الگ ہے۔ طلبار کے لیے بھی اگر انگریزی اصطلاح ضروری ہے تو اسے قوسین میں رومن حروف میں لکھ دینا کافی ہوگا۔ اس صورت میں جب کہ اردو میں اس کا مستعمل متبادل موجود ہو، محض انگریزی اصطلاح کو اردو حروف میں لکھنے سے بات نہیں بنتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اطلاقی علوم میں اصطلاحات سازی میں ان امور کو بہرصورت ملحوظ رکھا جائے:۔

۱۔ کون سی انگریزی اصطلاحیں درج اور مقبول یا عالمی ہیں اور ان کے لیے معیار کیسے مقرر کیا گیا ہے؟

۲۔ ان اصطلاحات میں قابلِ ترجیح کون سی ہیں؟

۳۔ ہمارا ثقافتی ماحول اور تناظر انہیں کہاں تک قبول کرتا ہے؟

۴۔ کیا ان کے اردو مترادفات ہمارے ورثے میں موجود ہیں اور ان سے کہاں تک کام چلایا جاسکتا ہے؟

۵۔ کون سے اردو مترادفات قابلِ ترجیح ہیں؟

۶۔ ہمارے ثقافتی ورثے میں یونانی اور عربی کی قدیم اصطلاحیں اور فارسی کی رنگ آمیزی کہاں تک ہمارا ساتھ دیتی ہے؟

۷۔ اہل یورپ نے یونانی، عربی ذخیرے پر لاطینی میں کہاں تک ہاتھ مارے ہیں؟

۸۔ کیا اصطلاحات کی تاریخی اشتقاقی لغت ناگزیر ہے یا اس کے بغیر مجالس اپنا کام چلا سکتی ہیں؟

۹۔ جو اصطلاحات قبول کی گئی ہیں مفہوم میں اپنی وضع کی حد تک کیا دلیل رکھتی ہیں؟ اردو کا مزاج انہیں کہاں تک قبول کرتا ہے۔ کیا وہ قواعد کے مطابق ہیں اور کیا ان کا تلفظ رواں ہے؟

طارق محمود

معاشیات، تجارت اور بینکاری کی اصطلاحات کے مسائل

آج تک اردو میں وضع اصطلاحات کا جتنا کام ہوا ہے اس میں نظری علوم اور اطلاقی علوم کے درمیان فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی تک واضع اصطلاحات کا اولین مقصد یہ تھا کہ تعلیم و تدریس کی زبان ہر سطح پر اردو ہوجائے اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اردو کے نفاذ کی طرف براہِ راست توجہ نہیں تھی۔ خیال یہ تھا اور غلط نہیں تھا کہ تعلیم کے میدان میں اردو نافذ ہوجائے تو باقی میدانوں میں ازخود رائج ہوجائے گی۔ لیکن اس وقت صورت حال ذرا مختلف ہے۔ پہلے تعلیم اور پھر ازخود نفاذ کی جگہ اب زور ہر شعبہ زندگی میں نفاذ پر دیا جارہا ہے۔ اس لیے ضروری ہوگیا ہے کہ نظری علوم کی اصطلاحات وضع کرتے ہوئے دونوں کے دائرہ کار اور حلقۂ اثر کا لحاظ رکھا جائے۔

مجھے مقالے کا جو عنوان دیا گیا ہے اس میں معاشیات، تجارت اور بینکاری تینوں یکجا ہیں۔ معاشیات دوسرے دونوں علوم کے مقابلے میں زیادہ نظری ہے اور

تجارت اور بینکاری خالص اطلاقی علوم ہیں۔ معاشیات جاننے اور برتنے والے کم ہوتے ہیں لیکن تجارت اور بینکاری کی شکل میں اس کے اثرات بھگتنے والی پوری قوم ہوتی ہے۔ پھر ایک بات جو بہت اہم ہے یہ ہے کہ اطلاقی علوم زیادہ تر نظری علوم کی نشو ونما سے پہلے ہی معاشرے میں ایک مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر تجارت اور رقم کا کھیل معاشیات کے قوانین، اصول اور مبادیات وضع کرنے اور سمجھنے کے ضوابط ہزاروں برس پہلے سے رائج ہیں۔ افراط زر سے پہلے زر کا استعمال ہو رہا تھا۔ اسی طرح دھاتوں کی کیمیا اور خواص معلوم ہونے سے قبل زرہیں، تلواریں، ڈھالیں اور برتن وغیرہ بنائے جانے لگے تھے۔ یہ باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نظری علوم کا دائرہ کار اور حلقہ اثر محدود ہوتا ہے ان کو برتنے اور پڑھنے والے اساتذہ، محققین، متخصصین اور طلبہ ہوتے ہیں لیکن اطلاقی علوم سے کہہ وجہہ کا واسطہ پڑتا ہے۔ پروٹون اور میزون کا فرق کتنے لوگ جانتے ہیں؟ البتہ بیٹا میکس (Betamax) اور وی ایچ ایس (VHS) پال (Pal) اور سیکم (Secam) کا فرق لاکھوں جانتے ہیں۔

وضعی اصطلاحات میں نظری اور اطلاقی علوم کے اس فرق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ نظری علوم کی اصطلاحات میں خالص علمی اثرات غالب ہوتے ہیں اور اطلاقی علوم کی اصطلاحات میں علمی سے زیادہ رائج الوقت عام زبان کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ یہ زبان اور حالات کا جبر ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اس فرق کو ہم نے ابھی تک مدنظر نہیں رکھا ہے۔

میرے ادارے یعنی کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمے نے معاشیات، تجارت اور بینک کاری کی ایک فرہنگ شائع کی ہے جس

ہیں کم و بیش پانچ ہزار اصطلاحات ہیں ۔ یہ اصطلاحات وضع کرنے کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی جس میں نو ماہرین مضمون اور ایک ماہر زبان شامل تھے۔ ان ماہرین مضمون میں معاشیات کے پانچ اور کاروباری نظمیات (Business Administration) کے دو ماہرین تھے۔ یہ تمام حضرات یونیورسٹی کے اساتذہ تھے اور ان کا ذہنی مزاج خالص علمی اور تدریسی تھا۔

جس وقت یہ کام ہوا اس وقت تمام تر توجہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے پر مرکوز تھی، اسی لیے وضع اصطلاحات میں رائج الوقت نصاب ہی کی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا تھا اور علمی پہلو پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ماہرین کی جو کمیٹی وضع اصطلاحات کا کام کر رہی تھی اس میں کسی بینک یا تجارتی ادارے کا کوئی نمائندہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔ ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ ابھی تک ہمارے یہاں یونیورسٹیوں میں باہر کی دنیا کے پیشہ وروں سے استفادہ اور اشتراک کا وہ طریقہ رائج نہیں جو بطور خاص جرمنی اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں عرصہ سے رائج ہے۔ چنانچہ اس فرہنگ میں پیشہ ورانہ اصطلاحوں کی کمی ہے، البتہ نصابی ضروریات اس سے ضرور پوری ہو جاتی ہیں۔

آج کل معاشیات اور بینک کاری میں تبدیلی ہو رہی ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جا چکا ہے اور اس کے اثرات معاشیات پر پڑ رہے ہیں۔ بینک کاری کے طریقوں میں تبدیلی آ رہی ہے۔ مثال کے طور پر غیر سودی کھاتے کھولے جا رہے ہیں۔ تجارت کے میدان میں مضاربت کا چرچا ہے۔ ان تبدیلیوں کے زیر اثر ان میدانوں میں نئی اصطلاحوں کا

رائج ہونا لازمی ہے۔ اسلامی معاشی نظام کی اصطلاحیں عربی زبان کی ہیں۔ انگریزی اصطلاحات کے اردو متبادلات وضع کرنے کے ساتھ ہمیں یہ بھی طے کرنا ہے کہ کیا عربی کی اصطلاحیں، جو اب در آئی ہیں، بجنسہٖ قبول کر لی جائیں یا ان کو اردو کا جامہ پہنایا جائے یا ان کے بھی اردو متبادلات وضع کیے جائیں۔

معاشیات آج کل محض بیانیہ مضمون نہیں ہے بلکہ اس میں تجزیاتی (Analytical) اور کمّی (Quantitative) عناصر غالب آ رہے ہیں ریاضی اور شماریات جانے بغیر جدید معاشیات سے عہدہ بر آ نہیں ہوا جا سکتا۔ چنانچہ معاشیات کی اصطلاحوں میں ریاضی اور شماریات، بلکہ کمپیوٹر سائنس اور ان علوم کی ذیلی شاخوں کی اصطلاحیں بھی شامل کرنی چاہئیں یہ کام ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ ریاضیات اور شماریات کی اصطلاحیں وضع ہو چکی ہیں لیکن ان کو ابھی تک معاشیات کی کسی فرہنگ اصطلاحات میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں تجارت و بینک کاری کے ساتھ جدید بیمہ کی اصطلاحیں بھی شامل ہونی چاہئیں۔ فرہنگوں میں اگر کوئی اصطلاح بیمہ کی موجود ہے تو اس لیے کہ وہ تجارت یا بینک کاری یا معاشیات میں بھی موجود ہے، لیکن خالص بیمہ کی اصطلاحیں ابھی تک توجہ طلب ہیں۔

اس ضمن میں ایک اہم واقعہ یہ ہوا تھا کہ پاکستان انشورنس کارپوریشن کی طرف سے ہمیں ایک فرہنگ کا مسودہ بھیجا گیا تھا جس میں بیمہ کی اصطلاحیں تھیں۔ ان میں وہ اصطلاحیں بھی تھیں جو تجارتی بینک کاری معاشیات

میں مشترک تھیں۔ یہ تمام اصطلاحات بیمہ کارپوریشن کے کسی اعلیٰ افسر نے وضع کی تھیں۔ ان سے رابطہ نہ ہو سکا۔ البتہ تعلقات عامہ کے افسران سے جو گفتگو ہوئی اس سے اندازہ ہوا کہ جس افسر نے فرہنگ مرتب کی تھی وہ ہم سے محض مہر تصدیق ثبت کرانا چاہتے تھے اور کسی قیمت پر ـ ـ ـ ـ کسی ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے یہ معاملہ آگے نہ بڑھ سکا حالاں کہ ہم نے اس بات کی بھرپور کوشش کی تھی کہ علماء کے ساتھ ساتھ پیشہ وروں کا تعاون بھی حاصل ہو جائے۔

معاشیات، تجارت اور بینک کاری میں نظمیات کاروبار بھی شامل ہونا چاہیے۔ نظمیات کاروبار میں تجارت اور مالیات کے علاوہ بہت سے دوسرے علوم کی شاخیں بھی اور ذیلی علوم بھی شامل ہیں، جن کی اصطلاحیں وضع ہونا باقی ہیں۔ جب تک یہ کام نہ ہو اس وقت تک عام زندگی میں نفاذ کا کیا ذکر اس مضمون کی تعلیم کے میدان میں بھی اردو کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے تجربات کی روشنی میں معاشیات، تجارت اور بینک کاری کی اصطلاحات وضع کرنے کے مسائل کی جو فہرست مرتب ہوئی ہے وہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ اصطلاحات کی موجودہ فرہنگیں اگرچہ درسی ضروریات ایک سطح تک پوری کرتی ہیں لیکن علمی میدان میں نفاذ اردو کے لیے ناکافی بھی ہیں اور ایک حد تک شاید نامناسب بھی۔

کسی علم کی اصطلاحیں وضع کرتے ہوئے اس مضمون کے پھیلاؤ

اور اطلاق اور اس سے متعلق دیگر ذیلی علوم اور مضامین کو کما حقہ پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

۳۔ وضع اصطلاحات کا کام ابھی تک بیشتر اساتذہ نے کیا ہے اور اس کام میں، خاص طور پر معاشیات، تجارت اور بینک کاری کی اصطلاحیں وضع کرنے میں متعلقہ موضوعات کے پیشہ ور متخصصین شامل نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے بغیر اس کام کی افادیت لازماً محدود ہے۔

۴۔ اردو کے علاوہ علاقائی زبانوں میں کاروباری اور تجارتی اصطلاحیں موجود ہیں۔ ان میں سے متعدد اصطلاحیں ایسی ہیں جو تمام علاقائی زبانوں یا بیشتر علاقائی زبانوں میں مشترک ہیں۔ ان سے استفادہ بھی ضروری ہے۔

آخر میں میں دو ایک تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں :۔

۱۔ معاشیات، تجارت اور بینک کاری کی اصطلاحات میں ترمیم، توسیع اور اضافہ کے لیے ایک کمیٹی مقرر ہو جس میں اساتذہ کے علاوہ ان میدانوں کے پیشہ ور بھی شامل ہوں۔ اس مقصد کے لیے بینکوں اور اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام مقتدرہ قومی زبان اپنی نگرانی میں کرائے۔

۲۔ مختلف علاقائی زبانوں میں جو اصطلاحات رائج ہیں، ان میں سے مشترک یا کسی اور اعتبار سے مناسب اصطلاحات کو بھی اردو کے ذخیرہ اصطلاحات میں شامل کیا جائے۔

۴۔ اصطلاحات مکمل ہو جانے کے ساتھ ہی ضروری ہے کہ زیر بحث موضوعات اور علوم کی امہات الکتب کے اردو تراجم کرائے جائیں۔ یہ کام بھی مقتدرہ قومی زبان کی زیر نگرانی ہو اور اس کے لیے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ سے ہی نہیں بلکہ مختلف اداروں کے افراد سے بھی مدد لی جائے۔

مولوی عبدالحق

اُردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ

میرے علم اور تحقیق میں ہندوستانی زبانوں میں اردو ہی ایک زبان ہے جس میں زمانۂ دراز سے علمی اصطلاحات پر غور و فکر کیا گیا اور مختلف اوقات میں اس کے اصول وضع کیے گئے۔ ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ ہوا جب کہ دہلی کالج میں تمام جدید علوم مثلاً جغرافیہ، تاریخ، نیچرل فلاسفی، ریاضیات، معاشیات، قانون، طبیعیات وغیرہ وغیرہ اردو زبان کے ذریعہ سے پڑھائے جاتے تھے۔ سارے ہندوستان میں صرف یہی کالج تھا جہاں اس پر عمل ہوتا تھا۔ اس وقت کے ماہرینِ تعلیم نے نیز سرکاری رپورٹوں میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ کالج کے مشرقی شعبے کے طلبہ کی قابلیت ان طالب علموں سے کسی طرح کم نہیں جو انگریزی کے ذریعے ان علوم کی تحصیل کرتے ہیں۔ کالج کی مجلسِ ترجمہ نے تخمیناً ڈیڑھ سو کتابوں کا ترجمہ کیا یا کتابیں تالیف کیں۔ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ اصطلاحات کے وضع کرنے کے اصول بھی تجویز [illegible] ان اصول کا مختصر ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہو گا۔

۱ - جب سائنس کے کسی ایسے لفظ کا مترادف اردو میں موجود نہ ہو جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے مثلاً سوڈیم، پوٹے سیم، کلورین وغیرہ، تو وہ بجنسہ اردو میں لے لیا جائے۔ یہی اصول ان القاب و خطابات اور عہدوں کے متعلق بھی اختیار کیا جائے۔ جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔

۲ - جب سائنس کے کسی ایسے لفظ کا ہم معنی اردو لفظ موجود رہے جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے تو اردو لفظ استعمال کیا جائے۔ مثلاً آئرن کے لیے لوہا، سلفر کے لیے گندھک، منسٹر کے لیے وزیر، سمنز Summons کے لیے طلب نامہ۔

۳ - اگر لفظ مرکب ہے اور اس کے دونوں جزء انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا ہم معنی لفظ اردو میں نہیں تو وہ لفظ بجنسہ اردو میں منتقل کر لیا جائے مثلاً ہائیڈروکلورین۔ کیونکہ ہائیڈروجن اور کلورین کے ہم معنی لفظ اردو میں نہیں ہیں ـــــ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پورے انگریزی جملے کو اردو میں لے لیا جائے۔

۴ - اگر لفظ مرکب ہے اور اردو میں اس کا کوئی ہم معنی لفظ نہیں، مگر اس کے ہر دو اجزا کے الگ الگ مترادفات اردو میں موجود ہیں تو یا تو ان دونوں کو ملا کر یا کسی دوسرے مساوی مفہوم کے الفاظ میں ترجمہ کر لیا جائے جیسے کرانولوجی Chronology کا ترجمہ علم زمان ہاؤس آف لارڈز کا کچہری امیروں کی، ہاؤس آف کامنز کا کچہری وکلائے رعایا کی یا صرف کچہری وکلا کی۔

۵ - جب یہ قاعدہ یا قاعدۂ ذیل آسانی سے مطابق نہ ہو تو پھر غیر زبان کا لفظ اردو میں لے لیا جائے۔ جیسے ہائیڈروجن، آکسیجن وغیرہ

۶۔ اگر مرکب لفظ ایسے دو مفرد الفاظ سے بنا ہے جن میں سے ایک کا مترادف اردو میں موجود ہے مگر دوسرے کا مترادف نہیں ہے تو ایک انگریزی اور دوسرے اردو سے مرکب بنا لیا جائے۔

۷۔ بعض لفظ ایسے ہیں جیسے آرڈر Order کلاس، جینس Genus سپیشیز Species جن کے مترادف اگرچہ کسی نہ کسی صورت میں اردو میں پائے جاتے ہیں۔ تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کر لیے جائیں تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ اردو میں اس قبیل کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں۔ اس سے اصل مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ ان الفاظ کے معانی کا امتیاز نیچرل ہسٹری میں بہت اہم ہے۔

۸۔ درختوں کے انواع (یا خاندانوں) کے نام یا تو اس نوع خاندان کے کسی ممتاز فرد کے نام پر رکھے جاتے ہیں یا نوع کے بعض مشترک خواص کی بنا پر نام رکھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی پابندی اردو میں بھی کی جائے۔ اگر یہ زیادہ سہل اور کارآمد ہو کہ ہر نوع (خاندان) کے الگ الگ نام صرف اس کے خاص اور نہایت ممتاز افراد پر رکھے جائیں تو پھر یہی کیا جائے۔

اوپر کے قواعد میں اردو مترادف سے ایسا لفظ مراد ہے جو ملک کے تعلیم یافتہ اور متوسط درجے کے طبقے میں معروف ہے۔ اگر ہماری مشرقی زبانوں کی لغات میں کوئی ہم معنی لفظ نہ ملے اور مولویوں اور پنڈتوں سے پوچھنے کی ضرورت پڑے تو اس سے تو یہ بہتر ہے کہ انگریزی لفظ ہی اختیار کر لیا جائے۔ سائنس کا ترجمہ انگریزی سے کیا جائے گا اس لیے انگریزی الفاظ سے زبان کو بچانا ناممکن ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی

ہدایت کی گئی ہے کہ جہاں تک آسانی سے ممکن ہو انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے۔ جو شخص کسی سائنس کی کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس سائنس پر جو کتابیں اس سے قبل لکھی جا چکی ہیں انہیں مہیا کرے اور جب تک کوئی خاص وجہ نہ ہو انہی الفاظ کے استعمال کرنے کی کوشش کرے جو ان کتابوں میں استعمال کیے گئے ہیں۔ جب کسی انگریزی جملے میں کسی خاص واقعے کی طرف اشارہ ہو جس سے اہل ہند واقف نہ ہوں تو مترجم کو چاہیے کہ حاشیے میں یا مناسب ہو تو متن میں اس کی مختصر طور پر تشریح کرے۔

مترجم کو لفظ بہ لفظ ترجمے کی کبھی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ترجمے میں سب سے بڑی بات اصل مفہوم یعنی جملے کے معنی اور مطلب کو صحیح طور سے ادا کرنا ہے خواہ اس کی ساخت یا طرز ادا کیسی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

کیمسٹری کی اصطلاحات کے متعلق یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ تمام انگریزی اصطلاحی لفظ بہ جنسہ اردو میں لے لینا مناسب ہوگا۔ البتہ جن کیمیائی عناصر کے نام اردو میں موجود ہیں وہ ویسے ہی رہنے دیے جائیں۔ لیکن مرکبات میں انگریزی نام ہی رہیں جیسے ہائیڈرو سلفرک وغیرہ۔ چونکہ اصطلاحی الفاظ کے مادے تعداد میں زیادہ نہیں اس لیے ان کی تفہیم میں کچھ زیادہ مشکل نہ ہوگی۔

نباتات کا ترجمہ بہت کٹھن ہے۔ یورپی مصطلحات کا لفظی ترجمہ بالکل مہمل ہو جائے گا۔ البتہ جو دوسرا طریقہ درختوں کے خاندانوں کے نام رکھنے کا بتایا گیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اور عام طور پر مستعمل ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ یورپ میں کسی خاندان کے نہایت ممتاز افراد وہی نہیں ہوتے جو ہندوستان میں ہیں۔ بہر حال یہ نہایت ضروری ہے کہ کوئی صاحب جو نباتیات کا علم رکھتے ہوں اور اردو بھی خوب جانتے ہوں اس کام کو انجام دیں۔

یہ اصول اس زمانے کے اعتبار سے بہت مناسب اور معقول تھے۔ یہ کالج اگر قائم رہتا تو اردو کی بہت بڑی خدمت کرتا اور یہی سب سے پہلی اردو یونیورسٹی ہوتا۔

اس کے بعد جسے کوئی ستر سال کا عرصہ ہوتا ہے مولوی سید حسین بلگرامی (نواب عماد الملک مرحوم) نے ایک نہایت عالمانہ اور ناقدانہ مقالہ اس موضوع پر لکھا۔ اس مقالے کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ اس زمانے میں حکومت بنگال نے دیسی زبانوں میں طبی رسائل کی تالیف کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ کمیٹی کے دو ارکان نے اپنی تجویزیں پیش کیں۔ ان میں سے ایک اس وقت کے فاضل اور ماہر علم اللسان بابو راجندر لال متر تھے۔ ان کی تجویز کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

"علمی اصطلاحات پر اس سے زیادہ مبسوط بحث پہلے کبھی میری نظر سے نہیں گذری"

دوسرے ملک نامور طبیب مولوی تمیز الدین خان بہادر تھے جنہیں صوبۂ بنگال کی دونوں زبانوں میں علوم تشریح الابدان اور طب کی تعلیم کا بہت بڑا تجربہ تھا۔ تیسری تجویز رائے سوہن لال مہتمم مدارس حلقۂ بہار کی تھی جن کا کلکتہ کی کمیٹی سے کوئی تعلق نہ تھا ان تینوں تجویزوں پر نواب صاحب مرحوم نے بڑی غائر نظر ڈالی ہے اور مفصل تنقید کے بعد وضع اصطلاحات کے متعلق اپنے اصول پیش کیے ہیں۔

بابو راجندر لال متر اصطلاحات کے ترجمہ کرنے کے زبردست حامی تھے۔ لیکن وہ ترجمہ لفظی پابندیوں میں جکڑا ہوا نہ ہو۔ جیسے مکھی پر مکھی ماردی۔ بلکہ اس ترجمے سے ایسے الفاظ پیدا ہونے چاہئیں۔ جو اشیائے مذکورہ کے لیے علامات کا کام دیں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ الفاظ اشیا کا دھندلا تصور ظاہر کریں جو زمانے میں کسی نسل نے غلطی سے ان کے متعلق اپنے ذہن میں قائم کیا تھا جس وجہ سے غلط الفاظ اس کی

زبان میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو گئے۔ اور زمانۂ قدیم سے مستعمل ہونے کے باعث اب تک مروج ہیں۔

بابو صاحب نے اپنے مقصد کے لحاظ سے جملہ الفاظ کو چھ قسموں میں تقسیم کیا اس کا خلاصہ یہ ہے :

پہلی قسم میں زبان کے وہ معمولی الفاظ ہیں جو کبھی کبھی بطور اصطلاحات استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا جائے۔

دوسری قسم کے الفاظ ہیں جامد اسما اور مختلف چیزوں کے نوعی نام شامل ہیں۔ جیسے لیسٹ (خمیر) مالٹ (شعیر منقوع) وغیرہ۔ گو یہ الفاظ نہایت عام فہم ہیں۔ لیکن زیادہ تر ایک خاص فن میں استعمال ہونے کی وجہ سے انہوں نے نیم اصطلاحی شکل اختیار کر لی ہے۔ ان الفاظ کا ترجمہ کیا جائے یا مناسب ترمیم سے انہیں موزوں بنا لیا جائے اور بہ شرط ضرورت ان میں اصلاح کر لی جائے۔

تیسری قسم کے الفاظ سائنس کی اشیا کے غیر اشتقاقی نام ہیں مثلاً کونین ٹیلیریم (دھات)، اسیلینم (دھات)، بردمن (ایک مفرد مائع) وغیرہ۔ ابتدا میں جب یہ الفاظ وضع کیے گئے، تو اکثر حالتوں میں جن چیزوں کے لیے استعمال کیے جاتے تھے ان کی کوئی خاصیت ظاہر کرتے تھے لیکن ان میں سے بہت سے الفاظ کے اشتقاقی معنی عرصۂ دراز سے مفقود ہو گئے اور یہ الفاظ دوسرے درجے کے جامد بن گئے ہیں۔ ان الفاظ کا املا خاص قواعد کی پابندی سے دیسی زبان میں لکھا جائے۔

چوتھی قسم میں نباتات وحیوانات کے مرکب علمی ناموں کا شمار ہے جو ابتدا میں اشتقاقی معنی رکھتے تھے لیکن بہ وجوہ چند در چند ان میں سے اکثر الفاظ کی اب یہ کیفیت نہیں رہی اور اب وہ کسی خاص نوع یا جنس کا نام ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً جونیسیا ایسوکا Jonesia Asoka کوئیس بھکٹی Coius Bhakti وغیرہ۔ لہٰذا گزشتہ اقسام کی طرح یہ بھی جامد اسمار تصور کیے جا سکتے ہیں۔ ان الفاظ کا املا خاص قواعد کی پابندی سے بلا تغیر و تبدل دیسی زبان میں لکھا جائے۔

پانچویں قسم سے مفرد الفاظ کو تعلق ہے جن کے اشتقاقی معنی نہایت صاف وصریح ہوتے ہیں اور صرف اسی حد تک کارآمد ہیں جب کہ سامع پر اپنے اشتقاقی معنی بہ خوبی واضح کر دیں۔ چوں کہ یہ الفاظ صرف علوم وفنون ہی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں خالص اصلاحی سمجھنا چاہیے۔ ان الفاظ کا ترجمہ کیا جائے یا مناسب ترمیم سے انہیں موزوں بنا لیا جائے اور بہ شرط ضرورت ان میں اصلاح کی جائے۔

چھٹی قسم میں وہ مرکب اصطلاحات شامل ہیں جن کا کم از کم ایک اور اکثر حالتوں میں ہر جز کچھ نہ کچھ اشتقاقی معنی ضرور رکھا ہے۔ یہی معنی ان اصطلاحوں کی جان ہوتے ہیں، اور اس شے کی نوعیت معلوم کرنے کی غرض سے جن کے لیے کوئی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے کہ سامع ہر جز کا مطلب بہ خوبی سمجھ لے۔ ان الفاظ کا ترجمہ کیا جائے اور بہ شرط ضرورت ان میں اصلاح کی جائے۔ لیکن آلات کے نام اس سے مستثنا ہیں، ان کا صرف املا ہی دیسی زبان میں لکھا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ :۔

۱ ۔ ان تمام اصطلاحات کا جو اشیاء کی صفات ظاہر کرتی ہیں بغیر استثنا ترجمہ کیا جائے یا ضروری ترمیم سے مفید مطلب بنالیا جائے ۔ لیکن اگر ہندوستانی زبانوں میں مترادف الفاظ نہ ملیں تو مفرد اشیاء کے نام یورپی زبان سے لیے جا سکتے ہیں ۔

۲ ۔ اصطلاحات کے مکمل لغات تیار کیے جائیں جن میں دیسی زبان کے مترادف الفاظ یا ان الفاظ کا املا دیسی زبان میں درج کیا جائے جن کا ترجمہ نہیں کیا گیا ۔

ڈاکٹر تمیز خان اس بات میں تو راجندر لال سے متفق ہیں کہ دیسی زبان کی اصطلاحات اگر مل سکیں تو ضرور اختیار کی جائیں ۔ لیکن نئے الفاظ گھڑنے کے مؤید نہیں ہیں ۔ وہ اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں ۔ دیسی زبانوں میں مترادف الفاظ نہ ملنے کی حالت میں اصطلاحات وضع کرنے کے لیے عربی و سنسکرت سے کام لینے کی بجائے وہ بہتر یہی سمجھتے ہیں کہ مغربی اصطلاحات کو برقرار رکھا جائے ۔ ان کا خیال ہے کہ محض سنسکرت عربی فارسی لفظ کے جاننے سے ہمیں کسی چیز کا اس تصور سے بہتر تصور نہیں ہوسکتا جو اس کے انگریزی ، لاطینی یا یونانی نام سننے اور طالب علم کو یہ بتا دینے سے ہوتا ہے کہ فلاں لفظ فلاں شے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کسی دوسری چیز کے لیے نہیں بولا جاتا ۔

تیسری تجویز رائے سوہن لال منتظم نارمل اسکول پٹنہ کی طرف سے پیش ہوئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ادق اور ثقیل اصطلاحات نکال دی جائیں اور ان کی بجائے عام لوگوں کی بول چال کے لفظ اختیار کر کے سائنس کی تعلیم میں آسانی پیدا کی جائے اور اسے عامۃ الناس کی دست رس میں کر دیا جائے

ان تینوں تجویزوں کے ذکر کے بعد نواب صاحب مرحوم نے ان پر تبصرہ کیا ہے اور ان کے عیب وصواب پر بحث کرنے کے بعد خود وضع اصطلاحات کے اصول قائم کیے ہیں۔

۱۔ مغربی اصطلاحات کو بجنسہٖ قائم رکھ کر انہیں املا کے ایک دقت طلب طریقے کے مطابق دیسی زبانوں میں منتقل کرنا چاہیے، یا

۲۔ اس خزانۂ الفاظ کو جو عربی، فارسی میں مدفون ہے فراخ دستی اور کشادہ دلی سے صرف کر کے ان اصطلاحات کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کرنا چاہیے، یا

۳۔ بعض مغربی اصطلاحات بجنسہٖ قائم رکھنے اور بعض کا ترجمہ کرنے سے ان دونوں طریقوں کو مخلوط کر دینا چاہیے۔

پہلا طریقہ ہرگز قابلِ التفات نہیں اس لیے بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کوئی سمجھ دار ہندوستانی ایک لمحے کے لیے بھی اس سے اتفاق نہیں کرے گا، اور نہ کوئی سمجھ دار یورپین اس کا مؤید ہوگا۔ اس سے ہماری زبان دوغلی ہو جائے گی۔ ہم اس بات کا بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس طریقے پر عمل کرنے سے ہمارے آیندہ پنڈت لاطینی نما ہندوستانی لکھیں گے اور ہندی نما لاطینی بولیں گے۔ اس کا تصور ہی اس قدر مضحکہ خیز اور عجیب وغریب ہے کہ ذہنیات سے اس کو عملیات میں لانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ سوال فی الحقیقت صرف یہ رہ جاتا ہے کہ آیا ہمیں مغربی علوم کی تعلیم بہ واسطۂ انگریزی دینی چاہیے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو سب الفاظ کا املا دیسی حروف میں لکھنے کے طریقے کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا چاہیے۔

اب رہا ترجمے کا سوال۔ اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ اس اصول کو ایک بدیہی صداقت سمجھ کر ہم یہ تسلیم کیے لیتے ہیں کہ ترجمے میں ہمیشہ سادگی، یکسانی اور صحت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان شرائط کو نہایت پابندی کے ساتھ پورا کرنے کے لیے ہمارے طریق عمل کے اصول موضوعہ کیا ہوں اور ہماری رہبری کے لیے کیا قواعد مقرر کیے جائیں۔ اس سوال کا جواب شاید یہ ہو سکتا ہے:۔

۱۔ مفرد اشیاء کے تعبیر کرنے میں مفرد الفاظ کو مرکب الفاظ پر ترجیح دی جائے۔

۲۔ مصطلحات جو اشیائے متذکرہ کی کوئی خاصیت ظاہر کرتی ہیں ان اصطلاحات پر جو کوئی خاصیت ظاہر نہیں کرتیں، مرجح ہیں۔

۳۔ اگر ہندوستانی متعلم کے لیے انگریزی اصطلاح اور اس کے ترجمے میں برابر کا اشکال ہو اور ایک کو دوسرے پر کچھ بھی فوقیت نہ ہو تو یکسانی کی خاطر دیسی اصطلاح کی بجائے انگریزی اصطلاح قائم رکھنی چاہیے۔

۴۔ مرکب اشیاء کے تعبیر کرنے میں مرکب اصطلاحات کو ترجیح دینی چاہیے اور یہ اصطلاحات ایسی ہوں کہ مرکب کے اجزا پر بھی کچھ روشنی ڈال سکیں۔

۵۔ ایک ہی قسم کی چیزوں کو ظاہر کرنے کے لیے ایک ہی قسم کے مرکبات و مشتقات کو مرجع سمجھنا چاہیے۔

۶۔ مروجہ اصطلاحات میں خواہ یورپی ہوں یا ایشیائی کوئی ایسی اصطلاح قائم نہیں رکھنی چاہیے جو کسی شے کی نوعیت یا خاصیت کی نسبت غلط خیال پیدا کرتی ہو۔

یہ قواعد کارآمد اور جامع ہیں لیکن سب سے بڑا اور مشکل مسئلہ یہ ہے کہ ان پر عمل کیونکر ہو، یعنی ان قواعد کی رو سے اصطلاحات بنائی کس طرح جائیں؟ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ قواعد ناکافی ہوں اور شاید ان میں ردوبدل کی ضرورت ہو لیکن ان سے ہمیں اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر ہم ایک قلیل مدت میں اپنی زبان کے لیے وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے مغربی زبانوں کے لیے کرنے میں عمریں صرف ہو گئی ہیں۔ تو ہمارے طریق عمل کی حدود ہونی چاہئیں۔ ہم یہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ہمارا اصول سادگی، یکسانی اور صحت ہونا چاہیے۔ سادگی اور صحت تو شاید پیدا کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہندوستانی زبانوں کی اس کثرت کی صورت میں یکسانی کیونکر پیدا کی جائے گی؟ ہم دور کیوں جائیں خود ہمارے چھوٹے سے صوبے میں اردو اور ہندی کے جھگڑے کا کیا تصفیہ ہوگا؟ کیا ایک صوبے کے لیے ہم دو قسم کی اصطلاحات مقرر کریں؟ اس مشکل کا پورا احساس ان دونوں فضلا میں سے جن کے تبصرے اس رسالے کی اشاعت کے محرک ہیں کسی کو بھی نہیں ہوا۔

○

رشید احمد صدیقی

اصلاحِ زبان و مصطلحاتِ اُردو[1]

خواتین وحضرات :-

میں نہ تو اتنا برخود غلط ہوں کہ آپ نے اس شعبہ کا صدر بنا کر میری جو توقیر بڑھائی ہے اس کا اپنے آپ کو مستحق سمجھوں نہ اتنا بدتمیز ہوں کہ آپ کے اخلاص اور اخلاق کا شکریہ نہ ادا کروں اور اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ خوش ہونے اور فخر کرنے سے باز رہوں۔ میں اور میرے دوسرے رفیقِ کار آپ کے ادارۂ ادبیات اردو کے شکر گزار ہیں اور آپ کے پُرجوش اور جواں ہمت سیکرٹری اور اپنے فاضل اور دیرینہ دوست ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ کے اس جذبے اور ولولے کے دل سے معترف ہیں کہ انھوں نے اردو کے خدمت گزاروں، بہی خواہوں، ادیبوں، شاعروں، معلّموں، اور اخبار نویسوں کو جو ہندوستان کے مختلف اور دور افتادہ گوشوں میں انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے زبان و ادب [illegible] دینے میں معروف

بڑی محبت اور خلوص سے دعوت دی کہ وہ حیدرآباد آکر اپنی کہیں اور دوسروں کی سنیں اور اس طور پر ذہنی ارتباط کا وسیلہ بنیں جو ہماری بڑھتی ہوئی ضروریات کے لیے لازمی ہے اور جس کے لیے شمالی ہند اور جنوبی ہند میں اور زیادہ قرب و یک جہتی پیدا کرنا ہے۔ اس مبارک اور بڑے کام کے آغاز کے لیے حیدرآباد ہی کی سرزمین موزوں تھی۔ حیدرآباد کا اردو کی ترقی میں جو حصہ ہے خصوصاً اس دور میں اس کی وجہ سے اردو کو جو استحکام و منزلت ملی ہے اس میں اس کے عدیم المثال شہریار کو بہت بڑا دخل ہے۔ خسرو دکن کے دوسرے اوصاف سے قطع نظر ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ موصوف سلطان العلوم بھی ہیں۔

چنانچہ مجھے یقین ہے کہ حیدرآباد میں اردو کانگرس کا یہ اجتماع شہریار دکن کے زیر سایہ اور سر صدر اعظم بہادر حیدرآباد کی شرکت سے بہرہ یاب ہو کر اردو کی خدمت کا بڑا اہم اور ممتاز گہوارہ بن جائے گا۔ جس کے ذریعے سے دکن اور ارباب دکن کی ادبی خدمات اور کارنامے بقیہ ہند کے رہنے والوں تک پہنچیں گے اور دونوں کے درمیان رشتۂ اتحاد کو مضبوط کرتے رہیں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کانگرس اردو کے کسی ادارہ کی حریف نہ ثابت ہو گی بلکہ دوسرے اداروں سے اشتراکِ عمل کر کے اردو کی خدمت کا جو حق ہم سب پر عائد ہوتا ہے اسے ادا کرے گی۔ اردو کا کام اتنا پھیل چکا ہے اور کاموں کی نوعیت اتنی مختلف ہے کہ اب یہ صرف کسی ایک ادارہ کے بس کا نہیں رہا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ ہم اردو کے لیے ہر طرح اور ہر طرف سے ایک ہی منزلِ مقصود کو سامنے رکھ کر اپنی اپنی بساط کے موافق کام کریں۔ ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنیں، اپنوں پر نکتہ چینی کم کریں اور مدد زیادہ کریں یہ وقت کا تقاضا ہے ہم اسے پورا نہ کر سکے تو یہ ہمارا قصور ہوگا۔

حضرات ـــــ

اس شعبہ کی صدارت تفویض فرما کر آپ نے یقیناً اس امر کا اظہار کیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی خدمات کو آپ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ زبان و ادب کی خدمات یقیناً ایک سے زیادہ طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔ ایسا کرنا بھی چاہیے اور ہر طریقہ اپنی جگہ پر مفید اور مستحسن ہو سکتا ہے۔ البتہ سب سے زیادہ غیر مفید اور نامستحسن وہ طریقہ ہے جس سے اردو کی خدمت کرنے والوں کی رسوائی کی جاتی ہو آیئے اس سے بچیں اور بچائیں بھی۔ اردو کانگرس کا ایک کام یہ بھی ہوگا۔

حضرات!

اردو زبان کی اصلاح کا مسئلہ جب کبھی معرض بحث میں آئے گا۔ علی گڑھ کی خدمات ارباب نظر کے سامنے بار بار آئیں گی۔ سرسید اور ان کے رفقائے ادب نے اردو کو جس طرح بچایا، بڑھایا، سلجھایا اور سنوارا وہ اردو زبان کے معمولی سے معمولی طالب علم کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں یہاں اردو کے معمولی طالب علم ہی نہیں، جیّد علماء بھی موجود ہیں۔ اس لیے اس مسئلہ کی تفصیل و تشریح پر ناوقت صرف کرنا بے محل ہے۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ اردو کو ملک کی مقبول و موقر زبان بنانے میں علی گڑھ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بے مثل ہیں۔ علی گڑھ کو درمیان سے نکال دیجیے۔ اس وقت آپ اندازہ کر سکیں گے کہ اردو کی ترقی کے سلسلہ کی یہ کڑی کیا درجہ رکھتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ علی گڑھ کے علاوہ کسی اور نے اردو کی قابل قدر خدمات انجام نہیں دی ہیں۔ لکھنؤ، کلکتہ، دہلی، لاہور اور حیدر آباد اردو کی اصلاح و ترقی کی شاہراہ پر بہت بڑے اور اہم نشانات منزل ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ علی گڑھ نے ہماری زبان کی حمایت اور اس کی ترقی و تہذیب جس زمانے میں جن

حالات کے ماتحت جتنا کچھ جس دانشمندی اور سرفروشی کے ساتھ کیا اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن۔

حضرات!

خود علی گڑھ کو علی گڑھ بنانے میں جو حصہ حیدر آباد کا رہا ہے وہ قوم اور ملک میں ہمیشہ فخر و مسرت کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ علی گڑھ کی آبیاری جس عثمان ساگر سے ہوتی رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ حیدر آباد نے بڑے اہم اور نازک مواقع پر اول سے آخر تک علی گڑھ کی بیش بہا مدد کی ہے۔ اور ہمارے لیے یہ بھی کچھ کم موجب افتخار نہیں کہ جو امانت علی گڑھ کو حیدر آباد سے ملی اس کی سپاس گزاری میں علی گڑھ نے حیدر آباد کو ایسے فرزندانِ معنوی دیے جنھوں نے حیدر آباد کا نام اونچا کرنے اور رکھنے میں تن من دھن سے کبھی دریغ نہ کیا۔ حیدر آباد میں علی گڑھ کے طلبائے قدیم حیدر آباد اور علی گڑھ کے باہمی ربط و رشتہ کی بڑی پاکیزہ اور دل کش مثال و یادگار رہیں۔

حضرات!

بے موقع نہ ہوگا اگر میں یہاں بھی یہ عرض کردوں کہ مسلمان حکمرانوں بالخصوص مغلوں نے ہندوستان کے ساتھ جو کچھ اور جیسا سلوک کیا اس سے قطع نظر انھوں نے ہندوستان کو تین ایسے نوادر بخشے ہیں جس کی مثال کچھ اور نہیں تو گزشتہ چند صدیوں میں نظر نہیں آتی یعنی تاج محل، اردو اور غالب اور معنوی اعتبار سے یہ تینوں ایک ہیں۔ ہندوستان کی سرزمین کے لیے ان سے بہتر و حسین تر تاریخی تحفہ یا یادگار اور کیا ہوسکتی ہے۔ زبانوں کا وہ تاج محل یا تاج محلوں کی وہ زبان جسے اردو کہتے ہیں۔ آج ہندو مسلمانوں میں جھگڑے کا گھر بن گئی ہے۔ اسے میں بدنصیبی نہیں بدمذاقی سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک یہ بدمذاقی بدنصیبی سے زیادہ منحوس

علامت ہے۔ میں علم الاقوام کا طالب علم نہیں ہوں کہ تقدیر اُمم پر رائے دے سکوں لیکن طالب علم ضرور ہوں اسس بنا، پر کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی نجات انہی اصولوں کی بنا، پر ہو گی جن پر اردو کی بنیاد ہو گی۔ اردو اور تاج محل دونوں میں تخیل کی رفعت، نظر کی وسعت و جامعیت اور ترصیع کی نزاکت ملتی ہے۔ یہی باتیں آج ہماری زندگی سے مفقود ہیں۔ ہندو مسلمان اردو ہی کے راستہ سے یک جہت ہوئے تھے اور یہ اردو ہی سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے کہ آج ہم دونوں ایک سنسان، پرخطر، بے راہ اور بے آب و گیاہ وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

حضرات!

اگر آپ ان تلازموں سے اکتا نہ گئے ہوں تو میں ان کو تھوڑی دیر تک اور قائم رکھوں۔ آج ہم سب اس شعبہ میں اردو کی اصلاح کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اردو کی اصلاح کا وہ انجام نہ ہو جو تاج محل کی اصلاح و مرمت کے سلسلہ میں حال میں پیش آیا تھا۔ کچھ دن ہوئے تاج محل کی مرمت یا حفاظت کے لیے اس کے اردگرد بانس بلیوں کی پاڑھ باندھی گئی۔ بانس بلیوں کا یہ مہیب جنگل عرصہ تک قائم رہا اور معلوم یہ ہونے لگا گویا یہ پاڑھ بجائے خود تاج محل کا ایک جزو ہے چنانچہ

"حبابے خاستہ از بحر کافور"

کے بجائے یہ پیکر جمیل، ہزاروں، لاکھوں دیو پیکر چھپکلیوں یا ممیوں کے نرغہ میں نظر آنے لگا۔ کوئی پوچھتا کہ یہ کیا ہے؟ تو بتاتے تاج محل کی خاطر ہے۔ پھر سوال کرتا کہ یہ خاطر آخر کب تک رہے گی تو جواب ملتا لاکھوں روپے بہت ساری محنت اور طویل مدت اس پر صرف ہوئی ہے ان کو دور کرنے میں اس سے زیادہ صرفہ ہو گا۔ اس لیے مسئلہ زیر غور ہے۔ جرأت کر کے دبی زبان سے کوئی کہتا کہ

اصلاح و تحفظ کے مسئلہ کا کیا حشر ہوا ؟ تو جواب میں فرماتے :

انہی بانس بلیوں میں یہ غریب بھی کہیں سر بگریباں
مل جائے گا۔

چنانچہ میری استدعا ہے کہ اردو کی اصلاح میں تاج محل کی اصلاح و تحفظ کا یہ اصول نہ برتنا چاہیے۔ یہ بات میں نے شاعروں اور لیڈروں جیسی نہیں کہی ہے اردو کے اردگرد اس قسم کی پاڑھ بندھ چکی ہے اور اب بھی جہاں تہاں اس کے آثار ملتے ہیں۔

حضرات !

زبانیں تخلیق نہیں کی جا سکتیں لیکن ان کی اصلاح ضرور کی جا سکتی ہے۔ تخلیقِ زبان ایک فطری امر ہے۔ اصلاحِ زبان کی ضرورت اس کے فوراً بعد محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں زبان سدھار کی تحریک آج کی بات نہیں ہے۔ ہماری زبان کا معیار کب قائم ہوا یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب ولی، منجہ۔ ہور۔ سون۔ کہیا وغیرہ بولتے ہوئے دکن سے دہلی وارد ہوئے تو دلی والوں کو ان کا لب و لہجہ اجنبی سا معلوم ہوا۔ اجنبیت کا یہ احساس اس بات کی دلیل ہو سکتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں ترقی زبان کی رفتار تیز تھی۔ شمال میں اس وقت تک زبان کا معیار مقرر ہو چکا تھا۔ اصلاحِ زبان کی تحریک معاصرین ولی کے زمانہ سے شروع ہو جاتی ہے۔

شمالی ہند میں اس کے پہلے علمبردار شاہ حاتم ہیں۔ شاہ حاتم کے سامنے کسی چیز کے بچاؤ کا سوال نہ تھا۔ ان کو صرف نئی اور بڑھتی ہوئی ضروریات کے لیے کچھ قاعدے مرتب کرنے تھے۔ وہ شاعری کی زبان کو قواعد کا بہت زیادہ [illegible] تھے۔ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ دلی کا شاعر فن کا دلدادہ کبھی نہ

ہو سکا۔ لیکن شاہ حاتم کے بتائے ہوئے اصولوں پر اردو شاعری پھلی پھولی۔ اور اس کی زبان میں زندگی، حرارت اور تازگی آئی۔ اصلاحِ زبان کی دوسری تحریک ناسخ کی ہے۔ ان کے زمانے تک ہماری شاعری فارسی سے بہت کچھ حاصل کر چکی تھی مگر ہندی الفاظ، علامات، دیو مالا، مترادکات کو آنکھ سے بالکل اوجھل بھی نہ کر سکی تھی۔ لکھنؤ کا شاعر دہلی کے شاعر کے مقابلے میں فن برائے فن کا زیادہ دلدادہ تھا۔ اس سے فن کو فائدہ بھی پہنچا، اس کا وقار بڑھا، اس کی حیثیت سوسائٹی میں بلند ہوئی اور شاعری فن شریف کہلائی۔ ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لکھنؤ کے شاعر نے اپنی معیاری شاعری کے اردگرد جو حصار کھینچا اس کی وجہ سے اچھی اچھی چیزیں ٹکسال باہر ہو گئیں۔ یہ میں مانتا ہوں کہ تذکیر و تانیث، متردکات، فصاحت وسقم اور زبان کا معیار مقرر کرنا ضروری تھا۔ لیکن میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اس معیار میں سختی زیادہ تھی وسعت بہت کم۔

میر امن دہلی کے تھے۔ رجب علی سرور لکھنؤ کے۔ دونوں کی زبان دیکھیے تو ان کے مراتب کا فرق واضح ہو جائے گا۔ ناسخ کے زمانے میں انگریزی کا اثر ہندوستان پر شروع ہو چکا تھا۔ ناسخ اس سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس لیے غدر کے بعد ہمارے ہاں اصلاحِ زبان کی ایک تیسری تحریک وجود میں آئی۔ اس میں سرسید، حالی، آزاد سب کے سب شریک تھے۔ یہاں ادبی انقلاب سے بحث نہیں لسانی انقلاب کا ذکر ہے۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں نے نثر کی اہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے انگریزی کے بعض الفاظ کے استعمال کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن [illegible] دیا۔ تہذیب الاخلاق میں ایک جگہ انہوں نے کیمیا کے بجائے کیمسٹری کو ترجیح [illegible] ہے۔ اس معاملہ میں آج بہت سے ایسے ملیں گے جو سرسید سے [illegible]

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان سب سے پہلے ایک مغربی زبان سے اسی طرح روشناس ہوئی ۔ دہلی کالج والوں نے سائنس کے ترجموں کے جو قاعدے مقرر کیے تھے ان میں خاصی لچک تھی ۔ ہائیڈرو کلورک تیزاب کو انھوں نے جائز قرار دیا تھا ۔ کچہری ڈائرکٹروں کی ان کے نزدیک صحیح ترجمہ تھا ۔ لیکن اصلاح زبان کی کوئی منظم تحریک اب تک بروئے کار نہ آئی تھی ۔

حضرات !

اب صورت حال مختلف ہے ۔ زمانے کی جولان گاہ وسیع ہوگئی ہے ۔ لسانی مسائل میں نئی الجھنیں پیدا ہو چکی ہیں ۔ اس عام بیداری اور بدلتے ہوئے معیاروں کے دور میں زبان کی بقا اور اس کے سدھار کے مسائل ایک مرتبہ پھر زیرِ غور ہیں ۔ اس موقع پر میں یہ بات صاف اور کھلے الفاظ میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علمی ادبی اور بول چال ہر قسم کی اردو کا ایک خاص معیار متعین ہو چکا ہے چنانچہ ہم اصلاحِ زبان کے ذریعہ خواہ مخواہ نہ تو ہندوستانی کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہندی والوں سے زبردستی کا کوئی سمجھوتا ۔ ہم کو نہایت جرأت کے ساتھ اپنی زبان کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھ کر اس کی کسوٹی پر کھرے کھوٹے کی تمیز کرنا چاہیے ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زبان کی یہ کسوٹی ہے کیا ۔ یہ کسوٹی کھڑی بولی ہے ۔ وہ بولی جو دلّی اور اس کے اطراف میں آج بھی بولی جاتی ہے شاید آپ کو یاد ہوگا کہ مسلمانوں کی فتح دلی کے وقت اس بولی کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔ لیکن یہ خیال رہے میں نے حیثیت کہا ہے ۔ شیرانی کی طرح اس کے وجود سے انکار نہیں کیا ہے ۔ پنجابی اور برج بھاشا کی طرح کھڑی بولی بھی اس وقت

جیتی جاگتی زبان تھی۔ البتہ اس زمانے میں برج بھاشا کا بول بالا تھا۔ مسلمانوں کے زیر سایہ کھڑی بولی اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی۔ اور برج کی گدی پر قابض ہوگئی صدیوں کی کشمکش کے بعد سلطنت کے آخری دور میں اس کا اپنا معیار متعین ہوگیا۔ معیاری بولی بنتے ہی اس پر سے برج اور پنجابی دونوں کے اثرات زائل ہونے لگتے ہیں۔ اس میں پنجابی کا کرخت اور برج بھاشا کا شیریں لہجہ دونوں گھل مل جاتے ہیں۔ اصلاح زبان کا تخیل اس وقت سے پیدا ہونے لگتا ہے۔ جب ایک طرف بدل لُٹّا اور گڈی کے بجائے بادل، لوٹا اور گاڑی کہا جانے لگا اور دوسری طرف جوری، لری اور لرائی کی جگہ جوڑی، لڑی اور لڑائی استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ اردو زبان میں اصلاح کے لیے اس کھڑی بولی کی صرف و نحو کو کسوٹی ماننے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اس کے صوتی اصولوں پر لفظوں کو پرکھنا چاہیے اور اسی بنا پر پراکرت کے لفظوں کو سنسکرت کے الفاظ پر ترجیح دینا مناسب ہے۔ اسی طرح عربی اور فارسی کے وہی الفاظ قابل قبول ہوں گے جو اس کا جز و بدن بن سکیں اور ظاہر ہے کہ جو الفاظ گھل مل گئے ہیں ان کو کسی طرح علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضرات!

اردو ایک مخلوط زبان ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خود اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ اردو کی پیدائش میں ارتقائی کیفیتوں سے زیادہ انقلابی کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔۔۔۔ یہ لسانی ارتقار کی اتنی آئینہ دار نہیں ہے جتنی ایک انقلابی عہد کی یادگار ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا یہ عربی، فارسی الفاظ محاوروں، ترکیبوں اور گرامر کا بیشتر حصہ ہضم کر چکی ہے۔ ا

جب میں نے یہ کہا تھا کہ اردو کا اپنا معیار مقرر ہو چکا ہے تو میرے ذہن میں یہی بات تھی۔ میں ہضم شدہ حصوں کو اگلنے یا اگلوانے کا قائل نہیں۔ تراش خراش کے عمل کے ساتھ عربی، فارسی گرامر کا کچھ حصہ کھڑی بولی کی گرامر کا جزو لاینفک رہے گا۔ اور اسی مقام پر ہم سے ہندی والے مفاہمت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ شاید یہ بات آپ دلچسپی سے سنیں کہ انشا کی مشہور و معروف تصنیف "رانی کیتکی کی کہانی" جس میں بقول مصنف :

"ہندی چھٹ دوسری بولی کی پٹ نہ آنے
پاوے۔"

ہندی ادیبوں کے نزدیک ان کی زبان کا نمونہ نہیں ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ اس کے اکثر جملوں کی ساخت فارسی کے نحوی قاعدوں پر ہے۔ اردو سے جس طرح ہم ہندی عنصر علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح عربی فارسی کے عناصر کو بھی نہیں نکال سکتے۔ ہم چاہیں تو اسے آسان، جدید اور عام فہم بنا سکتے ہیں۔ ہم کو ایسا کرنا بھی چاہیے مگر ہم اسے اردو سے بدل کر کچھ اور بنانے پر تیار نہیں ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی سے لے کر فسانۂ عجائب کی زبان تک اردو اسالیب کے بہت سے ہلکے اور گہرے رنگ ملتے ہیں۔ یہ سب ہمارے ہیں۔ ہم ان کو یک قلم کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ ان اسالیب کی کثرت میں ایک ارتقائی وحدت بھی ملتی ہے۔ ہم داخل خارج کے اصول پر بھی کاربند رہے ہیں۔ زبانوں کے میل جول سے اسالیب کا بدلنا فطری امر ہے۔ فارسی عربی اور ہندی کے اثر کے بعد اب انگریزی اثر کی کارفرمائی ہے۔ اردو کے لیے یہ بات اندیشہ ناک نہیں امید افزا ہے۔ انسانی رشتوں کی مانند زبان کے رشتوں میں اپنی پرائی کی [illegible] محض اضافی حیثیت رہتی ہے۔

حضرات!

نامناسب نہ ہوگا اگر میں اس مسئلہ اصلاح ہی کے سلسلہ میں نئی ہندی کے بارے میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ جس کا تذکرہ میں نے انجمن ترقی اردو بستی کی کانفرنس میں حال ہی میں کیا تھا۔ نئی ہندی کے علمبردار جس طرح آنکھ بند کر کے سنسکرت کے ایسے الفاظ بول چال کی زبان میں داخل کرتے جا رہے ہیں جو عوام میں چالو نہیں ہیں اور فارسی عربی کے وہ الفاظ خارج کر رہے ہیں جو عام بول چال میں پیوست ہو گئے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب اسی ہندی کے لکھنے والے سراسیمہ بھی ہو رہے ہیں کہ یہ زبان کتنے دن چلے گی اور کس کے کام آئے گی ان کو اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں سنسکرت کی طرح ان کی ہندی بھی ایک مقدس لیکن مردہ جھیل بن کر نہ رہ جائے۔ بنگالی کا حشر ان کے سامنے ہے۔ جہاں عوام کی زبان ایک ہے اور ادب کی دوسری۔ اس لیے میری گذارش ہے کہ زبان کی اصلاح میں جماعتی تعصب یا سیاسی اقتدار کو دخل نہ دیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ خود زبان کا مزاج اور مطالبہ کیا ہے۔

حضرات!

اصلاح زبان ہی کے سلسلہ میں اردو عروض کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں اس کا تعلق شعر و ادب سے ہے لیکن چونکہ ہمارا قدیم ادب زیادہ تر نظمیات پر مشتمل ہے اس لیے ابتدا میں ہماری زبان اسی پر بنی ڈھلی اور سدھری ہے۔ چنانچہ اصلاح زبان کی جو تحریک ہمیں ابتدا میں ملتی ہے وہ بیشتر متروکات و معائب سخن کی بحث تک محدود ہے ہمارے ہاں غالباً سب سے پہلے عظمت اللہ خاں مرحوم نے عربی عروض اور ہندی پنگل کی بحث چھیڑی ہے۔ ان کی شاعری ایک شدید قسم کے ردعمل کی آئینہ دار ہے۔ ہندی اور عربی عروض کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں لیکن اتنا کہہ دینا بے محل نہ ہوگا کہ تجدد کے جوش میں جیسا کہ ہوتا آیا ہے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ عربی عروض

جگہ پر ایک مکمل اور مقبول فن ہے۔ اردو زبان اس پر پہنچ چکی ہے۔ اس کے بحروں کی شیرینی اور آہنگ کا اعتراف خود ہندی شاعروں نے کیا ہے۔ ان کی روانی اور سبک روی کی داد ہمارا سنگیت دے رہا ہے۔ اس لیے ان کا اخراج کسی طرح مستحسن نہیں۔ البتہ زحافات وغیرہ کے چکر سے نکلنے کے لیے پنگل کے طریقۂ تقطیع کو جو بیک وقت سہل اور سائنٹفک ہے اختیار کرنے میں خواہ مخواہ جھجکنا نہیں چاہیے۔ در اصل یہاں بھی ہم کو بجائے ایک چیز کو اٹل اور ابدی ماننے کے نئی ضروریات کے مطابق اپنی زبان کو ڈھالنے میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے۔ اردو شاعری کو ابھی اور رزمیہ، سماجی، سائنٹفک عصری اور بیدار ہونا ہے۔ لامحالہ اسے نئے نئے اسالیب اختیار کرنے پڑیں گے۔ نیا ذہن اپنے لیے نیا اسلوب تلاش کرے اور آزاد شاعری یا بے قافیہ شاعری کے ذریعہ سے اپنی ترجمانی کرنا چاہے تو ہمیں خلافِ توقع فتویٰ دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

حضرات!

غزل کی صناعی اور جدید نظم کی صناعی میں فرق ہے۔ دونوں کی زبان میں بھی اس اعتبار سے فرق ہو تو آپ آزردہ یا مایوس کیوں ہوں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہر سو میل کے فاصلہ پر شاعری کی زبان بدل دیں۔ لیکن دکن کی شاعری اور شمالی ہند کی شاعری ایک ادبی معیار کی پابندی کرتے ہوئے بھی مقامی خصوصیات کی حامل رہ سکتی ہے اور ہندوستان کی دوسری زبانوں سے بھی بہت کچھ لے سکتی ہے۔ پنجاب کے ایک مشہور افسانہ نگار نے ایک جگہ لکھا ہے کہ وہ شروع میں ہندی اور پنجابی میں لکھا کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو اپنے خیالات کو وسیع تر حلقہ میں لے جانا چاہیے تو انھوں نے اردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس موقع پر ہم میں سے بہتوں نے دیکھا کہ ایک پنجابی سکھ زبان کے روڑے [illegible] رہا ہے۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ اردو کو پنجاب کے ان پڑھ مگر تندرست

جوانوں کے خون کی حرارت بخش رہا ہے۔ اس کی اردو میں لغزشیں اس لیے نہیں ہیں کہ وہ پنجابی ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اسے لکھنے پڑھنے کے فن پر قدرت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن کیا آپ کو اس میں بھی شبہ ہے کہ اس طرح ہمارے ادب کو کئی بہت اچھے افسانے اور ایک بہت اچھی فضا ملی ہے۔

لیکن حضرات!

یہاں ایک اندیشہ کا بھی اظہار کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ زبان، بیان، تلفظ تذکیر و تانیث، اور اس قبیل کے اور بہت سے نقائص بعض ایسے لکھنے والوں میں ملتے ہیں جو اردو کے مختلف مراکز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں سے بعض میں یہ عصبیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کی غلطیاں بھی صحیح ہیں اس لیے کہ ان کا صوبہ یا مرکز بھی اردو کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بولیاں اور تلفظ مقامی یا صوبہ جاتی ہوسکتی ہیں۔ ادب کی زبان معیاری اور یکساں ہونی چاہیے۔ اس سے اچھی اور صحیح زبان کو استحکام ہوتا ہے جس کے فوائد بے شمار ہیں۔ شاعری کا ایک فیضان یہ بھی ہے کہ زبان کی صحت برقرار رکھتی ہے۔ یہ بات اس طور پر جلد سمجھ میں آ جائے گی کہ وہ آپ ہندوستان کے مختلف حصوں کے شاعر اور ادیبوں کے کلام کا مطالعہ کریں۔ دلی اور میسور کے اردو شعرا کا کلام آپ کو صحتِ زبان کے اعتبار سے یکساں نظر آئے گا۔ آپ میسور کے کسی مشاعرہ میں شرکت کریں تو آپ کو جہاں تک زبان کا تعلق ہے یہ کبھی محسوس نہ ہوگا کہ آپ دلی سے باہر ہیں لیکن پنجاب بہار اور دکن کے نثر نگاروں کی تحریر میں آپ کو بیّن فرق محسوس ہوگا۔ اردو کے غیر ملکی طالب علم کے لیے یہ فرق بڑے تردد کا موجب ہوگا۔ اس لیے میری [illegible] یہ ہے کہ ادبی تحریروں میں مقامی نشیب و فراز کو نہ آنے دینا چاہیے [illegible] میں متنوع شخصیتوں کا اظہار مستحسن [illegible] اردو زبان کی مقامی محدود [illegible]

حضرات!

زبان کی سطح کو ہموار اور بلندی کی طرف مائل رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ معیار کی یکسانیت کو قائم رکھا جائے اور اس کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ ہماری خواتین صحیح اور اچھی اردو بولیں۔ لکھیں اور پڑھیں۔ یہی بات میں اپنے شعرا سے کہوں گا (اگر ان میں سے دونوں یا کوئی ایک باہم دگر کیے جانے پر بظاہر مجھ سے برہم اور دل میں خوش نہ ہوا ہو) دونوں ہماری زبان کے امین رہے ہیں۔ ان کی مدد کے بغیر زبان کی نہ اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ اس کو قبولِ عام نصیب ہو سکتا ہے۔ صحیح اور شیریں تلفظ اور لب و لہجہ پیدائشی ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں بچوں میں شیر مادر ہی کے ساتھ پہنچائی جا سکتی ہیں۔ شعرا سے میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ اپنے کلام میں زندگی اور زمانے کے بے پایاں مسائل کو سلجھائیں اور بتائیں اور آلام حیات کو اس طرح پیش کریں کہ ہم ان سے شرافت اور شجاعت کے ساتھ عہدہ بر آ ہونے پر آمادہ ہوں۔ عورتیں ہمارے لیے بہت کچھ نہیں سب کچھ ہیں۔ لیکن شاعری میں ان کو سب کچھ اپنا بنا لینا کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے۔ ہمارا ادب بحیثیت مجموعی رومانی زیادہ ہے۔ موضوعِ فکر اور طرزِ بیان دونوں کے اعتبار سے اس کو زیادہ مردانہ اور سائنٹفک بنانا ہے۔

حضرات!

اصلاحِ زبان کے سلسلے میں ہم کو بعض مبادیات کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ اول یہ کہ زبان کسی خاص فرقے یا فریہ کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ زبان ورثہ یا ملکیت ہے تمام فرقوں کی جو اسے بولتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ زندگی اور زمانہ زبان کے پابند نہیں بلکہ زبان کو زندگی اور زمانے کے مطالبات اور مقتضیات کا پابند ہونا چاہیے۔

ہم کو الفاظ و اسالیب کی پرستش نہ کرنا چاہیے۔ الفاظ و اسالیب کو اپنا خادم بنانا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ ہم کو دوسری زبانوں کے الفاظ ہی نہیں اسالیب کے اختیار کرنے میں بھی خواہ مخواہ تامل نہ کرنا چاہیے۔ یہ الفاظ اور اسالیب اردو میں اجنبی معلوم ہوں تو مضائقہ نہیں بے تکے اور لاوارث نہ معلوم ہوں۔

حضرات!

اب میں علمی مصطلحات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اردو زبان کے معیار کو ایک دفعہ مقرر کر لینے اور اس کی کسوٹی کو جان لینے کے بعد اصلاح زبان کی طرح وضع اصطلاحات کا مسئلہ بھی منقح ہو جاتا ہے جس طرح اصلاح زبان کی تمام کوششوں میں ہمیں اپنی زبان کی قدرتی بناوٹ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح علمی مصطلحات وضع کرتے وقت بھی اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ وضع اصطلاحات کی جس ڈگر پر آج ہم چل رہے ہیں میرے خیال میں وہ صحیح راستہ ہے اور جو اصول مولوی وحید الدین سلیم مرحوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "وضع اصطلاحات" میں نہایت خوبی اور وضاحت سے درج کر دیے ہیں۔ ہمارے لیے ہمیشہ نشان راہ کا کام دیتے رہیں گے۔ وضع اصطلاحات کے بارے میں عام رائے رہی ہے کہ انگریزی کی مصطلحات علمیہ کے مقابلہ میں اردو کی اپنی اصطلاحیں بنانی چاہییں۔ اور ان کو وضع کرتے وقت ہم کو ہندی، عربی، فارسی ان تمام زبانوں سے مدد لینا چاہیے جو اس کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزی مصطلحات کو اختیار کرنے کے خلاف ہمارے ہاں ایک تعصب ہے۔ دراصل علمی مسائل میں مجھے ہر اس قسم کی تحریک کی طرف سے شبہات پیدا ہوتے ہیں جس کو اٹل اور ابدی زبان بنا کر جزو ایمان بنا لیا جائے جس طرح تالاب میں کنکری پھینک کر دائروں کو پھیلنے سے نہیں روکا جا سکتا اسی طرح دنیا کی [illegible] کو روکنا میرے اور آپ کے بس کی بات نہیں۔ [illegible]

علمی دنیا سے ہے۔ اس لیے اس میں وسیع النظری سے کام لینا چاہیے۔ میرے خیال میں انگریزی مصطلحات علمیہ پر قید و بند عائد کرنا خاص کر ایسی صورت میں جب کہ ہمارے علمی طبقہ کی پہنچ اس حد تک ہے اپنے گرد ایک ایسا خول چڑھانا ہے جسے آئندہ علمی زبان کے تقاضے سے مجبور ہو کر ہم پھر توڑنا چاہیں گے۔

خالص علوم مثلاً سائنس، علم الحساب اور طب جدید وغیرہ کی اکثر و بیشتر اصطلاحیں ہم وہی رکھ سکتے ہیں جو یورپ کی تمام زبانوں میں خفیف تغیر و تبدل کے ساتھ مشترک ہیں۔ بین الاقوامی زبان کا خواب، خواب سہی علوم کی بین الاقوامی اصطلاحات کا دن دور نہیں ہے۔

حضرات!

وضع اصطلاحات کے سلسلے میں اب تک جو کوششیں ہوئی ہیں ان میں ورناکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی دلی اور سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کے علاوہ حال میں دارالترجمہ حیدر آباد انجمن ترقی اردو دہلی، ہندوستانی کمیٹی پٹنہ اور ایک حد تک آل انڈیا ریڈیو دہلی کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ ان کوششوں کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو ان اداروں کی کوششیں ہیں جو اردو ادب کی خدمت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسی نقطہ نظر سے اصطلاحات وضع کر رہے ہیں۔ دوسری وہ مساعی ہیں جو محض اردو کے لیے نہیں بلکہ ایک آسان زبان کو مد نظر رکھ کر کی جا رہی ہیں جو اردو ہندی کو ایک دوسرے سے قریب کر سکے۔ اول الذکر میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دارالترجمہ حیدر آباد، انجمن ترقی اردو ہند کی کوششیں ہیں۔ دوسری میں ہندوستانی کمیٹی پٹنہ، آسان اردو کمیٹی کشمیر، آل انڈیا ریڈیو اور اس قسم کے دوسرے اداروں سے ایک چوک ہوئی اور یہ اس لیے قابل معافی ہے کہ اس سے بچنا

بہت مشکل تھا۔ اول الذکر نے اپنے کام کی نوعیت سے مجبور ہو کر عربی، فارسی سے بیشتر استفادہ کیا۔ دوسری طرف مؤخر الذکر نے بعض مصالح کو نظر میں رکھ کر عجیب و غریب ہندی اور نامانوس سنسکرت الفاظ اور ترکیبوں کو ترجیح دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں مغائرت پیدا ہو گئی اور ایک طور پر اصطلاحات کے جو فوائد ہو سکتے تھے وہ ہاتھ نہ آئے اور وضع اصطلاحات کا مسئلہ جھگڑوں کا چھتا بن گیا۔

حضرات!

اب ہمارے لیے یہ بہتر ہوتا کہ ہم دونوں قسم کے اداروں کی ناکامی سے سبق سیکھیں۔ اس میں شک نہیں کہ اصطلاحات کے وضع کرنے میں ہم کو علمی نقطۂ نظر اور عوام کی ذہنی سطح دونوں کو مد نظر رکھنا پڑے گا۔ یہ تو ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔ لیکن اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ خالص علمی اصطلاحات کو اگر عوام نہ سمجھیں تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے، اور عوام کی اصطلاحات خواص کو نہ بھائیں تو اس کا ماتم بھی نہ کرنا چاہیے۔ البتہ یہ نہ ہونا چاہیے کہ علمی اصطلاحات خود خواص کی سمجھ میں نہ آئیں تو عوام کی اصطلاحات مضحکہ خیز بن جائیں۔ نئی اصطلاحات کے بنانے کے لیے اٹھارویں اور انیسویں صدی کا ذہن نہیں۔ بیسویں صدی کا ذہن درکار ہے جو نہ ہندی کو اچھوت سمجھتا ہے اور نہ خالص عربیت کا مداح ہے۔

حضرات!

میں مہمان ہوں مجھے ایسی بات کرنے یا کہنے میں یقیناً تامل ہوگا جو آپ کی آزردگی کا باعث ہو لیکن ایک عرصہ سے اور ایک بڑے ہی مستند اور موقر علمی ادارے نے میرے سپرد اردو کا کام کر رکھا ہے۔ اس لیے یہ میرا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں جو بات مجھے علمی نقطۂ نظر سے کھٹکے اس سے آپ کو آگاہ کر دوں

حیدر آباد کی بہت سی باتیں حیدر آباد میں ممکن ہے عجیب نہ معلوم ہوں۔ حیدر آباد کے باہر انگشت نمائی کا سبب بن سکتی تھیں۔ اس لیے میں اس امر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ حیدر آباد کو میں اردو کی آبرو سمجھتا ہوں۔ اردو کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانا حیدر آباد کی فضیلتوں میں میرے نزدیک سب سے بڑی فضیلت ہے۔ میرے ہی نزدیک نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے نزدیک جو اردو کو جو ہندوستان کا کارنامہ اور ہندوستان کی زبان بنانا سمجھتے ہیں۔ میں نے حیدر آباد میں اس کثرت سے ایسے اردو کے مترادفات سنے کہ میں بدحواس ہو گیا اور سوچتا ہوں کہ میں کہاں ہوں اور میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ حیدر آباد ایک طور پر ترجمہ آباد بن گیا ہے۔ میں حیدر آباد کو اردو کا مرکز اور اردو کا گہوارہ سمجھتا ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر چیز اردو کا ترجمہ بن جائے۔ اردو کے معنی اردو کا ترجمہ ہرگز نہیں۔ حیدر آباد کو اندھا دھند ترجمے کی دلدل یا بھنور سے نکلنا چاہیے۔ کسی غیر زبان کے مخصوص عام فہم لفظ کا سہل، سبک اور عام فہم اردو ترجمہ نہ ملے تو اس لفظ کو جوں کا توں رکھ دینے میں مضائقہ کیا ہے؟ ستم تو یہ ہے کہ صحیح مترادف موجود ہوتا ہے۔ لیکن غلط اور مضحکہ خیز مفہوم کا مترادف رکھ دیا گیا ہے۔ محض برنائے مثال میں راشن کا لفظ پیش کرتا ہوں۔ کنٹرول یا راشن کا لفظ عام نہیں عالم گیر ہو رہا ہے۔ حیدر آباد میں راشن کے بجائے راتب کا استعمال نہ مہمان کے لیے باعث فخر ہے نہ میزبان کے لیے۔ راشن نہیں منظور ہے تو رسد یا خوراک کے لفظ میں کیا قباحت ہے۔ بازار میں مجھے ایک جگہ سائن بورڈ پر "مخزن الثمرات" لکھا نظر آیا۔ پھل کو عام بول چال میں ثمر یا ثمرات کون بولتا ہے۔ اس کے بجائے "پھلوں کی دکان" کہنے میں کیا ہرج ہے۔ اردو کی نسبت

سے حیدر آباد جغرافیائی حدود سے بھی آزاد ہے اور بلند بھی۔ اس اعتبار سے یہاں کا کوئی قدم ایسا نہ ہونا چاہیے جس کی تقلید کرنے کے بجائے لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے۔ بے تکے اور بے تکان ترجمے کے مضر اثرات عام بول چال سے نکل کر یہاں کی ادبی تحریروں میں بھی سرایت کرنے لگے ہیں۔ اس سے اردو کی فطری ترقی میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی ہے۔ جس کو خود حیدر آباد کے لوگ بھی گوارا کریں گے۔ میری قطعی رائے ہے کہ اس کے لیے ایک مستند کمیٹی بنا دی جائے جو علمی اصطلاحات نہ سہی عام بول چال میں آنے والی اصطلاحات یا مترادفات پر نظر ثانی کرے اور حیدر آباد کو اس مخمصہ سے نجات دلائے۔

حضرات!

زبان کی اصلاح و اصطلاح کے سلسلے میں اب تک جو گفتگو ہوئی وہ ایک طور پر عنوان بحث کے ماتحت ہوئی۔ اب میں آخر میں ایک ضروری لیکن بظاہر غیر متعلق امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اصلاح و اصطلاح کے مسائل فی نفسہٖ ایک علمی بحث کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارا مقصد در اصل یہ ہے کہ کس طرح اردو کو اس کے جائز اور بلند رتبہ پر لایا جائے۔ ایک صورت اصلاح و اصطلاح کی ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ہم اردو کو پیش اس طور پر کریں کہ وہ لوگ جو کسی سبب سے اس کے مخالف ہیں۔ اس کی خوبی اور دل آویزی کے قائل ہو جائیں۔ یہ دونوں صورتیں در اصل ایک ہیں۔

سیاسی جھگڑے یا قومی تعصب زیادہ دن تک قائم نہ رہے گا۔ ہوا بدل کر رہے گی۔ لحاظ یہ رکھنا چاہیے کہ جب ہوا بدلے اس وقت ہماری اردو پیچھے نہ رہ

جائے۔ بھنور میں پھنس جانا تعجب کی بات نہیں بھنور سے نہ نکلنے پر اصرار کرنا اور بھنور کو صحیح فضا سمجھنا بڑی بھاری غلطی اور پست ہمتی ہے، ہم کو کوشش کرنا چاہیے کہ ہماری اردو اتنی اچھی اور خاص و عام کے دلوں کو موہ لینے والی ہو کہ لوگ ہر تعصب یا تکلیف کے مقابلے میں اردو کو اپناتے رہیں۔ بیسویں صدی کی کتنی ایجادیں کتنوں کو بھائیں۔ لیکن ان کے سہل الحصول اور کارآمد ہونے کا بالآخر اتنا اثر ہوا کہ ہم سب ان کے قائل ہو گئے۔ اسی طرح اردو کو لکھنے پڑھنے کی ایسی زبان مفید اور دل پذیر زبان بنائی جائے، اور اس کو اس اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ لوگ اس کو اپنانا فخر سمجھنے لگیں۔ آپ یقین مانیں اردو ایسی ہی زبان ہے۔ کسر صرف اتنی ہے کہ ہم اس کو اچھی طرح اور پورے طور پر پنپنے پھیلنے اور پھولنے پھلنے کا موقع نہیں دیتے۔ میں جانتا ہوں اردو کی خوبیوں کے وہ لوگ بھی دل سے قائل ہیں جو زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے۔ ہم کو اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور جس جس طرح اور جس جس شکل میں اردو سے لوگ آشنا کیے جا سکتے ہیں ان سب کو قبول کرنا چاہیے۔ میں تو اردو کو ہر رسم خط میں دیکھ کر خوش ہوں گا اس لیے کہ ہر رسم الخط والے اردو کو پا کر خوش ہوں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔

حضرات!

اتنا اور ضرور سن لیجیے کہ زبان کی اصلاح و اصطلاح کے مسائل نہ تو عقیدے کی بنا پر حل ہو سکتے ہیں۔ اور نہ کسی از غیبی دھکے سے۔ انہیں عقلی دلائل کے ذریعہ اور زمانہ و زندگی کی مقتضیات کو مدنظر رکھ کر حل کرنا ہوگا۔ میں اس سلسلہ میں آپ کے لیے شمالی ہند سے کوئی چلتا ہوا منتر بھی نہیں لایا ہوں۔ تمام مسائل سر جوڑ

کر سوچنے کے ہیں۔ ان میں تعصب، ہٹ دھرمی اور لاگ لپیٹ کو ذرا بھی دخل نہ ہونا چاہیے۔ قومی زبان کا مسئلہ ہمارے دیگر قومی مسائل کی طرح گرمی سے نہیں روشنی سے حل ہوگا۔

آخر میں میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتوں کو لطف اور سنجیدگی کے ساتھ سنا اور دیر تک سنا۔ عام طور پر آج کل نہ تو ایسا کرتے ہیں اور نہ کرنے دیتے ہیں۔

حواشی

۱۔ کل ہند اردو کانگرس حیدر آباد (دکن) کے تیسرے اجلاس "اصلاحِ زبان و مصطلحات اردو" منعقدہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۴ء کا خطبۂ صدارت۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

اُردو میں وضع اصطلاحات

اردو میں وضع اصطلاحات کا مسئلہ ازبس اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی ترویج و ترقی کا اس مسئلے کے حل پر بہت حد تک دارومدار ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی میں اردو زبان کے مسئلے نے نمایاں کردار ادا کیا تھا، چنانچہ جب ہمارے جداگانہ قومیت کے نظریے کے جواب میں ہندو سیاسی رہنما یہ کہتے تھے کہ مسلم اور ہندو ثقافتیں ایک ہی ہیں تو ہم جواب میں یہ ثابت کرنے کی خاطر کہ اسلامی و برہمنی اصلاً دو جداگانہ ثقافتیں ہیں۔ دینی و تہذیبی دلائل کے ساتھ لسانی دلائل بھی دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی قومی زبان اردو اور ہندوؤں کی قومی زبان ہندی ہے۔ اور زبان اپنی قوم کی ثقافت کی آئینہ دار اور ثقافتی روایات کی امین ہوتی ہے، چونکہ لسانی ارتقا میں علمی و فنی مصطلحات اہم کردار ادا کرتی ہیں، لہذا اردو میں وضع اصطلاحات کے سلسلے کی غیر معمولی اہمیت سے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ ہماری لسانی پسماندگی و بے مایگی کی ایک بنیادی

وجہ یہ ہے کہ ہمیں آزاد ہوئے ساڑھے تین عشرے گزر چکے ہیں، لیکن ہم نے اس مسئلے کو قومی سطح پر حل کرنے کی ابھی تک بھرپور کوشش نہیں کی، جس کے نتیجے میں ایک تو اردو زبان ترقی نہیں کر سکی، دوسرے اس میں حکمران انگریزی زبان کی دفتری، کاروباری، سائنسی اور فنی مصطلحات کی متبادل و مترادف اصطلاحات کی قلت پیدا ہو گئی، لہٰذا ان حضرات کو اسے دفتری، علمی، فنی اور کاروباری، زبان نہ بنانے کا بہانہ ہاتھ آگیا جو اپنی محکومانہ ذہنیت کے سبب انگریزی زبان کی سیادت عمل داری کے دلدادہ ہیں اور اس کی مسند پر اردو کو دیکھنا انہیں گوارا نہیں۔

جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے، وضع اصطلاحات کا مسئلہ جس قدر اہم ہے اسی قدر سہل بھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ زبان جو عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور انگریزی نیز علاقائی زبانوں کے الفاظ و مصطلحات کا ایک کثیر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہے، وضع اصطلاحات کے لیے نہایت موزوں ہے۔ علاوہ بریں، جدید اردو کی اصل عربی ہے، جو اُمّ الالسنہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں قدیم و جدید علوم و فنون کی اصطلاحات کو اپنے مادوں کے سانچوں میں ڈھالنے اور ان کی لفظی و معنوی صورت گری کرنے کی قابلیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے، وقت کا یہ ایک اہم تقاضا ہے کہ اربابِ حل و عقد اور اہلِ علم و نظر سنجیدگی سے اس مسئلے پر اپنی توجہ مرتکز کریں اور وضعِ اصطلاحات کا ایک جامع منصوبہ بنائیں اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اہلِ علم و نظر اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اور حکومت ان کی سرپرستی کرے اور ان کی کفالتِ کلی کا معقول انتظام کرے، نیز انہیں حکام کی بے جا مداخلت اور سرخ فیتے کی ستم رانیوں سے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے تاکہ وہ آزادی اور امن و سلامتی کے ساتھ کام کریں، اور اپنا وقت اور

توانائیاں صرف اُس کام پر صَرف کر سکیں۔

وضع اصطلاحات کی نوعیت دو طرح کی ہے :

ا۔ مترادفاتی اور

ب۔ طبعزادی ۔

ا ۔ مترادفاتی نوعیت کا ایک مطلب یہ ہے کہ دوسری زبانوں کی اصطلاحات کو اپنی زبان میں منتقل کرنا، یعنی اپنے لسانی ذخیرے سے ان کے مترادفات کو ڈھونڈ کر نکالنا اور ان کو احسن طریقے سے استعمال کر کے دکھانا تاکہ محققین مترجمین، طلبا اور اہلِ قلم کو انہیں واضح طور سے سمجھنے اور اپنانے میں کوئی دقت نہ ہو یا کم سے کم دقت ہو۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسری زبانوں کی مصطلحات کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کے لیے موزوں و قریب المعانی الفاظ منتخب کر کے ان کے ایسے مرکبات تیار کرنا، جو صوری و معنوی لحاظ سے موزوں و احسن ہوں۔ ایسا کرنا ہنر ہے اور ہنر چار چیزیں چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ واضعِ اصطلاحات کو اپنی زبان کے علاوہ اس زبان اور مضمون پر بھی عبور حاصل ہو، جس کی اصطلاحات کا ترجمہ مقصود ہو۔

دوسرے مترادفاتی یا اپنی زبان میں اس کا ذخیرۂ الفاظ Vocabulary

تیسرے، لسانی اعتبار سے وہ صاحبِ ذوق و نظر ہو، اور

چوتھے، اُسے وضعِ اصطلاحات کا تجربہ ہو اور اس ہنر کے لیے موزونیٔ طبع رکھتا ہو۔

ب ۔ طبعزاد اصطلاحات وضع کرنے کا مطلب اپنی زبان میں اصطلاحات کو اختراع کرنا ہے یہ ہنر بھی چار چیزوں کا متقاضی ہے :

اول : حسنِ ذوقِ لسانی۔

دوم: جودتِ طبع۔

سوم: ندرتِ افکار۔

چہارم: تبحّرِ علمی۔

طبع زاد اصطلاحات کا احسن و اکمل نمونہ ہمیں قرآنِ حکیم میں ملتا ہے، اس کے علاوہ، احادیث طیّبہ، مسلم فقہ، قانون، قدیم وجدید فلسفہ اور سائنس و فن کی کتب میں بھی اس کے حسین نمونے ملتے ہیں، مترادفاتی اصطلاحات کی طرح طبع زادی اصطلاحات بھی ادبیات کی ثروت میں اضافہ کرتی اور اس کے دامن کو وسیع اور اس میں کلاسیکیت یا ثقاہت و مداومت پیدا کرتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اردو میں مترادفاتی اصطلاحات کی لغات دستیاب ہیں، لیکن ایک تو وہ ادھوری اور دوسرے تشریحات و تصریحات اور امثلہ سے معرّا ہیں۔ لیکن جہاں تک اردو کی طبع زاد اصطلاحات کا تعلق ہے، اس کی کوئی لغت ابھی تک مرتب نہیں ہوئی، حالانکہ ایسی لغت علم و فن کی ترقی اور طلبار و مدرسین کے افادے کے لیے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ انگریزی زبان کی قابلِ رشک ترقی مسلسل میں ہر دو قسم کی لغات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

مترادفاتی و طبع زاد وضع اصطلاحات کے ضمن میں اب میں اپنے تجربے کی بات کرنا چاہتا ہوں، اور اس سلسلے میں مجھے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کی نشان دہی کردینا چاہتا ہوں۔ اگرچہ موضوع تفصیل و اطناب کا متقاضی ہے، لیکن موقع ایجاز و اختصار کا ہے، لہذا اس میں فقط "جمالیات" Aesthetics کی [illegible]زی سے مختصراً گفتگو کروں گا۔ جو میرا مخصوص موضوعِ فکر و قلم ہے۔

آزادیٔ پاکستان کے ساتھ ہی میں نے جمالیات پر باقاعدہ طور سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے سب سے پہلے جس دشواری کا سامنا کرنا پڑا، وہ یہ تھی کہ اس وقت اردو زبان میں جمالیات پر کوئی کتاب نہ تھی اور اس کا دامن جمالیاتی ادبیات سے یکسر خالی تھا۔ چنانچہ میں نے اس اردو نا آشنا موضوع پر قلم اٹھایا تو اردو میں جمالیاتی مصطلحات کے فقدان کے سبب مجھے قدم قدم پر مشکلات و موانعات کا سامنا کرنا پڑا۔ مجھے ابتدا ہی میں انگریزی کی جن اساسی اصطلاحات نے پریشان و تنگ کیا وہ یہ تھیں۔ Beauty and the beautiful

Sublime and Sublimity

ان اصطلاحات کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے میں نے غور و فکر کیا اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کو تحقیق کی نظر سے دیکھا تو مجھے ان دو مصطلاحات کے بجائے تین الفاظ ملے، جنہیں قرآنِ مجید نے جمالیاتی مصطلحات کے طور پر استعمال کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

حسن، جلال اور جمال۔

میں نے Beauty کے لیے حسن The Beautiful کے لیے حسین کی، Sublimity کے لیے جلال اور Sublime کے لیے جلیل کی تعبیرات متبادل اصطلاحات کے طور پر اختیار کر لیں۔ لیکن اب مسئلہ یہ در پیش آیا کہ Beauty کا مترادف حسن ہے تو پھر جمال کس حساب میں ہے؟ اس لیے کہ انگریزی میں اس کی کوئی مترادف جمالیاتی مصطلح مستعمل نہیں۔ غور و فکر اور تحقیق و تفتیش سے مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ جمال و جلال دراصل حسن ہی کے د

امتزاجی و تزویجی عناصر ہیں اور صنفی اعتبار سے زوجین ہیں۔ یاد دہانی کی خاطر اس فکر انگیز نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایک تو اپنی ہر تخلیق حسین اور دوسرے زوجین (= نر اور مادہ) بنائی ہے۔ اس بناء پر میں نے رب کریم واحسن الخالقین کی تخلیقی فعلیت کے لیے "جمالیاتی، تزویجی تخلیقی فعلیت" کی اصلاح وضع کی۔

یہ تو تھا جملہ معترضہ۔ اس انکشافِ حقیقت سے کہ جمال و جلال دونوں حسن کے امتزاجی عناصر ہیں، جمالیات میں ایک نئے اور سچے نظریے کا اضافہ بھی ہوا اور مروجہ نظریے کی اصلاح بھی ہوگئی۔ مغربی علمائے جمالیات کے نزدیک جلال اور حسن دو متغائر جمالیاتی اقدار ہیں۔ لیکن ہمارے نظریے سے ایک تو اس کی اصلاح ہوگئی اور دوسرے صحیح نظریے کی بدولت جمالیاتی فکر کی جہت بھی درست ہوگئی۔ اس سے وضع اصطلاحات کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس قبیل کا دوسرا دقت طلب مسئلہ Aesthetic Sense and Aesthetic Taste کی اصطلاحات کے اصطلاحی ترجمے کا تھا۔ مغربی جمالیات میں یہ دونوں اصطلاحات مترادف و ہم معنی سمجھی جاتی ہیں، حالاں کہ ان میں فکر انگیز و بصیرت افروز فرق ہے۔ چنانچہ میں نے ان کے لیے جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق کی تعبیرات اختیار کر کے ان کے فرق کی صراحت کر دی، اور اس کے نتیجے میں ایک تو مغربی نظریے کی اصلاح ہوگئی اور دوسرے ایک نئے نظریے سے جمالیات کی ثروت میں اضافہ ہوا۔

ان دو مثالوں سے اس ازبس فکر انگیز نکتے کی بھی صراحت ہو جاتی ہے کہ وضع اصطلاحات کا فن کس قدر اہم ہے اور غیر معمولی تحقیق و تفتیش اور غور و فکر چاہتا ہے نیز جس مضمون کی اصطلاحات ہوں، اس پر عبور یا کم سے کم آگاہی بھی مترجم کے لیے

ناگزیر ہے۔ الغرض، اس وقت اردو کو نہ صرف دیگر زبانوں خصوصاً انگریزی کی مصطلحات کی صحیح و موزوں مترادف و متبادل مصطلحات کی، بلکہ خود اس میں مستعمل طبع زاد علمی و فنی اصطلاحات کی جامع و مانع لغات کی اشد ضرورت ہے، جن میں انگریزی کی بعض مستند و جامع لغات کی طرز پر اصطلاحات کی تشریح و توضیح مثالوں سے بھی کی گئی ہو۔

○

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

اُردو میں اصطلاح سازی

جس طرح اہلِ زبان کو زبان سیکھنے کے لیے قواعد جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح جب کئی زبانوں کے میل جول سے ایک نئی زبان وجود پا رہی ہوتی ہے، تو وہ زبان سیکھنے کے لیے ان زبانوں کے بولنے والوں کو قواعدِ زبان اور لغات جاننے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس دور میں زبان کے ارتقاء اتنا سست ہوتا ہے کہ نئی زبان کی نقش پذیری کا احساس نہیں ہوتا اور جب احساس ہوتا ہے تو اس کی تشکیل کا عمل کئی مرحلوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اب اس ماحول میں متاخرین کے لیے بھی اس زبان کی تحصیل کا شعوری عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ بیرونی اشخاص کے لیے تو ناگزیر ہوتا ہے کہ وہ اپنی کاروباری، سیاسی اور علمی و تعلیمی ضرورتوں کے لیے اس کی تحصیل بطورِ ایک علم کے کریں۔

سترھویں صدی کے ہند پاکستان میں جب ایک نئی زبان جسے ہندی، ہندوستانی

اور بعد میں اردو کا نام دیا گیا، کی بنیاد پڑ رہی تھی تو کسی اہلِ ملک کو اسے بطور ایک علم کے سیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اسی لیے قواعد و اصطلاحات کے کسی پہلو پر ابتداءً اردو میں کام کی طرف توجہ نہیں دی گئی لیکن سترھویں صدی کے آخر تک جب ملک کی سماجی اور کاروباری زندگی میں پرتگیزیوں کا عمل دخل شروع ہوا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ غیر ملکیوں اور غیر اہلِ زبان کو اردو سکھانے کے لیے قواعد ترتیب دی جائے۔ اس ضرورت نے قواعد کے اصول کی تالیف اور زبان پر عبور حاصل کرنے کے لیے لغات و اصطلاحات کی تدوین کی طرف متوجہ کر دیا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے محدود مقاصد سے آگے بڑھ کر رفتہ رفتہ جنوب مشرقی علاقوں کی انتظامیہ و عدلیہ اور بندوبست و مال گزاری کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور کچھ عرصے کے بعد کھلے طور پر سیاسی میدان میں قدم رکھا تو کمپنی کے غیر ملکی کارپردازوں کو ان کی انتظامی، تجارتی عدالتی اور سیاسی ضرورتوں نے اردو میں نظر و عبور کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا احساس دلایا چنانچہ اٹھارویں صدی کے آخر تک زبان سکھانے کے لیے نیز قواعد میں اردو لغات کے بعض پہلوؤں پر متعدد تالیفات وجود میں آگئیں۔ اس وقت اردو زبان نے اتنی وسعت حاصل کر لی تھی کہ خود اہلِ زبان کے لیے بھی ضرور[ی] ہو گیا تھا کہ وہ اردو زبان کی تحصیل باقاعدہ اور بطور ایک علم کے کریں۔ پھر بھی تحصیل زبان کا اصل مسئلہ غیر ملکیوں ہی کے لیے تھا۔ اس ضرورت کا احساس اتنا شدید ہوا کہ خاص اس مقصد سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ "فورٹ ولیم کالج" اسی احساس کا نتیجہ تھا۔ اس کالج کا قیام اردو کی ترقی کے لیے ایک منظ[م] تحریک ثابت ہوا۔ چنانچہ ۱۸۰۰ء کے بعد کالج کے زیرِ اہتمام اور اس کے اہ[...]

بیرون کالج متعدد غیر ملکیوں کی توجہ سے قواعد لغات، اصطلاحات، محاورات، ضرب الامثال کے مختلف پہلوؤں پر تالیف کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس صدی کے نصف اول میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کا بنیادی مقصد غیر ملکیوں کو اردو سکھانا اور ان میں نظم و عبور کی صلاحیت پیدا کرنا تھا، لیکن اب اردو صرف کاروباری، عوام کی بول چال اور افہام و تفہیم کی زبان ہی نہ تھی بلکہ کاروبارِ حکومت میں اس کی اہمیت تسلیم کرلی گئی تھی، چنانچہ ۱۸۳۵ء میں اس کا ملک کی ایک دفتری زبان قرار پانا اس کی اسی اہمیت کا اعتراف تھا۔

فورٹ ولیم کالج کا قیام انگریزوں کے استعماری مقاصد کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی قابلِ افسوس ہو لیکن اردو کی ترقی کی تحریک میں اس کا وجود بہت مبارک ثابت ہوا۔ اس نے اردو زبان و ادب کی عظیم الشان خدمت انجام دی اور ملک کی سماجی و سیاسی زندگی میں اردو کی اہمیت کا نقش ثبت کر دیا۔ اس کی بدولت اردو کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے بعد متعدد ایسے علمی و تعلیمی ادارے قائم ہوئے جن میں ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اردو کے استعمال کا کامیاب تجربہ ہوا۔ انگریزی سے ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی اور اردو میں سائنسی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم ہوا، بعض سوسائٹیوں میں سائنسی موضوعات پر تقریر اور مضمون نویسی کے اہتمام سے سائنسی ادب کی اہمیت کا نقش اجاگر ہوا اور کئی مطبعوں کے ذریعہ سائنسی ادب کے فروغ و اشاعت کا کام انجام دیا گیا۔ ایسے علمی، تعلیمی، اشاعتی اداروں میں جو فورٹ ولیم کالج کے بعد قائم ہوئے اور جن کی بدولت یہ تحریک آگے بڑھی، مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں: ۔

۱۔ دہلی کالج، دہلی۔ ۱۸۲۹ء۔

۲۔ سائن ٹی فک سوسائٹی، لکھنؤ۔ ۱۸۳۱ء۔

۳ - آگرہ بک سوسائٹی۔ آگرہ - ۱۸۴۳ء -

۴ - شمس الامرا نواب فخر الدین کا سلسلۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، ان کا مطبع اور مدرسہ فخریہ حیدر آباد (دکن) - ۱۸۳۴ء -

۵ - مدرسہ طبابت، حیدر آباد (دکن) - ۱۸۴۵ء -

۶ - انجمن مجمع علم و ہنر (سائن ٹی فک سوسائٹی) مدراس ۱۸۵۳ء -

۷ - میڈیکل اسکول، آگرہ - ۱۸۵۴ء -

۸ - انجینئرنگ کالج، رڑکی - ۱۸۵۶ء -

اگرچہ ۱۸۵۷ء کا حادثہ نہ صرف دو سیاسی ادوار کا حد فاصل ثابت ہوا، بلکہ علم و ادب اور معیشت و تمدن کے دور گذشتہ کا خاتم اور ایک نئے دورِ علم و تمدن کا فاتح بھی تھا لیکن دو علمی ادارے ایسے ہیں کہ ان کا ذکر اس تسلسل میں کر دیا جانا چاہیے۔

۱ - سائن ٹی فک سوسائٹی، غازی پور، علی گڑھ - جسے سر سید احمد خان نے ۶۴-۱۸۶۳ء میں قائم کیا تھا -

۲ - سائن ٹی فک سوسائٹی، مظفر پور، بہار جو ۱۸۶۸ء میں نواب سید محمد تقی خان کی صدارت اور امداد علی خان بہادر کی نظامت میں قائم ہوئی تھی -

فورٹ ولیم کالج کے بعد قائم ہونے والے اداروں میں سے ہر ادارہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی خدمات کا بہ تفصیل ذکر اور اصطلاح سازی کی تاریخ میں اس کا مقام متعین کیا جائے۔ لیکن اگر ہم کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں تو بھی دہلی کالج کے سرسری ذکر کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ دہلی کالج جدید علوم کا ایک تعلیمی ادارہ اور اردو ذریعہ تعلیم کی ایک کامیاب تجربہ گاہ ہی نہ تھی وہ علوم جدیدہ میں تصنیف و تحقیق کا مرکز

بھی تھا۔ اس لیے ہمیں اس کی اہمیت ایک درس گاہ کے دائرہ فیضان ہی میں تلاش نہیں کرنی چاہیے۔ دہلی کالج نے بہت تھوڑے عرصے میں جدید علوم کے تراجم اور تالیفات کا بھی ایک نہایت مفید اور قابل قدر ذخیرہ فراہم کر دیا تھا۔ اگرچہ ۱۸۵۷ء کے حادثے نے کالج کی تاریخ کا ورق مستقبل کی توقعات کے بالکل برعکس الٹا لیکن اس کے چند فضلا نے نئے دور علم و تصنیف کے آغاز میں اہم حصہ لیا اور اپنے علمی کاموں سے اردو زبان کا اعتبار قائم کیا۔

قدیم تعلیم یافتہ حضرات کے مستقبل اور معاشرے میں ان کے مقام کا فیصلہ تو ۱۸۳۷ء میں میکالے کے نظریۂ تعلیم کے مطابق نظام کے نفاذ اور سرکاری ملازمت کے لیے انگریزی دانی کی شرط کے لزوم ہی سے ہو گیا تھا۔ اس کے نتائج رفتہ رفتہ بعد میں سامنے آئے۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے بعد عدلیہ و انتظامیہ اور کاروبار و تجارت میں انگریزی کی برتری نے اردو کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ اگرچہ انتظامیہ و عدلیہ میں اردو زبان کے استعمال کا دائرہ نہ صرف تنگ بلکہ ختم ہو گیا تھا لیکن ملک کی عام زندگی میں اس کے چلن کا دائرہ پہلے سے بہت وسیع ہو گیا تھا اور شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پبلک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا کہ جہاں اردو کی مقبولیت کا سکہ نہ چلتا ہو۔

انیسویں صدی کے اختتام تک اردو میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا ترجمہ و تالیف اور تحقیق و تصنیف کے ذریعہ اتنا اور ایسا عظیم الشان ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا کہ اسے نظر انداز کر دینا ممکن نہ تھا لیکن ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اردو سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ تعلیم پر نصاب سے لے کر نظام تک حکومت کا

قبضہ تھا اور اعلیٰ تعلیم خصوصاً سائنسی علوم کی تعلیم و تدریس کا ذریعہ انگریزی زبان تھی انگریزی زبان نے اس دوران میں نہ صرف حکومت اور اس کے کاروبار میں بلکہ عام زندگی میں بھی عزت اور وقار کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ اہلِ اردو اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود سوسائٹی میں وہ مقام حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اب یہ سب ذمہ داری اہلِ اردو کی تھی کہ وہ اسے اپنی معاشرتی، سماجی، ادبی اور تعلیمی زندگی میں کیا مقام دیتے ہیں۔ اردو کے علوم و فنون اور اس کی تہذیب و ثقافت سے اپنی قومی اجتماعی زندگی کی تعمیر میں اپنی نسل کی تربیت میں اور قومی و علمی سیرت کی تشکیل و تزئین میں کیا مدد دیتے ہیں۔ شمالی اور مغربی ہند میں ایسے آزاد قومی اعلیٰ تعلیم کے اداروں کی تحریک موجود تھی جن کا ذریعہ تعلیم اردو ہو اور جن سے یہ کام لیا جا سکے لیکن ان کے پاس وسائل نہ تھے۔ جنوب ان پر بازی لے گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد۔ دکن) کا قیام قوم کے اس اجتماعی شعور کا اعتراف تھا۔ اس طرح جنوب نے تعلیمی میدان میں اور قومی سیرت و فکر کی تعمیر و تہذیب میں اردو کی اہمیت کا عملی اظہار تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جامعہ عثمانیہ کا قیام اردو ذریعہ تعلیم کے ایک عظیم الشان تجربے کا نام تھا۔ میڈیکل، انجینئرنگ، قانون، فلسفہ، عمرانیات اور دیگر علوم و فنون کی تدریس میں اردو ذریعہ تعلیم کے آغاز کے لیے ضروری تھا کہ علمی اصطلاحات کا ایک ذخیرہ موجود ہو۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر پہلے ایک سر رشتہ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ جس میں ملک کے نامور اہلِ قلم کو جمع کیا گیا اور ان سے اردو میں علمی کتابوں کے ترجمہ و تالیف اور اصطلاح سازی کا کام کرایا گیا۔ اس طرح بیسیوں علوم اور ان کے فروع کی اصطلاحات اور تراجم اور تالیفات و تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا گیا۔ چونکہ پہلی ضرورت اردو میں نصاب کی تیاری کی تھی اس لیے ابتدا

علوم و فنون کی اصطلاحات کے مستقبل مجموعوں اور لغات کی تیاری کے بجائے عام طور پر نصابی کتابوں میں استعمال ہونے والی اصطلاحوں کو آخر میں مرتب کر دیا جاتا رہا۔ اس طرح علمی اصطلاحات کا نہ صرف ایک عظیم الشان ذخیرہ اردو میں فراہم ہو گیا۔ بلکہ لغات و اصطلاحات علمیہ کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو گئی، اور بہت سے اہلِ علم نے اپنے طور پر اس موضوع پر کام کیا اور بیش قیمت خدمات انجام دیں۔

اس سلسلے میں انجمن ترقیٔ اردو (ہند اور پاکستان) کی خدمات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسے جامعہ عثمانیہ کی طرح وسائل میسر نہ تھے لیکن اس کے کئی رہنما جامعہ عثمانیہ کی تحریک قیام میں شریک رہ چکے تھے اور سررشتہ تالیف و ترجمہ میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ یہ کام ان کے خاص ذوق اور انجمن کے مقاصد سفر کا ایک حصہ بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے سررشتہ تالیف و ترجمہ سے علیحدگی کے بعد بھی اس کام کو جاری رکھا اور ہندوستان سے لے کر پاکستان تک اس مقصد کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ پاکستان میں اپنے آغاز کار ہی سے اصطلاح سازی کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس وقت سے پہلے کہ دوسرے ادارے جنہوں نے بعد میں قابل قدر کام انجام دیا، وجود میں آتے وہ اپنے مقاصد سفر کی کئی منزلیں طے کر چکی تھی۔

پاکستان میں انجمن ترقیٔ اردو کے بعد جو ادارے قائم ہوئے اور اصطلاحات سازی کی تحریک جن کی بدولت آگے بڑھی ان میں قابلِ ذکر یہ ہیں:۔

۱۔ اردو کالج۔ کراچی۔ ۱۹۴۹ء

۲۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور۔ ۱۹۵۰ء

۳ ـ سائن ٹی فک سوسائٹی، کراچی ـ ۱۹۵۵ء

۴ ـ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور ـ ۱۹۵۶ء

۵ ـ ترقی اردو بورڈ، کراچی ـ ۱۹۵۸ء

۶ ـ مرکزی اردو بورڈ، لاہور ـ ۱۹۶۲ء

اردو کالج نے ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اردو کی افادیت و تاثیر کا نقش دوام قائم کر دیا اور دوسرے اداروں کے لیے اپنے نقش قدم رہنما چھوڑے اور سائنسی موضوعات پر تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز بھی کیا۔ دوسرے اداروں نے اردو کی ترقی، سائنسی کتابوں کے تراجم، مختلف سائنسی موضوعات پر تصنیف و تالیف، نئے لغات کی تدوین، بعض قدیم لغات کی اشاعت ہائے جدیدہ کے انتظام، اصطلاح سازی اور ان کی جمع تدوین و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان میں سے بعض ادارے اسی مقصد سے قائم کیے گئے تھے اور بعض اداروں کے علمی، ادبی، تحقیقی مقاصد میں تدوین لغات و اصطلاح سازی کے ذریعے اردو زبان کو وسعت دینا شامل ہے۔

اصطلاح سازی کے کام میں مقدار اور معیار کے لحاظ سے اگر کسی ایک ہی ادارے کا نام لینا ہو جو اس تحریک کا ہم تھا ہو اور جس نے اصطلاح سازی میں عظیم الشان خدمت انجام دی ہو۔ تو وہ انجمن ترقی اردو پاکستان ہے۔ اس کا کام سب سے زیادہ وقیع ہے۔ انجمن نے اپنی زندگی کے ابتدائی چند برسوں ہی میں سائنس اور سماجی علوم کی ایک لاکھ سے زیادہ اصطلاحات تیار کر لی تھیں لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی اشاعت نہ ہوسکی۔ بعد میں اصطلاحات کا یہ تمام ذخیرہ ''مرکزی اردو بورڈ'' کے حوالے کر دیا گیا۔ بورڈ نے اس کا ایک حصہ

شائع بھی کر دیا ہے۔ اصطلاح سازی کے باب میں کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ وہ بھی نہایت قابل قدر اور عام داد و تحسین کی "بولی" سے بہت زیادہ قیمتی ہیں۔

اصطلاحات کے موضوع پر کام کرنے والے اداروں کے سلسلے میں "مجلس زبان دفتری" حکومت (پاکستان) کا ذکر ناگزیر ہے۔ یہ مجلس صوبائی حکومت کے ایک فیصلے کے مطابق ۱۹۴۹ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس نے دفتری اصطلاحات کا ایک قابل قدر مجموعہ شائع کیا، اصطلاح سازی کا کام بھی کیا اور ایک صوبے کی سطح پر حکومت کے کاروبار دفاتر میں اردو کی ترویج کی راہیں ہموار کیں۔

۱۹۷۹ء میں حکومت پاکستان کے مقتدرہ قومی زبان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس کے مقاصد میں قومی زبان کی حیثیت سے اردو کو ترقی دینا اور اسے اس قابل بنا دینا ہے کہ وہ قومی زندگی کے تمام گوشوں میں وہ انگریزی کی جگہ لینے کے قابل ہو جائے۔ اس کے زیر اہتمام اور اس کے تعاون سے اصطلاحات کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ مقتدرہ چونکہ پاکستان کا ایک مرکزی ادارہ ہے اور قومی زبان کی ترقی کے لیے دوسرے علمی اداروں سے اشتراک و تعاون کے اصول کو اس کے طریقۂ کار میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے اصطلاح سازی اور سائنٹفک ڈکشنریز کی تدوین و اشاعت میں وہ ان اداروں کے ساتھ تعاون اور ان کی علمی امداد بھی کو اپنے طریقۂ کار میں پیش نظر رکھے گا۔ جن کا قیام ہی خاص اس مقصد سے عمل میں آیا ہے۔ مقتدرہ کے سامنے قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں اردو کے نفاذ اور اس راستے میں ہر چھوٹی بڑی رکاوٹ کو دور کرنے کا عظیم الشان مقصد ہے۔ یہ مقصد مسلسل توجہ اور انہماک کا متقاضی ہے اور کسی بھی لمحے اور کسی بھی شعبۂ زندگی میں پیش آنے والی مشکل کے حل اور اردو کے نفاذ کی سبیل نکالنے کا ذمہ دار

ہے۔ اس لیے اس کے کام کو دیگر علمی اداروں کے کام کے معیار اور پیمانے سے
نہیں جانچا جا سکتا۔ مقتدرہ نے اب تک اصطلاحات کی یا جو دوسری کتابیں
چھاپی ہیں وہ صرف اس کی زندگی کا ثبوت ہیں اپنے مقاصد کی راہ پر یہ ادارہ
اب آیا ہے، اس لیے اس کے وجود کی افادیت اور اس کے کاموں کی اہمیت
کو جانچنے کا وقت کچھ عرصہ بعد آئے گا۔

اردو میں اصطلاحات پر جو کام اب تک ہوا ہے وہ سب علمی اداروں کے زیر اہتمام
ہی انجام نہیں پایا بلکہ کام کا بہت بڑا اور وقیع حصہ اہلِ علم نے شخصی طور پر اور
آزادانہ حیثیت میں انجام دیا ہے اور اپنے ہی وسائل سے یا عام تجارتی اشاعتی
اداروں کے تعاون سے یا خاص ترقی اردو کے اداروں کے زیر اہتمام شائع
کرایا ہے۔

اب تک اردو میں اصطلاح سازی کے موضوع پر جو کام ہوا ہے اور بیشتر
جس معیار و انداز کے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں، وہ جامعہ عثمانیہ کے تحت
ترجمہ و اصطلاح سازی کی تحریک کے زیرِ اثر تھے۔ اس کے تمام رہنما وہ تھے جو انگریزی
کے ساتھ عربی اور فارسی کے بھی عالم تھے۔ ان کے سامنے اصطلاحات کے ترجمے کا
مسئلہ آیا تو عربی زبان کا وسیع ذخیرۂ الفاظ موجود تھا اور نئی اصطلاحات بنانے کی
ضرورت پیش آئی تو عربی زبان کے قواعد و لغات نے ان کی رہنمائی کی۔ اب جب کہ
عربی جاننے والی قدیم نسل ختم ہو چکی ہے۔ عربی اصول لسانیات اور قواعد کے
مطابق اصطلاح سازی کا انداز بدل رہا ہے۔ اس وقت کئی رجحان پائے
جاتے ہیں ۱۔

۱ - کچھ لوگ وہ ہیں جو سابقہ گروہ علمی کے فیض و تربیت یافتہ ہیں اور

عربی فارسی زبانوں سے بھی واقف ہیں یا انہیں کسی حد تک شد بد ہے وہ سب سے پہلے عربی زبان کے لغات و اصطلاحات سے استفادہ کرنا اور بعض اوقات انہی کو اختیار کر لینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں میں مذہبی ذوق رکھنے والا ایک گروہ بھی موجود ہے جو دین کی طرف عربی زبان، ان کے علوم و فنون اور اس کی اصطلاحات کو بھی مقدس سمجھتا ہے۔ ان تمام حضرات کا رجحان اس طرف ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے تحت اصطلاح سازی کی جو تحریک جس اسلوب و انداز سے شروع ہوئی تھی اسے اسی طرح جاری رہنا چاہیے اور سابقہ وضع کردہ اصطلاحات کو من و عن قبول کر لینا چاہیے۔

۲۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ موجودہ دور کے اہلِ علم کا ہے۔ بلاشبہ وہ انگریزی زبان کے لغات و اصطلاحات کا بے میل ذوق رکھتا ہے لیکن عربی زبان سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اردو کے سابقہ ذخیرہ اصطلاحات سے بھی اس کی طبیعت میل نہیں کھاتی۔ قومی تشخص کا خیال اسے قومی زبان کا دامن چھوڑ دینے پر بھی راضی نہیں ہونے دیتا۔ ملک کی علاقائی اور صوبائی زبانیں بھی اس باب میں اس کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک خاص عصبیت ہندی زبان سے استفادہ میں بھی مانع ہے۔ یہ گروہ قومی زبان میں ہر قسم کی اصطلاحات کی ضرورت اور انتظامیہ کے کاروبار تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ان کی اہمیت اور افادیت کا معترف بھی ہے لیکن اصطلاح سازی کے انداز و اسلوب کے باب میں اس کا ذہن

صاف نہیں۔

۳۔ ایک گروہ اور ہے اور خواہ اسے کتنا ہی محدود تصور کر لیا جائے لیکن اس کے وجود سے انکار ممکن نہیں اس کا خیال ہے کہ انگریزی کی تمام انگریزی اصطلاحات کو من وعن اسی تلفظ میں اردو رسم الخط میں اختیار کر لینا چاہیے اس کے نزدیک اس اہتمام واختیار سے بین الاقوامی سطح پر علمی ربط اور افہام وتفہیم کی سہولت پیدا ہوگی یہ وہی گروہ ہے جو اردو میں انگریزی کا ہندسوں کے استعمال پر مصر ہے۔ اس گروہ کو اس بات سے بہت تقویت ملے گی کہ بین الاقوامی سطح پر عربی کے لیے انگریزی اصطلاحات کو ان کے اصل تلفظ کے ساتھ اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہاں یہ نشان دہی بھی مناسب ہوگی کہ اس گروہ میں ایک جماعت ہے جو سرکاری دفتری زبان کی حیثیت میں اردو کے رواج کی مخالف ہے۔

۴۔ ان گروہوں کے علاوہ ارباب اعتدال واہلِ اقتصاد کا ایک چوتھا گروہ بھی ہے۔ یہ گروہ انگریزی کے اعلیٰ ذوق، قدیم ذخیرۂ اصطلاحات کی تاریخی اور علمی حیثیت کے کامل اعتراف، ہندی کے آسان و سلیس اصطلاحات ولغات کے اخذ واختیار نیز کسی بھی زبان کے ذخیرۂ علوم ومعارف سے استفادے کے باب میں اپنے فراخدلانہ رویے اور علاقائی وصوبائی زبانوں کے ذخیرۂ علم سے ممکن حد تک استفادے کے جذبے، عربی، فارسی کے انحطاط پذیر ذوق کے احساس اور علمی اصطلاحات کی بین الاقوامی اہمیت کے پورے شعور کے ساتھ اردو کے قدیم وجدید ذخیرۂ الفاظ پر نظر ڈالنا اور اس ذوق واحیا کا

اور شعور علم وفن کے ساتھ آئندہ ترجمہ و اصطلاح سازی کے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ مقتدرہ قومی زبان کے ارباب اقتدار و اختیار اسی چوتھے گروہ کی رہنمائی کریں گے۔

○

ڈاکٹر خیال امروہوی

اُردو کا نفاذ اور اصطلاحات

بابائے اردو جناب ڈاکٹر عبدالحق نوراللہ مرقدہٗ نے مشورہ دیا تھا کہ:

"پنجاب یونیورسٹی میں سنسکرت کی کتابیں بیکار پڑی ہیں۔ کیڑا لگ رہا ہے اس قدیم ذخیرے کو حکومت ہندوستان کو دے دو اور تبادلے میں عثمانیہ یونیورسٹی سے اردو کا تمام ذخیرہ منگوالو کیونکہ جس قدر کام اس عظیم جامعہ نے سرانجام دیا، یہاں ایک صدی تک بھی نہ ہو سکے گا۔"

مرحوم کا مشورہ نہایت صایب تھا لیکن اس محققِ اردو کی غالباً کسی نے بھی نہ سنی اور خود اصطلاحات بنانے بیٹھ گئے۔ ظاہر ہے انگریزی کو اردو میں ڈھالنا جان لیوا کام ہے اور اس میں زبردست دشواریاں بھی ہیں۔ تاہم اگر مغرب پرست حضرات راہ کا پتھر نہ بنیں تو ایک نہ ایک دن یہ مرحلہ بھی آسان ہو جائے گا۔ تاحال

اردو زبان تکمیلی مراحل سے گزر رہی ہے۔ نیا زمانہ، نیا تمدن، نئی ضروریات اثر انداز
ہوتے جا رہے ہیں اور اردو کا غیر متعصب دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا
رہا ہے۔ وضع اصطلاحات کا یہ مفہوم بھی نہیں ہونا چاہیے کہ دفتری اور ملی زبان
کو جناتی بنا دیا جائے کہ یا انشائے ابو الفضل اور مادھو رام کی نثر کا گمان ہونے
لگے یا ترجمہ اصطلاحات کو المنجد، قاموس صراح، محیط المحیط اور منتھی الارب
جیسی بلاغت آمیز لغات کا پابند بنا دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ متوسط
درجے کی تعلیم پائے ہوئے افراد سرکاری مراسلت اور دنیاوی امور کی زبان کو
بہ آسانی سمجھ سکیں۔ انگریزی اور اردو کو سرکاری یا ملی زبان ہونا چاہیے یا نہیں۔ یہ
مباحث پڑھے لکھے لوگوں کا وظیفہ ہیں۔ عوامی طبقات جن کا روزمرہ واسطہ عدالتوں
تھانوں، زرعی محکموں، بینکوں اور دیگر اداروں سے پڑتا ہے۔ انھیں تو ایسی زبان
چاہیے جو سمجھ سکیں، لکھ سکیں اور بول سکیں۔

اردو کے نفاذ میں ملی مزاج کا بڑا دخل ہے۔ ہمارے یہاں تہذیبی اور ثقافتی
اعتبار ملی مزاج اردو اور انگریزی دونوں سے مغایر ہے اور یہاں علاقائی بولیوں
کا مزاج ہے۔ یہاں ہر زبان کو بولنے اور سمجھنے کے لیے علاقائی اور مادری زبانوں
کا سہارا لیا جاتا ہے۔ طلبا اپنے اساتذہ سے متمنی ہوتے ہیں کہ وہ انگریزی، عربی،
فارسی حتیٰ کہ اردو کو بھی پنجابی، سندھی، سرائیکی، پوٹھواری اور پشتو میں پڑھائیں
تاکہ وہ غیر زبان میں ادا شدہ مضامین و مفاہیم کو سمجھ سکیں۔ ایسی مخدوش صورتحال
میں سرکاری زبان اردو کی وضع اصطلاحات کا کام بڑا ہی جان لیوا معلوم ہوتا ہے
اور اس ضمن میں حزم و احتیاط کو بروئے کار لانا ضروری ہے جو ماہر لغویات اردو
کے نفاذ کے سلسلے میں حیدرآباد دکن کی مثال دیتے ہیں۔ میں نے بھی آغاز مضمون

میں عبدالحق صاحب کے حوالے سے اس سلطنت گم شدہ کا ذکر کیا۔ وہاں بھی وضع اصطلاحات میں عوامی مزاج اور معیارِ تعلیم کا بڑا دخل رہا ہے حیدرآباد دکن اسلامی ریاست تھی لہذا عوام کا مزاج اسلامی تھا۔ ان کے مقابل ہندو تھے اس لیے انہیں مذہبیات کے ساتھ ساتھ ایک ایسی زبان کا پیراہن وضع کرنا اور اسے شب و روز استعمال کرنا تھا جو اسلامی اقدار کی حامل ہو۔ علاوہ ازیں دکن میں عربی اور فارسی کا زبردست غلبہ تھا۔ اس اعتبار سے حیدرآباد دکن کی سرکاری زبان کو نہایت رفتہ و شستہ اور اثقال سے پاک بنا دیا گیا تھا۔ ذیل میں وہاں کی مروج اردو اصطلاحات کا ذکر کروں گا تاکہ ہمیں پاکستان جیسی اسلامی ریاست اور حیدرآباد دکن جیسے مسلمان علاقے کا تفاوت معلوم ہو جائے۔

۱۔ ہائی کورٹ	عدالت العالیہ
۲۔ گورنمنٹ	سرکار یا سرکارِ عالی
۳۔ جج	منصف یا ناظم
۴۔ کورٹ	کچہری
۵۔ جیل	محبس
۶۔ کلکٹر	تعلقدار
۷۔ گورنر	صوبہ دار
۸۔ ہیڈ ماسٹر	صدر مدرس
۹۔ ہائی سکول	مدرسہ فوقانیہ
۱۰۔ مڈل سکول	مدرسہ وسطانیہ
۱۱۔ پرائمری سکول	مدرسہ تحتانیہ
۱۲۔ ہاسپیٹل	شفاخانہ

۱۳ - ایکٹرائے	کروڑگیری
۱۴ - ریونیو	محکمہ مال
۱۵ - فارسٹ آفیسر	مہتمم جنگلات
۱۶ - ڈائریکٹر ایجوکیشن	ناظم تعلیمات
۱۷ - یونیورسٹی	جامعہ
۱۸ - گریجویٹ	طیلسان
۱۹ - سپرنٹنڈنٹ	سررشتہ دار
۲۰ - کلرک	صیغہ دار
۲۱ - ڈوپلیکیٹ	مثنیٰ
۲۲ - ڈپٹی	منصرم
۲۳ - پرائم منسٹر	صدرِ اعظم
۲۴ - منسٹر	مدار المہام
۲۵ - پوسٹ آفس	پٹہ خانہ
۲۶ - سول کورٹ	دیوانی عدالت
۲۷ - کریمنل کورٹ	فوجداری عدالت
۲۸ - ایئر ڈروم	طیران گاہ
۲۹ - ریڈیو اسٹیشن	نشتر گاہ لاسلکی
۳۰ - آفیشل لیٹر	سرکاری مراسلہ
۳۱ - ریفرنس نمبر	حوالہ مجاریہ نشان
۳۲ - ملیٹری	عسکر یا عساکر
۳۳ - ٹریژری	خزانہ

۳۴ - سنٹرل ٹریژی	خزانہ عامرہ
۳۵ - اکسائیز	آبکاری
۳۶ - سپرنٹنڈنٹ جیل	داروغہ محبس
۳۷ - پبلک گارڈن	عام باغ

مذکورہ اصطلاحات میں آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ وہاں کی مجلس وضع اصطلاحات نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا تھا کہ حیدر آبادی مسلمان عوام کے مزاج کے مطابق اصطلاحات کو رائج کیا جائے۔ اب کہ پاکستان کا مسئلہ حیدر آباد سے مختلف ہے اور مرور ایام کے باوصف یہاں انگریزی کا اثر و نفوذ کم نہیں ہو سکا۔ اور علاقائیت کا بھی زبردست عمل دخل ہے۔ لہٰذا انگریزی اصطلاحات کو مقامی بولیوں کی روشنی میں بھی وضع کیا جانا ضروری ہے تاکہ عربی اور فارسی کی ثقالت سے بچا جائے اور علاقائی عوام ان اصطلاحات سے مانوس ہو سکیں۔ لسانی ارتقا کا پہلا اصول یہ بھی ہے کہ وقت اور ضرورت کے ساتھ الفاظ سفر کرتے ہیں اور زبانوں میں ضرورت اور صلاحیت کے اعتبار سے مقام پاتے چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارا معاشرہ یورپ سے قطع نظر ایشیائی ممالک سے بھی ہم آہنگ ہے اور وہاں کی زبانوں کے اثرات بھی یہاں نفوذ کر سکتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس میں زبان ارتقائی مراحل طے کرتی ہے اور تکمیل کی منزل سے گزرتی ہے۔ راقم نے جو یہ کہا کہ " اردو زبان اور تکمیلی مراحل " تو اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اردو نامکمل ہے یا ناقص ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ علم و فن کے ہر میدان اور ہر شعبے میں اردو کو ایسا ذخیرہ الفاظ سمیٹنا ہے جو روزمرہ استعمال میں آسکے بلکہ صدہا الفاظ اور اصطلاحات کو رد بھی کرنا ہے۔ نامانوس اور ثقیل الفاظ و اصطلاحات کا خاصا ہے کہ ایک مقام پر وہ عام بول چال کی زبان کا ساتھ چھوڑ جاتے

ہیں اور صرف لغات ہی میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مجلس وضع اصطلاحات کا فرض ہے کردہ

انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت صرف اس خیال سے متروک و خوابیدہ الفاظ کو جگہ نہ دے کر متبادل میسر نہیں آسکتا۔ بلکہ انگریزی کی عمومی اصطلاح کو برقرار رکھتے ہوئے اردو لاحقوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً انکم ٹیکس عام اصطلاح ہے تو اسے محکمہ انکم ٹیکس بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسے "محکمہ بھتہ آمدنی" کہہ کر بعید از فہم بنانے کی چنداں ضرورت نظر نہیں آتی۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو وضع اصطلاحات کے اس مشن میں انگریزی اور اردو دونوں کا امتزاج پیدا کرنا ہوگا۔ میرے خیال میں یہ بھی معیوب نہیں ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ انگریزی رسم الخط کے بجائے اردو تحریر کو اپنانا جائے تاکہ عوام انگریزی کی لعنت سے آزاد ہو سکیں۔ جہاں تک اعلیٰ تعلیمی نصابوں میں وضع اصطلاحات کا تعلق ہے یہ کام نہایت ادق اور توجہ طلب ہے۔ ہر چند اب ابتدائی جماعتوں ہی سے سائنسی اصطلاحات کو اردو میں منتقل کرنے کا کام جاری ہے لیکن اسے اور بھی آسان بنانا ضروری ہے۔

اردو زبان کی تکمیلی منازل میں ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اردو اصطلاحات یا الفاظ کا استعمال صحیح ہو رہا ہے یا نہیں؟ مثلاً اردو نصابوں کو پڑھ کر جو لوگ بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں وہ غلط اصطلاحات کو استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں اور اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتا کہ اردو کا استعمال غلط ہو رہا ہے یا درست مثلاً درج ذیل اردو الفاظ و اصطلاحات پر غور فرمائیے کہ ہم کس دلیرانہ انداز میں کس عالمانہ رعب و داب کے ساتھ غلط اردو بولنے اور لکھنے کے عادی ہیں اور اس قسم کی غلط زبان لکھ کر ڈگریاں وصول کرنے اور عطا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

غلط	درست
۱۔ برسرِاقتدار	براور سر کے ایک ہی معنی ہیں۔ یا سرِاقتدار لکھنا اور بولنا چاہیے یا اقتدار پر بلکہ میں زیادہ درست ہے۔
۲۔ برسرِپیکار	یہ لفظ بھی برسرِاقتدار ہی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ حالاں کہ صرف سرِپیکار ہونا چاہیے۔
۳۔ نوادرات	"نوادر" خود نادر کی جمع ہے۔ جمع الجمع غیر فصیح اور غیر ادبی ہے۔
۴۔ حوادثات	حوادث خود حادثہ کی جمع ہے۔
۵۔ شارعِ عام	شارع عربی میں شریعت پھیلانے والے کے معنوں میں ہے اور اہلِ عرب شارع ایسی سڑک کو کہتے ہیں جہاں سے ایک یا زائد راستے نکلتے ہوں یہ شاہراہِ عام کے معنوں میں غلط ہے۔
۶۔ فارغ التحصیل	عربی میں فارغ کے معنی خالی کے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آدمی علمی تحصیل سے فارغ ہے یعنی چِٹّا اَن پڑھ۔ فراغ من التحصیل درست ہوگا۔
۷۔ دوران میں	دوران خود "میں" کے معنوں میں ہے۔ دوران میں غلط ہے۔ صرف دوران کافی ہے

غلط	درست
۸۔ افراتفری	صحیح اصطلاح افراط وتفریط ہے افراتفری جہلا استعمال کرتے ہیں۔
۹۔ نفسانفسی	یہ اصطلاح نفسی نفسی ہے۔ یعنی صرف تحفظ ذات کے معنوں میں۔
۱۰۔ فلاں صاحب بے حد راشی ہیں۔	راشی رشوت دینے والے کے لیے ہے جبکہ لینے والا مرتشی کہلاتا ہے لیکن یہ اصطلاح مؤقر وجرائد اور اخبار میں بے ساختہ انداز میں لکھی جاتی ہے۔
۱۱۔ آپ کا مشکور ہوں	"مشکور" وہ ہوتا ہے جس کا شکریہ ادا کیا جائے شکریہ ادا کرنے والا شاکر کہلاتا ہے۔
۱۲۔ غلط العام	یہ لفظ بھی "غلط العوام" ہے "غلط العام" نہیں ہے۔
۱۳۔ برسرِ روزگار	روزگار زمانے کے معنوں میں ہے۔ "روزینہ" کے معنوں میں نہیں ہے اور یہاں بھی بر اور سر محلِ نظر ہے۔
۱۴۔ فقید المثال	جدید فارسی میں فقید مرحوم کے معنوں میں ہے۔ "عدیم" کے معنوں میں نہیں لہٰذا عدیم المثال لکھنا چاہیے۔
۱۵۔ بعد المشرقین	سمت یا جہت مشرق مفرد ہے۔ دو مشرق سمتیں تو ہیں ہی نہیں۔ لہٰذا یہ اصطلاح

غلط	درست
	غلط ہے ۔ البتہ بعد المشرق و المغرب زیادہ صحیح ہے ۔
۱۶ ۔ اجنہ (جن کی جمع)	اجنہ جن کی جمع نہیں بلکہ جنین کی جمع ہے جن خود جمع ہے جس کا واحد "جنی" ہے ۔
۱۷ ۔ مقدمہ	"مرافعہ" کو "مقدمہ" کہنا درست نہیں مقدمہ آغاز کے معنوں میں ہے ۔ جیسے مقدمہ کتاب ۔

مختصر یہ کہ اکثر الفاظ و اصطلاحات غلط استعمال ہو رہے ہیں جو اردو جیسی شگفتہ اور جامع زبان کے سخت منافی ہے ۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اردو ابھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے اور ایسی صورت میں وضع اصطلاحات جیسے اہم مشن کو بے توجہی کے سپرد نہیں کیا جانا چاہیے ۔

اردو اصطلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں سرکاری ملازمین کی باقاعدہ تربیت کا انتظام بھی بے حد اہم ہے ۔ تربیت کے بغیر اصطلاحات کے استعمال میں سخت دشواری پیش آئے گی بلکہ آ رہی ہے من گھڑت انداز میں سرکاری مراسلت کو اردو میں منتقل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ۔ اس سے دفتری معاملات اور زبان کی خرابی کے زیادہ امکانات ہیں ۔ اس ضمن میں ابتدائی کلاسوں ہی سے لازمی مضمون کی حیثیت کے طور پر "اردو اصطلاحات" کو شامل کیا جانا چاہیے یا کم از کم ایک ایسا مختصر نصاب مرتب کر ڈالنا چاہیے جس میں ملکی [illegible] کی اصطلاحات [illegible] انگریزی اصطلاحات کے بجائے اردو اصطلاحات سے روشناس کرایا جائے [illegible] جب ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیمی مراحل سے

گزریں تو انہیں اردو اصطلاحات کے استعمال کا سلیقہ آجائے اور وہ موقع پڑنے پر پریشان نگاری کا شکار نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ مجلّہ "اردو نامہ" بابت دسمبر ۱۹۸۲ء کے ایک مضمون میں جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے فرمایا کہ اردو کی ترویج یا اردو مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) کی طرف لوگ کم مائل ہوتے ہیں کیونکہ "ان کی طلب ہی نہیں ہے"۔ یہ مسئلہ نہایت توجہ طلب اور سنگین ہے۔ جب اردو بحیثیت ملی زبان متعارف ہو رہی ہے اور بار بار ہدایت نامے بھی جاری ہو رہے ہیں کہ تمام سرکاری امور اردو زبان ہی میں نمٹائے جائیں تو ایسی صورت میں ملازمتوں کا بندوبست بھی ضروری ہے۔ چنانچہ صیغہ دار (کلرک) کی تقرری کے وقت ان سے یہ مطالبہ بے جا ہے کہ انگریزی ٹائپ یا شارٹ ہینڈ میں مہارت ہے یا نہیں۔ ان سے اردو ٹائپ اور مختصر نویسی کا تقاضا کیا جائے "تا کہ سرکاری طلب کے مقابل عوامی طور پر بطور "رسد" اردو ٹائپ اور مختصر نویسی میں لوگ مہارت حاصل کریں اور اس سلسلے میں جو سرٹیفکیٹ (تصدیق نامہ) وہ پیش کریں اسے تسلیم کیا جائے اور عملی طور پر ان کا اردو ہی کے لیے آزمائشی امتحان بھی لیا جائے۔

سید غلام شبیر بخاری

اُردو اصطلاحات سازی ایک مطالعہ

اردو زبان میں مستعمل، لفظ "اصطلاح" عربی الاصل ہے۔ یہ لفظ "الصلح" سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی سلامتی، رضامندی، درستی اور مصالحت کے ہیں۔ بروئے لسان العرب، الصلاح ضد الفساد ہے۔ اور الاستطلاح نقیض لاستفساد قواعد کی رو سے باب افتعال میں لانے سے صاد مہملہ ف کلمہ کے مقابل میں واقع ہوئی، اس لیے تائے انتقال کو طائے حطی سے بدل کر لفظ اصطلاح معرضِ وجود میں آیا۔ معجم الاعظم میں اس سے مراد کسی فن یا ہنر سے تعلق رکھنے والے خاص محاورے یا مروجہ لفظ سے ہے۔ جس پر اہلِ فن اتفاق کر لیں اور یہ معانی اس لفظ کے اصلی معانی سے علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ المنجد کی رو سے اس کے معانی کسی خاص قوم یا جماعت کا کسی لفظ یا کلمے کے ان معانی پر اتفاق کر لینا ہے جو اصل معانی کے علاوہ ہوں۔ مولفِ فرہنگ آصفیہ اردو زبان کے ناتے سے اس لفظ

کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، اصطلاح کے معانی باہمی صلاح و مشورہ کرنے کے ہیں، اور کسی گروہ کا متفق ہو کر کسی لفظ کے معانی ان معانی کے علاوہ مقرر کر لینے ہیں جو مروج ہوں اور یہ کہ ہم اپنی قوم کی اصطلاح میں اس لفظ سے یہ مخصوص معانی مراد لیں گے۔ مزید صراحت یہ کی گئی ہے کہ اس میں "وجہ یا غیر وجہ" کی قید نہیں ہے۔ مثلاً فارسی میں کاغذی پیرہن کو دادخواہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے اسے اپنے طور پر ریختے میں استعمال کیا کہ ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ کسی لفظ کے اصطلاحی اور لغوی معانی میں کچھ نہ کچھ نسبت ضروری ہوتی ہے۔

لفظ اصطلاح کے ہم معنی لفظ انگریزی زبان میں Term ہے، جو لاطینی میں Terminium، جرمنی زبان کا لفظ Terma اور یونانی زبان کا بھی اسی لفظ کی مختلف صورتیں ہیں۔ نیو الزبتھین ریفرنس ڈکشنری میں اس سے مراد ایسا لفظ ہے جس کے مخصوص اور معین معانی ہوتے ہیں ——— اور ویبسٹر کی نیو ورلڈ ڈکشنری میں ہے کہ ایسا لفظ یا جملہ جو کسی علم یا فن میں محدود اور معین معانی رکھتا ہے، ایسا لفظ یا جملہ جو کسی مخصوص اور معین حسی تجربے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا ایسے الفاظ جو خیالات کو مخصوص ہیئت میں ——— ادا کرتے ہیں۔

گویا اصطلاح یا Term سے متصور وہ کلمہ یا محاورہ ہے جسے جمہور علماء

فنی اور علمی ضرورتوں کے پیش نظر مخصوص معانی پہنا دیتے ہیں اور یہ معانی لغوی معانی کے علاوہ ہوتے ہیں۔ البتہ ان اصطلاحی اور لغوی معانی میں کچھ نہ کچھ باہمی نسبت بھی ہوتی ہے۔

اصطلاح سازی تاریخ السنۂ عالم کا ایک مسلسل اور منظم عمل ہے اور کوئی زندہ زبان اس کے روز افزوں تقاضوں سے غفلت نہیں برت سکتی۔ کیونکہ فنی اور علمی آفاقی بصیرت پر کسی ایک زبان یا قوم کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اجارہ داری برقرار نہیں رہ سکتی۔ اپنی تخلیقی فراست کو جلا دینے کے لیے اور جذبۂ مسابقت فی الخیر کو تقویت دینے کے لیے لسانیات کے علماء اور محققین اپنے اپنے مخصوص قومی تشخص کو ملحوظ رکھتے ہوئے عالمی سطح پر مروج اصطلاحات کو قبول کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے کیوں کہ کوئی ایک زبان اتنی خود مکتفی نہیں ہے کہ دوسری زبان کے تخلیق کاروں کی ہر اصطلاح کے مترادفات اپنے ہاں تلاش کر سکے۔ مثلاً انگریزی زبان انگلستان، کینیڈا اور امریکہ جیسی متمدن قوموں میں رائج ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی اصطلاحات کا اس میں بڑا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ بایں ہمہ مشہور امریکی ماہر السنہ جارج لیمن کیٹل ریج (۱۹۴۱ء وفات - ۱۸۹۶ء) اعتراف کرتے ہیں کہ انگریزی زبان نے ہزاروں اصطلاحات علمی دوسری زبانوں سے مستعار لی ہیں، اور اپنے دامن کو مالا مال کر لیا ہے۔ اسی خصوص میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اصطلاحات سازی کے کچھ رہنما اصول ہیں اور زبان کو ملک کی قومی زبان قرار دیے جانے کے سبب اس زبان میں اصطلاحات سازی کے لیے کچھ رہنما اصول درکار ہیں اور اس سلسلے میں پاکستان میں ... اردو کے لسانیاتی تشخصات اور اس کے تاریخی عوامل پر مختصر تبصرہ ناگزیر ہے۔

۹۔ یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق یورپ، ایشیا اور شمالی افریقہ کی زبانیں چھ بڑے بڑے لسانی گروہوں میں بٹی ہوئی ہیں:

ہندی یورپین : حامی سامی

کاکیشین : فنو آگرک

الٹائی (منگولین اور ٹنگوشین) اور سائینو تبتی یا ہند چینی

ان میں اردو کا شمار ہندی یورپین گروہ میں کیا گیا ہے۔ اس گروہ میں مندرجہ ذیل زبانیں شامل ہیں:

ہند آریائی : کشمیری

لہندا : سندھی

گجراتی :

مرہٹی : بھیلی

راجستانی : پنجابی

پہاڑی : رومانی

مغربی ہندی (معیاری ہندوستانی اور اردو)

مشرقی ہندی بہاری : بنگالی

اڑیا : آسامی

سنہالی : ایرانی (فارسی)

کیسپینی بولیاں : کردی

افغانی : پامیری بولیاں

بلوچی : آسیٹش

سر جارج گریرسن نے برعظیم پاک و ہند کی لسانیات پر ۱۸ جلدیں لکھی ہیں اور اس برعظیم کی ۱۷۹ زبانوں اور ۵۴۲ بولیوں پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کے نتائج فکر بھی اس سے مختلف نہیں۔

اردو کی لسانی تاریخ کے بارے میں مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں کہ اردو بھاج بھاشا کی بیٹی ہے اور برج بھاشا وہ زبان تھی جو گنگا اور جمنا کے درمیانی اور نواحی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس علاقے کا نام برج تھا لفظ اردو کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے اسے ترکی الاصل قرار دیا اور شاہ جہاں کے دور میں لشکریوں میں رائج زبان سے اردو کا آغاز روایت کیا، علامہ محمود شیرانی نے اس نظریے سے اختلاف کیا۔ ان کے نزدیک اردو مسلمانوں کی آمد ہی سے شروع ہو گئی تھی اور معنوں والی فارسی لغت نویں صدی میں اور گجرات اور دکن میں اردو کتابیں دسویں صدی میں لکھی گئیں۔ شیرانی صاحب نے یہ بھی ثابت کیا کہ اردو اور برج بھاشا کا تعلق، ماں بیٹی کا نہیں ہے بلکہ دو بہنوں کا تعلق ہے، اردو کے معانی، بازار، کیمپ، لشکر، بارگاہِ ملوک فرود گاہ امرا کے ہیں، اور یہ لفظ چھٹی صدی میں فارسی زبان میں داخل ہوا اور بطورِ زبان اردو کا آغاز عہد اکبری میں ہوا۔

دکن میں اردو کے مولف نصیر الدین ہاشمی کے نزدیک اردو زبان کی بنیاد دکنی زمانہ میں پڑ گئی، اور وہ پھر عربوں اور افغانوں کی فتوحات سے مستحکم ہو گئی۔

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرتیں بولی جاتی تھیں۔ جن میں لینی، پالی، جن، مہاراشٹری، شور اسینی اور مگدھی پانچ زبانیں مشہور تھیں۔ شورسینی کا نام عام برج بھاشا تھا۔ جو سندھ سے

اور لاہور سے مالوہ تک بولی جاتی تھی۔ ان کے بقول اردو کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ یہ دعویٰ بھی "اردو کی ابتدا سندھ سے ہوئی" کے دعوے کی طرح قوی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی پہلے پہل آمد انہی دو علاقوں سے ہوئی، سندھ میں تو اس کی ابتدا ۹۲ ہجری سے ہو گئی تھی۔ جس حد تک پراکرتوں کی تاریخی حیثیت کا تعلق ہے، آریاؤں کی زبان سنسکرت تھی اور ان کے ہندوستان کے اصل باشندوں سے رابطے سے جو غلط سلط عوامی زبانیں پیدا ہوئیں وہ پراکرتیں کہی جانے لگیں۔ ان پراکرتوں کے الفاظ اور تراکیب مقامی حالات کے مطابق بدلتے رہے اور اصوات اور لہجوں میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ مسلمانوں کے ورودِ ہند سے پہلے ہندوستان میں وسیع پیمانے پر برج بھاشا کا دور دورہ تھا۔ مسلمانوں کی دینی زبان عربی تھی اور ہندوستان میں آنے والے مسلمان حکمرانوں کی زبان فارسی تھی۔ اس لیے فارسی کا سکہ بطور دفتری زبان کے ۱۸۳۵ء تک رواں رہا۔ اس فارسی زبان پر عربی زبان کی گہری چھاپ تھی اور یہ عربی، علوم عالیہ کی عربی تھی۔ جس کا مزاج سراسر دینی تھا۔ فارسی اور عربی زبانوں کے اثر سے مقامی پراکرتوں کے لیے اردو کے قالب میں ڈھلنے کا عمل سہل ہو گیا اور سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد جب برطانوی مدبرینِ سیاست کی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں تو انہیں فارسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے فورٹ ولیم کے ذریعے سے "ہندوستانی" کے فروغ میں بڑی مدد ملی۔ جان گلکرائسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے رکن تھے۔ انہوں نے اردو کی ترویج پر زور دیا اور کمپنی کے اربابِ اختیار کو قائل کیا کہ ہندوستانی کو رواج دینے سے انگریزی کے فروغ کی راہیں ہموار ہوں گی۔ لیکن اس سیاسی پروگرام کی ایک علمی حیثیت بھی تھی وہ یہ کہ فورٹ ولیم کالج میں مسٹر جان کی مساعی سے اردو زبان

کے لیے بڑا تعمیری کام ہوا۔

متذکرہ بالا متنوع عوامل کے ایک سرسری جائزے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اردو زبان میں پرتگیزی، انگریزی کا بھی ایک ذخیرہ الفاظ شامل ہو گیا ہے۔ اور یہ ذخیرہ بھی سنسکرت، فارسی اور عربی ذخیرہ کی طرح اس کا جزو ہے اور یہ کہ اردو ہندی یا ہندوستانی کو جب بھی اس کی عوامی سطح سے بلند کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی اور اسے علمی اور فنی اصطلاحات مہیا کرنا ہوں گی تو اس کے لیے کسی ام السنہ، سنسکرت، عربی، فارسی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

یہ ایک امر واقع ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں دو قومی نظریے کے ارتقاء سے مسلمانوں کو من حیث القوم اپنا الگ قومی و ملی تشخص منوانے میں بے حد مدد ملی اور ملی تشخصات میں معتقدات اساسی کے بعد سب سے بڑی بنیاد وہ اردو زبان تھی جس کا تانا بانا فارسی اور عربی زبان سے تیار ہوا۔ فورٹ ولیم کالج کی انتظامیہ نے سدل شرما اور للو لال جی سے ہندی کی لغت تیار کروائی تھی جس کا مقصد مسٹر ایف آئی کی کے خیال میں یہ تھا کہ:

> "اردو لغت میں بہت سارے لفظ عربی اور فارسی زبانوں سے لیے گئے تھے، اور ظاہر ہے کہ ان دونوں زبانوں کا مذہب اسلام سے گہرا تعلق تھا۔ لہٰذا ہندی بولنے والوں کو ایک ایسی ادبی زبان کی اشد ضرورت تھی جو ہندوؤں کے لیے زیادہ قابلِ قبول ہو، یہ کام اس طرح انجام پایا کہ زبان اردو میں سے فارسی و عربی الفاظ چھانٹ دیے گئے اور ان کی جگہ سنسکرت یا خالص ہندی الفاظ رکھ دیے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ...

للولال کی ہندی ایک نئی بولی تھی" تت سم" الفاظ
برقرار رکھنے اور "تدبھو" خارج کر دینے کا یہ عمل ہندو
عصبیت کا شاہکار تھا اور اسے برطانوی حکومت کی
پوری اعانت یسر تھی۔"

لینگوسٹیک سروے آف انڈیا کے مصنف سر جی۔ اے گریرسن اعتراف کرتے
ہیں کہ:

بدقسمتی سے اس پورے دور میں انگریزوں کا سب سے
زبردست اثر و اقتدار سنسکرت آمیز ہندی کے حامیوں
کی پشت پر رہا۔ اس مہم کا سب سے دل چسپ پہلو یہ
ہے کہ گاندھی جی جیسے برخود غلط صلح کل لیڈر نے گروکل
کانگڑی کے ایک اجتماع میں مسلمانوں کو مشورہ دیا
تھا کہ سنسکرت سیکھنا ہر ہندوستانی ودیارتھی کا فرض ہے
ہندوؤں کا تو ہے ہی مسلمانوں کا بھی ہے۔ کیونکہ آخر
ان کے باپ دادا بھی تو رام اور کرشن ہی تھے۔ جن کو
پہچاننے کے لیے انہیں سنسکرت سیکھنا چاہیے (مشترکہ
زبان) مہاتما گاندھی نے کیا سوچا خطبہ ترقی اردو
علی گڑھ)۔

آزادی کے بعد ہندوؤں نے اپنی نام نہاد سیکولر جمہوریت میں سنسکرت کی
مکمل آزادی قائم کر دی چنانچہ ان کے آئین کی دفعہ ۳۰۱ میں وضاحت ہے کہ:

"ہندی کو اگر لفظوں کی ضرورت ہو تو پہلے سنسکرت سے اور
بعد میں اور زبانوں سے ادھار لے سکتی ہے۔"

چنانچہ وہاں اصطلاحات علمی میں ۹۰ فی صد سے زیادہ الفاظ سنسکرت عربی و فارسی اصطلاحات کو فراخ دلی سے قبول کرنے میں احساسِ کمتری کی غلامانہ ہچکچاہٹ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

اردو اصطلاحات سازی کے رہنما اصولوں کے بارے میں گزشتہ ۹۰/۸۰ سالوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے اس میں دہلی کالج، جامعہ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو اور سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ جیسے اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور مولانا وحیدالدین سلیم، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، مولوی عبدالحق جیسے اہل علم اور محققین نے گراں قدر کام کیا ہے۔

مولانا وحید الدین سلیم نے وضع اصطلاحات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے دنیا کی ہر ترقی یافتہ علمی زبان کی طرح اردو کی اصطلاحات کے بھی دو حصے کیے ہیں۔ مفرد الفاظ یا مفرد اصطلاحیں اور مرکب الفاظ اور مرکب اصطلاحیں۔ مفرد اصطلاحوں کے لیے انہوں نے ۱۶ اصول طے کیے۔

۱۔ اردو زبان میں شامل ہندی، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی زبان کے رائج اور مشہور اصطلاحی الفاظ من و عن قبول کر لیے جائیں۔

۲۔ بشرط ضرورت مندرجہ بالا زبانوں کے غیر مستعمل الفاظ بھی لیے جا سکتے ہیں۔

۳۔ کسی لفظ میں اگر اصطلاحی معانی پورے ظاہر نہ ہوں تو مضائقہ نہیں، اصطلاحی جھلک ہی کافی ہے۔

۴۔ موجودہ الفاظ کو نئے نئے معانی پہنائے جائیں۔ جو اصلی معنوں اور نئے معنوں میں ہوگا۔ وہ یا تو تشبیہ کا تعلق ہوگا یا کنایہ کا یا مجاز کا۔

۵۔ عربی زبان کی قدیم مفرد علمی اصطلاحیں قائم رہنی چاہیں۔

۶۔ عربی زبان سے صرف اسی قدر کام لینا چاہیے۔ جہاں تک ہماری زبان کی آریائی فطرت تباہ نہ ہو۔

۷۔ انگریزی فرانسیسی، جرمنی اور دیگر زبانوں کے الفاظ اور سائنسی اشیا کے نام جو اردو میں رائج ہیں انہیں علی حالہٖ برقرار رکھا جائے۔

۸۔ جن اشیاء کے ناموں کا اشتقاق معلوم ہے ان کے لیے اپنی زبان میں مفرد الفاظ وضع کیے جائیں۔

۹۔ انگریزی زبان کی روم و یونانی دور کی مائی تھالوجی کی اصطلاحات کو بدستور باقی نہ رکھا جائے اپنی اصطلاحات وضع کی جائیں۔

۱۰۔ انگریزی زبان اگر کسی شے کی غلط خاصیت ظاہر کرتی ہیں تو ہمیں تقلید اعمیٰ نہیں کرنی چاہیے۔

۱۱۔ مشترک اور مرادف اصطلاحات استعمال کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔

۱۲۔ ہر اصطلاحی معنی کے لیے جداگانہ لفظ تجویز کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔

۱۳۔ انگریزی زبان کی مفرد اصطلاح کے لیے اردو اصطلاح بھی مفرد ہونی چاہیے۔

۱۴۔ مفرد اصطلاحات اردو کی عنصری زبانوں سے لینی چاہیئے۔

۱۵۔ انگریزی اصطلاح کے مقابلے میں اپنی اصطلاح کو ترجیح دینی چاہیے۔

۱۶۔ یونانی زبان کی بعض اصطلاحوں کی وضاحت عربی کی قدیم اصطلاحوں میں مل سکتی ہے۔ مثلاً منطق (لاجک) اثنا عشری (ڈیوڈینم) صائم (جیجونم) وغیرہ۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے منشورات اور کیفیہ میں کچھ اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ:

"اردو کی اشتقاقی اور اختراعی قوتوں کا علم ہو کر غیر
زبانوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی عادت رفع ہو جانی
چاہیے اور لوگوں کو چاہیے کہ اپنے ہی مسالے سے
نئی عمارتیں بنائیں۔ البتہ اس ذخیرے میں مختلف قسم
کے الفاظ و مرکبات ہیں۔ اس لیے اختراع کا کوئی
خاص اصول اور قاعدے بجز ان قاعدوں کے جو مولانا
وحید الدین نے وضع اصطلاحات میں دیے ہیں،
پیش نہیں کیے جا سکتے۔"

اس تمہید کے بعد پنڈت جی نے ۱۴۲ / اصطلاحات کے تراجم دیے ہیں
جن میں سے ادبی تموّل، استفساریہ، احولی نقطۂ نظر، تجاہل عارفانہ، تارید
عکس ریز، کردار طرازی رواں اصطلاحات ہیں۔ لیکن جہاں انھوں نے ہندی
کا سہارا لیا ہے وہاں ان علمی اصطلاحات کا معیار برقرار نہیں رہا۔ مثلاً ایروپلین
کے ترجمے "ہوائی جہاز" کے مقابلے میں وہ اڑناؤ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور لڈ لوائے
کا ترجمہ پُر پاٹھک کرتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کے لیے "بول بڑھاؤ" تجویز کرتے
ہیں، گرم پانی کی تھیلی کے لیے گرپاتھلی کی اصطلاح وضع
کرتے ہیں بھک سے اُڑ جانے والی چیز کو بھکڑ ڈول قرار دیتے ہیں اور
کا ترجمہ "چھُٹ وہم" مناسب خیال کرتے ہیں۔ پنڈت جی فارسی
اور عربی کے عالم تھے۔ فرماتے ہیں:

بعضوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ عربی، فارسی الفاظ اور
ترکیبیں لانے سے کلام کی دل پذیری اور زور بڑھ
جاتا ہے۔ مگر وہ سخت مغالطہ اور جہالت میں پڑے

ہوتے ہیں۔ ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ لغت بازی
یا منطق بیانی سے کلام کبھی سرسبز نہیں ہوا۔
(منشورات ص ۷۹)

مولوی عبدالحق کا ایک بڑا کارنامہ ان کی مدوّنہ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری ہے جس میں ترجمہ الفاظ وضع اصطلاحات کے عملی تجربات کا گراں قدر خزانہ محفوظ ہے۔ اس میں ارتقائی عمل مسلسل کارفرما ہے۔ اڈیٹوریل کا پہلے ترجمہ مدیریہ کیا گیا۔ پھر مقالہ افتتاحیہ اور بعد ازاں اداریہ۔ شارٹ کٹ کا ترجمہ قریب کار استہ کیا گیا تھا۔ پھر آڑا راستہ اور اب آسان حل۔ لیبر لیڈر کا پہلے ترجمہ انجمن ترقی مزدوراں کا عہدیدار کیا گیا تھا۔ پھر اسے مزدور رہنما سے بدل دیا گیا آؤٹ آف سائٹ کا ترجمہ" نظر نہیں آتا" کیا گیا تھا۔ پھر نگاہوں سے دور۔ نئے الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا رہا۔ ہاف ٹروتھ (نیم حقیقت) لیفلٹ (ورقیہ) اولڈ ایج پنشن (وظیفہ کبرسنی) پائلٹ (ناخدا) وغیرہ۔

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ میں بھی اسی خصوص میں مفید کام ہوا، مختلف مجالس اصطلاحات کے پیش نظر چار مندرجہ ذیل رہنما اصول ہیں:۔

۱۔ بین الاقوامی اصطلاحات کا ترجمہ نہ کیا جائے۔

۲۔ اشیاء اور ادویات کے ناموں کا ترجمہ غیر ضروری ہے۔

۳۔ جن مرکبات کے نام پہلے سے موجود ہیں وہ بھی برقرار رہیں گے۔

۴۔ ریاضی کی ترسیمات کو بدلا نہیں جائے گا۔ اصطلاحات سازی میں اصطلاحات زبان اور فن کے لحاظ سے موزوں، مختصر اور نمائندہ ہوں ان میں ہندی، فارسی، عربی اور سنسکرت ان تمام زبانوں سے مدد

لی جائے جو اردو کا جزو ہیں۔ مزاج کے مطابق بیرونی الفاظ بھی لے
لیے جائیں۔ قدیم اصطلاحات بشرطِ افادیت برقرار رہیں۔ اسما سے
افعال بلا تکلف بنا لیے جائیں۔ مختلف زبانوں کے موزوں سابقے اور
لاحقے استعمال کر لیے جائیں۔ یہ اصول روا رکھا جائے کہ میٹر کے لیے
پیما سکوپ کے لیے "نما" گراف کے لیے "نگار"، "اولوجی" کے
لیے "یات" کے لیے "سا" Ferous کے لیے
"بردار" Genous کے لیے "زا" مستعمل ہو۔

اس سلسلے میں میجر آفتاب حسن (مقتدرہ قومی زبان) نے بعض مفید مشورے
دیے ہیں، مثلاً یہ کہ اصطلاح ایسی بنائی جائے جو زبان کے سانچے میں بھی ڈھلی ہو
فن کے اعتبار سے بھی ناموزوں نہ ہو، اور اس میں ماہرین زبان اور ماہرین فن
کا مکمل تعاون ہو۔ انہوں نے بین الاقوامی اصطلاحات پر مفید معلومات بہم پہنچائی
ہیں۔ (اخبار اردو نومبر ۸۱ء) اسی طرح ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے اردو ہند سے
اور علوم ریاضی کی علامتیں (اخبار اردو اگست ۸۱ء) پر سیر حاصل اظہارِ خیال
کیا ہے اور مروجہ انگریزی علامات ریاضی پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے
لیے کیا ضروری ہے کہ ہم اصلی عربی ہند سے چھوڑ کر یورپ کے ذریعے آئے ہوئے
تبدیل شدہ ہند سے استعمال کریں۔

اردو میں اصطلاح سازی کے رہنما اصولوں اور ان کے پیچھے کارفرما ملکی اور ملی
مصالح کا یہ مختصر سا جائزہ مندرجہ ذیل غور طلب گوشے سامنے لاتا ہے:-

۱ - مولانا وحید الدین سلیم نے رہنما اصول نمبر ۴ میں فرمایا ہے کہ عربی
زبان سے صرف اسی قدر کام لینا چاہیے جہاں تک ہماری

زبان کی آریائی فطرت تباہ نہ ہو۔ یہ اس وقت کی سوچ ہے جب ہندو مسلم اتحاد کی خوش گوار فضا قائم کرنے کی کوششیں کلیتاً ناکام نہیں ہو گئی تھیں اور مسلمان اہل علم و ہندو ذہنیت سے پوری طرح مایوس نہیں ہو گئے تھے۔ تاریخ نے بتایا کہ وہ توقعات محض سراب تھیں، ہندوستان آزاد ہوا، بھارت سے الگ ہو کر پاکستان کا تشخص ابھرا، خود بھارت میں آریہ ورشی ذہن بروئے کار آیا۔ سنسکرت زدہ ہندی لنگوا فرینکا بنی۔ اس کے دستور میں یہ طے پایا کہ:

ہندی کو اگر لفظوں کی ضرورت ہو تو پہلے سنسکرت اور بعد میں اور زبانوں سے ادھار لے سکتی ہے۔

(دستور ہندوستان دفعہ ۳۵۱)

ان بدلے ہوئے حالات میں، ایک الگ مملکت اسلامی پاکستان کو اردو میں اصطلاحات سازی کے لیے بھی، اصطلاحات کے لیے کسی ام السنہ کی نشان دہی کرنا ہو گی اور وہ عربی ہے۔ جو پاکستان اور تمام عالم اسلام کی (ایک ارب انسانوں کی!) دینی زبان ہے عالم اسلام میں ادبی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی دوائر میں مستعمل زبان کے ۷۰ فی صد سے زیادہ الفاظ عربی زبان کے ہیں۔ عربی یو این او کی مقبولہ زبانوں میں سے ایک ہے، اس زبان میں سائنس اور ٹکنالوجی کے تقاضوں کو سمونے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس میں شائع ہونے والے سو سے زیادہ اخبارات میں سے،

الشرق الاوسط السالم الاسلامی الهدف، الندوہ، السیاستہ، القبس، الرای العام، الخلیج الافق الجدید، الاتحاد، عربی زبان و بیان کی علمی اور تحقیقی وسعتوں کے نقیب ہیں۔

۲- ہندوستان کی ہندو عصبیت نے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا، ہماری زندگیوں کا المناک ترین باب سقوطِ ڈھاکہ ہے اس کا سبب یہ بھی ہے کہ ہندوؤں نے بنگالی، لسانی عصبیت کا بھرپور سہارا لیا اور ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اب ان کی نہایت گہری سازش یہ ہے کہ پنجابی اور سندھی لسانی عصبیتوں کو ابھارا جائے۔ اور اردو کے نفاذ میں تعویق در تعویق ڈالی جائے۔ سیاسی شعبدہ بازوں اور بکاؤ ذہن نوکر شاہی کو یہ کون باور کرائے کہ اردو کا پشتو، پنجابی، سندھی یا بلوچی و بروہی سے کوئی تصادم نہیں ہے۔ اردو تو انگریزی زبان کی بجائے نافذ کیا جانا ہے۔ اردو پشتو، پنجابی، سندھی، بلوچی، بروہی اور سرائیکی میں اب بھی ۷۰ فی صد سے زیادہ علمی اصطلاحات عربی اور فارسی کی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی بات بعد یا اجنبیت نہیں ہے۔

۳- اردو اصطلاحات سازی کا کام کم و بیش ایک صدی سے جاری ہے، اگر کسی کو یہ انتظار ہے کہ یہ کام ختم ہو جائے تو زبان کا نفاذ ہوگا تو یہ ایک بہت بڑی نادانی ہے۔ کہیں زندہ قوموں کی زندہ زبانیں یوں جامد اور غیر متحرک بھی ہوتی ہیں۔ انجمن ترقی اردو ملک کی جامعات اخبارات و جرائد اور ابلاغ عامہ کے

ممکن ذرائع ــــــ پنجاب کی مجلسِ زبان دفتری، کراچی کی مقتدرہ قومی زبان شب و روز اصطلاحات سازی کا غیر مختتم کام سرانجام دینے میں مصروف ہیں اور اس وقت بفضلہٖ ہر شعبہ جات کے لیے اتنی اصطلاحات موجود ہیں کہ اسے قومی زبان کے طور پہ نافذ کر دینے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

۴۔ اردو کے حق میں گذشتہ ادوار میں مسلسل نعرے بلند ہوتے رہے ہیں اور بعض افراد حکومت نے بھی ان نعروں کی ہم نوائی کی ہے۔ موجودہ حکومت فخر کر سکتی ہے کہ اس نے بے حد ہچکچاہٹ کے باوجود کچھ عملی اقدامات کیے ہیں، لیکن ان کی رفتار اس درجہ سست ہے کہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ نفاذِ کلی میں یہ تاخیر کہیں ماضی کی طرح ان جانی مصلحتوں کا شکار ہو کر نہ رہ جائے۔ بایں ہمہ صدر مملکت کے یہ الفاظ بڑے حوصلہ افزا ہیں کہ:

> "پاکستان اور اردو کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے اردو پاکستانی قوم کی آواز ہے، اردو کی شناخت پاکستان سے ہے اور پاکستان کی شناخت اردو سے ہے۔"

(۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۱ء)

○

سجاد الحسن

اردو میں وضع اصطلاحات کا مسئلہ

ایک موقر انگریزی روزنامے کی حالیہ اشاعت میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں اردو زبان کی ان کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو علمی شعبوں میں اس کے رائج ہونے میں حائل ہیں ۔ ہر چند کہ اردو ہماری قومی زبان ہے مگر زندگی کے کسی شعبہ میں بھی ہم ابھی تک اسے کلی طور پر رائج نہیں کر سکے ۔ مضمون نگار کے خیال میں اردو ایسی ترقی یافتہ زبان نہیں ، بالخصوص سائنس ، ٹیکنالوجی ، تجارت ، صنعت و حرفت ، نظم و نسق اور اسی طرح کے مختلف تحقیقی شعبوں میں مختلف اغراض و مقاصد کو پورا کرنے سے قاصر ہے ۔ فاضل مضمون نگار نے زبان کی ہیئت سے متعلق مبادیات کا ذکر کرتے ہوئے اردو کی کم مائیگی کا رونا رویا ہے اور پھر انگریزی کے مقابلہ میں سابقوں اور لاحقوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اردو میں قطعی ذریعہ اظہار و ابلاغ کے طور پر اصطلاحات کا فقدان ہے ۔ شعر و شاعری اور

میں تو اردو نے خوب گل کھلاتے ہیں لیکن جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی اصطلاحات
اس کے بس کا روگ نہیں۔ اردو میں ٹھوس علمی اصطلاحات کا فقدان ہے۔
اور یہی اس کی سب سے
بڑی کمزوری ہے۔ اسی لیے ہم سائنسی علوم میں اردو کو ابھی تک ذریعہ تعلیم
نہیں بنا سکے۔

اصطلاح سازی کا عمل

اردو میں اصطلاحات کا مسئلہ کوئی نیا نہیں۔ اربابِ علم کی توجہ ایک عرصہ
سے اس موضوع کی طرف مائل ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں اصطلاح سازی
ایک مسلسل اور نہ ختم ہونے والا عمل ہے۔ کوئی زندہ زبان اس کے بڑھتے
ہوئے تقاضوں سے غفلت نہیں برت سکتی۔ فنی اور علمی آفاقی بصیرت پر کسی
ایک زبان یا قوم کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اجارہ داری نہیں ہوتی۔ اپنی تخلیقی فراست
کو جلا دینے کے لیے لسانیات کے علوم اپنے مخصوص قومی تشخص کو ملحوظ رکھتے
ہوئے مروج اصطلاحات کو قبول کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ حقیقت
تو ہے کہ کوئی ایک زبان اتنی خود مکتفی نہیں ہوتی کہ دوسری زبانوں کے تخلیق
کاروں کی ہر اصطلاح کے مترادفات اپنے ہاں تلاش کر سکے۔ انگریزی زبان
انگلستان، کینیڈا اور امریکہ جیسی متمدن قوموں میں رائج ہے اور سائنس اور
ٹیکنالوجی کی اصطلاحات کا اس میں بڑا وقیع خزینہ موجود ہے۔ بایں ہمہ محققین
کو اس امر کا واضح اعتراف ہے کہ انگریزی زبان نے ہزاروں اصطلاحات
دوسری زبانوں سے مستعار لی ہیں اور اپنے دامن کو مالا مال کیا ہے۔ یہ بات
ایک [illegible] ہے کہ اصطلاح سازی کے کچھ رہنما اصول ہیں۔ اردو کی لسانی

تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو برج بھاشا کی بیٹی ہے (یا بہن ہے) اور برج بھاشا وہ زبان تھی جو گنگا اور جمنا کے درمیانی اور نواحی علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے ورود ہند سے قبل ہندوستان میں وسیع پیمانے پر برج بھاشا کا دور تھا۔ مسلمانوں کی دینی زبان عربی تھی جب کہ ہندوستان میں آنے والے مسلمان حکمرانوں کی زبان فارسی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی کا سکہ بطور دفتری زبان ۱۸۳۵ء تک رواں رہا۔ اس فارسی زبان پر عربی زبان کی گہری چھاپ تھی اور یہ عربی علوم عالیہ کی عربی تھی جس کا مزاج سراسر دینی تھا۔ فارسی اور عربی زبان کے اثر سے مقامی پراکرتوں کے لیے اردو کے قالب میں ڈھلنے کا عمل سہل ہو گیا اور سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد جب برطانوی مدبرین سیاست کی ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں تو انہیں فارسی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیئے فورٹ ولیم کے ذریعے "ہندوستانی" کے فروغ میں بڑی مدد ملی۔

جان گلکرائسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن تھے انہوں نے اردو کی ترویج پر زور دیا۔ اس پروگرام کی نوعیت سیاسی تھی لیکن علمی حیثیت سے بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

متذکرہ جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ اردو زبان میں جہاں ایک طرف انگریزی کا ذخیرۂ الفاظ شامل ہو گیا تھا وہاں اس میں سنسکرت، فارسی اور عربی وغیرہ کے اجزا کا موجود ہونا بھی ایک فطری عمل تھا۔ چنانچہ ایک منطقی رویے کے طور پر یہ سمجھنا آسان ہے کہ اردو کو جب بھی عوامی سطح سے بلند کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اسے علمی اور دینی اصطلاحات مہیا کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا تو

اس کے لیے کسی ام السنہ سنسکرت عربی یا فارسی کی طرف رجوع کرنا قدرتی عمل تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں دو قومی نظریے کے ارتقا سے مسلمانوں کو من حیث القوم اپنا قومی تشخص منوانے میں مدد ملی اور ملی تشخصات میں بنیادی معتقدات کے بعد سب سے بڑی بنیاد وہ اردو زبان تھی جس کا تانا بانا فارسی اور عربی سے تیار ہوا۔ اردو اصطلاح سازی کے رہنما اصولوں سے متعلق گزشتہ ایک صدی میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ دہلی کالج، جامعہ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو اور سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ جیسے اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مزید شخصیات میں مولانا وحید الدین سلیم، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اور مولوی عبد الحق جیسے اہل علم اور محققین نے گراں قدر کام کیا ہے۔ مولانا وحید الدین سلیم نے وضع اصطلاحات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وضع اصطلاحات کے نام سے پوری ایک کتاب انہیں کی تصنیف ہے۔ دنیا کی ہر ترقی یافتہ علمی زبان کی طرح اردو کی اصلاحات کو دو حصوں میں رکھا گیا ہے۔ منفرد الفاظ یا منفرد اصطلاحیں اور مرکب الفاظ یا مرکب اصطلاحیں۔ مختلف اصولوں کی تشریح کرتے ہوئے مولانا موصوف نے تجویز کیا کہ اردو زبان میں شامل انگریزی اور دیگر زبانوں کے رائج اور مشہور اصطلاحی الفاظ من وعن قبول کر لیے جائیں۔ عربی زبان کی قدیم منفرد علمی اصطلاحیں قائم رکھی جائیں مولانا وحید الدین سلیم کا ذہن اس زمانے میں کام کر رہا تھا جبکہ برصغیر پاک و ہند کی سیاسی تقسیم نہیں ہوئی تھی اور پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد فکر و عمل کی فضا بدل گئی۔ چنانچہ ایک مرحلہ پر انجمن ترقی اردو جیسے اداروں نے اس مسئلے کا از سر نو جائزہ لیا اور اردو میں اصطلاحات سازی کے رہنما اصولوں کو ملکی اور ملی مصالح سامنے رکھتے ہوئے از سر نو مرتب کیا۔

لاحقے اور سابقے

عربی زبان کو اس اعتبار سے کم مایہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں صرف ایک سابقہ " ال " اور لاحقہ " ی " ہے اس میں مرکب الفاظ بنانے کی صلاحیت بہت کم ہے اس لیے کہ اس کے مرکبات کی صرف چار قسمیں ہیں جن میں سے دو ہمارے اغراض کے لیے محض بیکار ہیں۔ مشتقات کے لیے تو یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہے کہ داخلی حروف علت کو بدل دیا جائے لیکن نئے الفاظ بنانے کے لیے اس میں کوئی ایسا لچک دار قاعدہ موجود نہیں جو ہر حال میں کام دے۔ جو مرکب الفاظ اس زبان میں بن سکتے ہیں۔ انہیں ہم سوائے ایک مشتبہ استثنار کے واحد کلمہ صرفی قرار ہی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان مرکبات کے اجزار کی انفرادی و اجتماعی حیثیت بدستور قائم رہی ہے اور انہیں الگ الگ ہی سمجھنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کے باوصف عربوں کے ان حیرت انگیز کارناموں اور ایجادات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو سائنس کی ترقی اور اشاعت میں ان سے ظہور میں آئیں۔ اور اس ضمن میں کس کس طرح نئے الفاظ وضع کیے گئے یا دوسری زبانوں سے مستعار لیے گئے، چنانچہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ اکثر بڑے علوم کی ابتدار جو ترجمے کے قابل ہیں عربی میں ہوئی ہے اور جس قدر اصطلاحیں ان علوم کی مبادیات کے لیے ضروری ہیں تحقیقات سے عربی میں معلوم ہو سکتی ہیں۔ عربی ماخذ سے ہمارے علمی لغت میں بہت بڑا اضافہ ہوا ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ اہل فرنگ بھی عربوں کے علمی انہماک کا اعتراف کرتے ہوئے منفعل نہیں ہوتے اور الکحل، الکیمی (کیمیا) الجبرا زنتھ (سمت) ناڈر (نظیر) ایلکسر (اکسیر) سیرپ (شربت) جولپ (جلاب) اور اسی قسم کے متعدد الفاظ بہ کثرت استعمال کر کے اپنی ممنونیت ظاہر کرتے ہیں تو

ہم اس ذخیرے کی تحصیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیوں تامل کریں۔ تمام یونانی الاصل الفاظ جو طبی اور دوسرے علوم میں مستعمل ہیں اس قدر تامل کے ساتھ جو ہماری ضروریات کے لحاظ سے لازم ہیں اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے عربوں نے یہ الفاظ مستعار لے کر ہمارے لیے ایک مثال قائم کر دی تھی۔ جہاں تک فارسی کا تعلق ہے اس میں مرکبات اور مشتقات بنانے کا بہت اچھا قاعدہ ہے۔ عربی کی طرح فارسی بھی اردو سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے۔ فارسی الفاظ اردو کے لیے نامانوس نہیں ہیں۔ عربی کے مرکبات و مشتقات اور اسی طرح فارسی سے لیے ہوئے منفرد مشتق یا مرکب الفاظ اصطلاحات کے طور پر اردو میں باآسانی سموئے جا سکتے ہیں۔

لاحقوں اور سابقوں کے ضمن میں اردو اور انگریزی کو سامنے رکھتے ہوئے ایک طویل بحث کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں اس مختصر مضمون میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اردو زبان اپنے لب و لہجہ، روزمرہ، محاورہ، انداز بیان موضوع اور مواد کے اعتبار سے ایک علٰحدہ اور منفرد زبان ہے۔ اس کی اپنی لغت، اپنا اسلوب اور صرف و نحو کے اپنے قواعد ہیں۔ اسی طرح لاحقے، سابقے واحد، جمع، تذکیر و تانیث کے اصول بھی اس کے اپنے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک:

> "اردو زبان انگریزی، ہندی اور ترکی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی نہیں رہتی بلکہ اردو نے ان زبانوں کے ساتھ وہ برتاؤ کیا ہے جو ٹکر کی زبانیں آپس میں کرتی ہیں۔"

اشاریہ میں جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مضمون نگار نے وہاں سابقوں اور لاحقوں

کی مثالیں دے کر انگریزی کی برتری جتلانے کی کوشش کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں استعمال ہونے والے سابقے اور لاحقے زیادہ جامع اور دل کش ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی زبان میں منفی الفاظ کے لیے سابقوں کا ذخیرہ Un, Non, Other, Anti, وغیرہ پر ختم ہو جاتا ہے جب کہ اردو میں اس کے لیے بے شمار سابقے موجود ہیں۔ مثلاً نا، ان، بے، بلا، غیر، عدم، خلاف وغیرہ۔

Ism, Cracy, Archy کے لاحقوں کے لیے اردو میں مستعمل لاحقہ ایت، یت، انتہائی جامع اور قریب المعانی ہے اور جہاں تک سائنسی سابقوں اور لاحقوں کا تعلق ہے اردو زبان کے انہیں بجنسہٖ اپنا لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اصطلاحات علمی

اردو کی حمایت میں کسی مضمون کے لکھنے سے یہ خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اردو میں تمام اصطلاحیں موجود ہیں اور ان میں اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس رفتار سے علوم ترقی کر رہے ہیں اور جس تیزی سے نت نئی اصطلاحیں مختلف ضروریات کے تحت وجود میں آ رہی ہیں اور بنتی جا رہی ہیں اس کے مدنظر کسی زبان کا یہ دعوےٰ کرنا کہ اس میں سب کچھ موجود ہے ایک بے جا دعویٰ ہوگا۔ اردو زبان میں بھی کمی ہے۔ جیسے دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں ہوتا ہے لیکن سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سہولت اور قواعد موجود ہیں یہ نظر کے سامنے رہیں تو کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور پھر ان اداروں سے مدد طلب کی جا سکتی ہے

جو اصطلاحات سازی کا کام کر رہے ہیں اور اس میں مہارت رکھتے ہیں ان دنوں اس سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز کھٹکتی ہے وہ اصطلاحات کی عدم یکسانیت اور کہیں کہیں ان کا غلط استعمال ہے درسی کتابوں کو لیجیے ادنیٰ اور اعلیٰ ہر درجے کی کتاب اپنا انداز الگ رکھتی ہے ایک ہی مضمون کی کتابوں میں ایک ہی انگریزی اصطلاح کے لیے مختلف اردو مترادفات استعمال ہوتے ہیں۔ ہر مصنف بطور خود واضع اصطلاحات یا یوں کہیے کہ دارالترجمہ بنا ہوا ہے۔ یہ جذبہ تو قابل قدر ہے لیکن پریشانی یہ ہے کہ اگر ہر مصنف اسی طرزِ کار کو اپنائے رکھے اور اصطلاح سازی کے عمل میں صرف وہی درج کرے جسے وہ خود ضروری سمجھے تو پھر پڑھنے والوں کا کیا حشر ہو اور قومی سطح کی بلندیوں پر اردو زبان کے تقاضے کیوں کر پورے ہوں۔ بنیادی ضرورت تو اب یہ ہے کہ اردو زبان میں اب تک جو کام ہوا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ مسلم اور متفقہ اصطلاحات کو استعمال میں لایا جائے۔ اردو کوئی نئی زبان نہیں سائنسی یا علمی تحریر بھی اس میں کوئی نیا تجربہ نہیں ہے ہر قسم کے تحریری نمونے اردو زبان میں موجود ہیں۔ مشکل سے کوئی عنوان ایسا ہوگا جسے اردو زبان میں بالکل نیا سمجھا جائے۔ بحمد اللہ اردو زبان میں جدید دور کے علوم کے لیے اگر مواد بہت زیادہ نہیں تو اتنا کم بھی نہیں کہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھا جائے۔ برصغیر پاک و ہند کے مختلف ادارے بشمول جامعہ عثمانیہ اتنا کام کر چکے ہیں کہ اگر اسے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ قبول کر لیا جائے اور ہم اس عزم کے ساتھ چل پڑیں کہ اردو میں اظہار خیال کرنا ہے تو تجربہ بتائے گا کہ کہیں کوئی غیر معمولی رکاوٹ سامنے نہ ہے۔ اردو ایک صدی سے زائد عرصہ تک سرکاری، دفتری اور تعلیمی زبان رہی ہے۔ درباروں اور بازاروں، محلوں اور جھونپڑیوں میں ہر جگہ [illegible] برتی جاتی ہے چنانچہ اس میں ایک قدرتی صلاحیت اور لچک

پیدا ہوگئی ہے۔ مشکل سے مشکل اور ادق سے ادق مضمون کو بے تکلفی کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے۔ جہاں اس میں پہلے سے موجود علمی اصطلاحات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دوسری زبانوں کے الفاظ قبول کرنے کے لیے اس کا دامن ہر وقت کھلا ہے۔

ہمعصر پاکستانی تجربہ

پاکستان کے چار مختلف صوبوں میں چار مختلف علاقائی زبانیں ہیں۔ پشتو، پنجابی، سندھی اور بلوچی۔ اردو ملک کے کونے کونے میں سمجھی جاتی ہے۔ افہام وتفہیم کی راہ میں اردو کی حیثیت اجنبی نہیں پھر بھی مشورہ اور راہِ فکر کو کشادہ کرنے کے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ علاقائی زبانوں کے الفاظ اردو زبان میں زیادہ سے زیادہ لے لیے جائیں تو اردو زبان کی حیثیت "قولاً فعلاً اور عملاً" ملک کے قومی تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اردو کسی کم مائیگی کا شکار نہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک اردو روزنامے کے شذرہ میں اس بات کی شکایت کی گئی تھی کہ دفتری اصطلاحات ومحاوروں کے علاوہ قواعد وضوابط اور قوانین کے اردو تراجم کے انبار لگ چکے ہیں لیکن اردو کو دفتری زبان کے طور پر اختیار نہیں کیا جا رہا۔ نہ جانے کتنا عرصہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ انگریزی کا سکہ اسی طرح رواں ہے حالاں کہ یہ کہتے ہوئے بھی زبان نہیں سوکھتی کہ اردو زبان سے ہم قومی طور پر وابستہ ہیں تو صاحب علمی طور پر بخشیں ختم نہیں ہوں گی۔ ذہن بیدار ہوں گے۔ عقل و شعور کے نئے سوتے پھوٹیں گے تو بحث وتمحیص کے بھی نئے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ جہاں تک عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ بہت کام ہوچکا ہے۔ کام ہوتا رہے گا لیکن کوئی انقلابی آغاز تو ہونا چاہیے۔ ہمہ گیر طور پر کہیں کسی طرح اردو کی ترویج بھرپور انداز سے ہونی چاہیے جہاں درس وتدریس اور

تحقیقی شعبوں کا واسطہ ہے قوم کے اہلِ علم اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ان سے نمٹ سکتے ہیں۔ ہم اجتماعی طور پر جس طرح متحرک ثابت ہوں گے زبان بھی ویسے ہی اثرات قبول کرے گی۔ زبان کی ترقی دراصل ایک پیمانہ ہے اس امر کا کہ ہم شعوری طور پر کس قدر فعال ہیں۔ محض مجرد بحثوں سے اعتراضات و شکایات کی یلغاریں زبان پر کوئی احسان نہیں ہوگا۔ اور اس سے فلاح کی کوئی امید بر آمد نہ ہو گی۔ فوری ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اردو کی ترویج کے لیے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ٹھوس عملدر آمد کا آغاز کر دیا جائے۔

○

محمد طاہر منصوری

عربی اصطلاحات سازی

فنی اصطلاحات سے واقفیت کسی علمی مطالعے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی تحقیق کی بار آوری اور نتیجہ خیزی کے لیے ضروری ہے کہ محقق کے ذہن میں اس کی مخصوص لفظیات کے مفاہیم اور دلالتیں واضح ہوں۔

(۱)

مسلمانوں کی علمی و فکری ترقی کے دور میں جس کا آغاز ساتویں صدی عیسوی میں ہوا تھا اور عروج آٹھویں صدی میں نظر آتا ہے، بے شمار علوم و فنون وجود میں آئے۔ اسی دور میں علم اصطلاحات نے بھی جنم لیا۔ قرآن، حدیث، فقہ، کلام، فلسفہ، منطق اور دیگر علوم نقلیہ و عقلیہ کے فروغ اور نشو و نما کے ساتھ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر علم کی اصطلاحات یکجا کی جائیں اور مفاہیم متعین کیے جائیں تاکہ جہاں ایک

مبتدی علم کے لیے بنیادی مباحث کو سمجھنے میں آسانی رہے، وہاں ایک محقق بھی کسی پیچیدگی اور ابہام کے بغیر تحقیق کے مطلوبہ ہدف کو حاصل کر سکے۔ مسلمانوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اس علم اصطلاحات کی بنیاد رکھی جو موجودہ تحقیق و تدوین کے فن کا جزو لاینفک ہے۔ عربوں اور مسلمانوں کے اس علمی امتیاز اور بالادستی کا اعتراف کئی مغربی مفکرین و محققین نے کیا ہے۔ مشہور محقق اور مستشرق اشپرنگر "کشاف اصطلاحات العلوم و الفنون" کے مقدمے میں فن اصطلاحات کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ علوم و فنون میں وسعت اور تنوع کے نتیجے میں ایک لفظ اپنی وضعی دلالت تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اصطلاح کے روپ میں ہر اہم لفظ کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ مختلف علوم میں شناخت کیا جانے لگا۔ اشپرنگر آگے چل کر علم اصطلاح سازی کے ضمن میں عربی ماہرین لسانیات کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عہد جدید کے مشہور اصطلاحات دانوں ایبلارڈ اور البرٹس نے اس فن کو آگے بڑھانے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ تو عربوں کے کارنامے کی محض بازگشت ہے۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز تک علوم و فنون میں اتنا تنوع اور ہمہ گیری پیدا ہو چکی تھی کہ مستعمل الفاظ اور عبارتیں اپنی لغوی دلالت کے لیے ہی مخصوص نہیں رہیں بلکہ ان کے ساتھ متنوع معانی و مفاہیم وابستہ ہو گئے تھے۔ خوارزمی نے اپنی کتاب "مفاتح العلوم" کے دیباچے میں متعدد ایسی مثالیں دی ہیں جو مختلف علوم کی فنی زبان کی ہمہ جہتی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس نے ایسی ہی ایک مثال لفظ "رجعت" کی دی ہے۔ جس کا مفہوم اہل لغت، فقہا، متکلمین اور ہیئت دانوں کے نزدیک ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔

اہل علم نے علوم وفنون کی اصطلاحات جمع کیں، ان کی توضیح وتشریح کی اور ہر فن کے سیاق میں مفہوم متعین کیا۔ اس عرصے میں جو کتب لکھی گئیں انہیں اصطلاحی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم ان کتابوں کی ہے جن میں مختلف علوم کی اصطلاحات دی گئی ہیں جب کہ دوسری کے تحت ایسی کتابیں آتی ہیں جو کسی خاص علم یا فن کی اصطلاحات سے بحث کرتی ہیں۔ پہلی طرز کی کتابوں میں سب سے قدیم کتاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد الخوارزمی کی "مفاتیح العلوم" ہے۔ اس میں فقہ، اصول فقہ، علم الکلام، نحو، شعر و عروض، فلسفہ، منطق، طب اور انشا کی اصطلاحات شامل ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور کتاب "التعریفات" ہے یہ نویں صدی ہجری میں مشہور عالم دین ابوالحسن علی بن محمد الجرجانی کی تالیف ہے۔ اس میں لغت، نحو، بلاغت، کلام، فلسفہ، منطق، طبیعیات، ریاضیات اور شرعی علوم کی اصطلاحات درج ہیں۔ فارابی کی "احصار العلوم" ابو البقار الحنفی (۱۰۹۲ھ) کی "الکلیات" محمد بن علی تھانوی (۱۱۵۸ھ) کی "کشاف اصطلاحات الفنون" قاضی عبد النبی احمد نگری کی "دستور العلمار" طاش کبری زادہ کی "قاضی السعادہ" وہ چند وقیع اور قابل قدر تالیفات ہیں جو اس وقت کے متداول علوم کی اصطلاحات کی توضیح کرتی ہیں۔

عمومی اصطلاحات کتب کے علاوہ خصوصی اصطلاحات کی متعدد کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ خاص طور پر حدیث، فقہ، تاریخ، علم الکلام اور فلسفہ۔ فن اصطلاحات کا موضوع ہیں۔ علم حدیث پر ابن الصلاح کا مقدمہ، قاضی عیاض کی "الماع" اور ابن حجر کی "شرح نخبتہ الفکر" مستند مراجع ہیں۔ فقہ و اصول فقہ پر "تعریفات" اور "المغرب" کو دیگر تالیفات پر ایک امتیاز حاصل ہے۔ عباسی دور میں تصوف کے فروغ کے ساتھ ساتھ اصطلاحات تصرف کی متعدد کتب بھی

منصۂ شہود پر آئیں ۔ ان میں علامہ طوسی (۳۷۸ھ) کی " اللمع " سب سے قدیم ہے ، اس میں تصوف کی تقریباً ۱۰۷ اصطلاحات مع شرح دی گئی ہیں ۔ علاوہ ازیں امام غزالی کی " الاحیاء " عبدالرزاق القاشانی کی " اصطلاحات الصوفیہ " بھی اس دور کی اہم تالیفات شمار کی جاتی ہیں ۔

علم الکلام جس کا آغاز پہلی صدی میں اور فروغ دوسری صدی میں ہوا ، تیسری صدی میں پہنچتے پہنچتے عوام الناس میں اس حد تک نفوذ کر چکا تھا اور علم الکلام کی بحثیں اور مناظروں میں اہلِ علم کے ساتھ ساتھ عام افراد شریک ہونے لگے اور علم الکلام ایک اہم تہذیبی و ثقافتی علامت بن گیا ۔ اسی عہد میں علم الکلام پر بے شمار کتب سامنے آئیں جن میں وہ بھی تھیں جو اصطلاحات سے بحث کرتی تھیں ۔

اسلامی فلسفے کی اصطلاحات پر قدیم ترین کتاب " رسالۃ الکندی فی حدود الاشیار ورسوم ہا ہے جو تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف میں لکھی گئی ۔ اس موضوع پر ایک اور اہم کتاب فارابی کی " الحروف " ہے ۔ الغرض فنِ اصطلاحات سازی صدی اول کی علمی و فکری ترقی کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ۔ تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں علوم و فنون کے فروغ کے ساتھ فن اصطلاحات بھی پروان چڑھتا رہا اور اصطلاحات کی مختلف کتابیں منظرِ عام پر آتی رہیں ۔

(۲)

گذشتہ دو ، تین صدیوں میں جب مغرب نے سائنس ، ٹیکنالوجی اور جدید علوم و فنون کے میدان میں قابلِ ذکر پیش رفت کی تھی تو عالمِ اسلام میں بھی یہ خواہش ابھری کہ علمی و فکری سفر میں ان مسافتوں کو طے کیا جائے جنہیں قطع کر کے یورپ ترقی سے ہمکنار ہوا ۔

اس احساس کے تحت پوری اسلامی دنیا کی طرح عالم عرب میں ایسے ادارے وجود میں آئے جنہوں نے جدید علوم وفنون کو اپنی زبان میں ڈھالنے کا آغاز اصطلاحات کے مترادفات تجویز کرنے سے کیا۔ ان اداروں میں درج ذیل قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ المجمع العلمی العربی، دمشق (اکادمی برائے عربی زبان، دمشق)

۲۔ مجمع اللغۃ العربیہ، قاہرہ (اکادمی برائے عربی زبان، قاہرہ)

۳۔ مکتب تنسیق التعریب فی الوطن العربی (عالم عرب میں تعریب اور اصطلاحات سازی کا رابطہ کار ادارہ)

۴۔ المجمع العلمی العراقی (عراق کی علمی اکادمی)

۵۔ مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی (اکادمی برائے عربی زبان، اردن)

(۳)

۱۔ المجمع العلمی العربی، دمشق

۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر جب شام خلافت عثمانیہ سے علیحدہ ہوا تو عرب قومیت کی ایک لہر اُبھری جس کا مقصد عربی تہذیب و ثقافت کا احیاء تھا۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے شدت سے ضرورت محسوس کی کہ سرکاری دفاتر میں مروج غیر عربی الفاظ و اصطلاحات کی جگہ عربی اصطلاحات اختیار کی جائیں نیز جدید علوم وفنون کو عربی میں منتقل کر کے درس گاہوں میں اس کی تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا جائے۔

اس ضرورت کے پیش نظر جون ۱۹۱۹ء میں المجمع العلمی العربی کا قیام عمل میں آیا اس کے اغراض ومقاصد میں عربی زبان کی عصری ضروریات کو پورا کرنا اور یورپی زبانوں سے سائنس و ٹیکنالوجی کے ذخیرے کو عربی میں منتقل کرنا شامل ہے۔

انتظامی ڈھانچے کے لحاظ سے یہ ادارہ دو شعبوں پر مشتمل ہے، ایک شعبہ لسانی و ادبی امور انجام دیتا ہے۔ دوسرا سائنسی و فنی معاملات سے متعلق ہے اس میں مختلف علوم کے ماہرین شریک ہیں جو علمی اصطلاحات وضع کرتے ہیں اور پہلے سے موجود مختلف اصطلاحات کی معیار بندی بھی کرتے ہیں۔

اصطلاحات کے ضمن میں ادارے نے اصطلاح کے امکان قبولیت کو بنیادی اہمیت دی ہے، چنانچہ رائج العام غیر عربی الفاظ قبول کیے لیکن ایسے الفاظ کو دوسری ترجیح کے طور پر لیا۔

ادارے نے طب، عسکریات، طبیعیات، ارضیات اور دیگر سائنسی موضوعات پر کئی لغات تیار کی ہیں۔ اس کے زیر اہتمام ایک مجلہ بھی شائع ہوتا ہے جس میں نئی وضع کردہ اصطلاحات شائع ہوتی ہیں۔

۲۔ مجمع اللغۃ العربیہ، مصر

مصر میں قومی زبان کا ادارہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں معرض وجود میں آیا۔ اس کے قیام کا مقصد عربی کو جدید علمی و فنی ترقی سے ہم آہنگ کرنا اور اس کا ذخیرہ الفاظ بڑھانا ہے۔

مجمع کے تحت ۴ بنیادی کمیٹیاں کام کر رہی ہیں۔ یہ کمیٹیاں لغت، ادب عربی گرائمر، نصوص قدیمہ کی اشاعت سے متعلق ہیں۔ لغت کمیٹی کی نگرانی میں مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات وضع کی جاتی ہیں۔

مجمع کو اصطلاحات سازی کے عمل میں جو چند بنیادی نوعیت کے مسائل درپیش تھے، ان میں ایک مسئلہ عربی گرائمر کا تھا۔ جس کے بے لچک اور غیر متغیر اصول تعریب کے عمل میں رکاوٹ تھے۔ مجمع نے اس ضمن میں تقلید و روایت

سے ہٹ کر زبان میں قیاس کا دروازہ کھولا اور اس کی توسیع و ارتقاء کے لیے نئی بنیادیں فراہم کیں ۔

اس طرح اصطلاحات سازی کے لیے بنیادی قواعد وضع کیے گئے ۔ مجمع نے اپنے وضع کردہ اصولوں کو مدنظر رکھ کر اصطلاحات کی بہت سی لغات تیار کی ہیں ۔ ان میں ایک نہایت اہم اور وقیع لغت "معجم المصطلحات العلمیۃ والفنیۃ" ہے ۔ یہ مختلف سائنسی و تکنیکی اصطلاحات پر مشتمل ہے اور اٹھارہ جلدوں پر محیط ہے ۔

مجمع کی توثیق کردہ اصطلاحات اس کے مجلے میں شائع کی جاتی ہیں تاکہ بلاد عربیہ میں جو علمی و فنی ادارے ہیں یا جنہیں ان علوم و فنون کی تدریس سے واسطہ پڑتا ہے ان تک یہ اصطلاحات پہنچ سکیں ۔

۳ ۔ مکتب تنسیق التعریب فی الوطن العربی

عرب ممالک میں تعریب اور اصطلاحات سازی کے عمل میں ربط و وحدت پیدا کرنے والا ادارہ "مکتب تنسیق التعریب فی الوطن العربی" اپریل ۱۹۶۱ء میں قائم ہوا ۔ یہ ادارہ عربی زبان کے علمی اداروں کی لسانی تحقیق اور اہل قلم کی کاوشوں کا مطالعہ کرتا ہے ۔ اور اہل قلم کے درمیان ربط و تعاون پیدا کرتا ہے ۔ نیز اصطلاحات کے ضمن میں عرب دنیا میں یکسانیت پیدا کرتا ہے ۔ یہ ادارہ عرب دنیا سے باہر ہونے والی عرب اصطلاحات سازی کا بھی جائزہ لیتا ہے اور اس ضمن میں کی جانے والی کاوشوں کی حوصلہ افزائی اور مناسب راہنمائی کرتا ہے ۔

اصطلاحات سازی کے لیے مکتب کے محققین پہلے مرحلے پر انگریزی اور فرانسیسی میں وہ تمام نصابی کتب اکٹھی کرتے ہیں جو عرب ممالک میں اس مضمون کی تدریس سے

تعلق رکھتی ہیں پھر ان تمام کتابوں سے متعلقہ سائنسی اور تکنیکی اصطلاحات منتخب کی جاتی ہیں۔

دوسرے مرحلے پر ان منتخب اصطلاحات کی دو فہرستیں تیار کی جاتی ہیں، ایک انگریزی اور دوسری فرانسیسی میں۔ تیسرے مرحلے پر موضوع سے متعلق ماہرین کا سیمینار منعقد کیا جاتا ہے جو ان فہرستوں پر غور و فکر کرتے ہیں اور یہ تصدیق کر دیتے ہیں کہ زیر نظر فہارس واقعی موضوع سے متعلق ہیں۔

اگر کچھ اصطلاحات فہارس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں تو وہ بھی شامل کر لی جاتی ہیں۔ ان مراحل کے بخوبی طے ہو جانے کے بعد مکتب کے محقق لغتوں، نصابی کتب اور سائنسی اکادمیوں کی مطبوعات کے مطالعے سے اجنبی اصطلاحات کے عربی مترادفات تجویز کرتے ہیں اور یوں ایک سہ لسانی لغت اصطلاحات (عربی انگریزی، فرانسیسی) تیار ہو جاتی ہے۔

یہ سہ لسانی لغت عرب ممالک کی جامعات ترجمہ کمیٹیوں سائنسی اکادمیوں اور لسانی مجالس کو بھیج دی جاتی ہے۔ اسے مکتب کے مجلے "اللسان العربی" میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔

سہ لسانی لغت کے اولین شائع شدہ مسودے پر جو آراء اور تبصرہ ملتے ہیں ماہرین فن کا سیمینار منعقد کر کے اس میں لغت اور یہ آراء پیش کی جاتی ہیں۔ مسودے پر از سر نو غور و فکر کے بعد اسے آخری شکل دی جاتی ہے۔

ان مراحل کے بخوبی طے ہو جانے کے بعد "ادارہ تعلیم و تربیت و ثقافت" کی جانب سے "تعریب کانفرنس" کا اہتمام ہوتا ہے جو اسے بحالہ منظور کر لیتی ہے یا مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد منظوری دیتی ہے یوں "عرب لیگ" کے تمام رکن

ممالک میں یہ اصطلاحات بر سر عمل آ جاتی ہیں۔

۴۔ المجمع العلمی العراقی

اس کی تشکیل ۱۹۶۳ء میں ہوئی ادارے کے اغراض و مقاصد میں صحت زبان کا تحفظ اس کے نشو و نما اور ارتقاء کے لیے کاوشیں، ترجمہ اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی شامل ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ادارہ لسانی و سائنسی لغات کی ترتیب و تدوین کا کام سرانجام دیتا ہے۔ نیز کتب، دستاویزات اور قدیم نصوص کی نشر و اشاعت کا کام کرتا ہے۔ ادارے نے وزارت محنت، وزارت تعمیرات، محکمہ انجینئری اور دیگر سرکاری محکموں کی طرف سے تفویض کردہ کئی اصطلاحات عربی میں منتقل کی ہیں۔

۵۔ مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی

اردن کا قومی زبان کا ادارہ مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی دسمبر ۱۹۷۶ء میں وجود میں آیا۔

اردن کے مجمع کے کم و بیش وہی اغراض و مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لیے عرب ممالک کے دیگر تین ادارے کام کر رہے ہیں۔

ادارے نے قیام کے بعد جس امر کی طرف زیادہ توجہ دی وہ سرکاری دفاتر اور محکموں میں عربی زبان کا نفاذ تھا۔ اس سلسلہ میں اس نے تمام وزارتوں، محکموں اور سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے رابطہ قائم کیا اور ان سے وہ اصطلاحات طلب کیں جن کا ترجمہ مقصود تھا۔ ان اداروں نے مجمع کی اپیل پر مثبت اور حوصلہ بخش

جواب دیا۔ بہت جلد ادارے کے پاس ترجمہ طلب اصطلاحات پہنچ گئیں۔ یہ مواد وزارت مواصلات، وزارت صنعت و تجارت، محکمہ قومی سلامتی، افواج، مرکزی وزارت تعلیم اور دیگر اداروں سے متعلق تھا۔ مجمع نے غیر عربی اصطلاحات کے عربی مترادفات وضع کرنے کے لیے کئی کمیٹیاں تشکیل دیں اور ہر کمیٹی میں متعلقہ کمیٹی کے ماہرین کو شامل کیا۔ یہ کمیٹیاں اب تک ہزاروں اصطلاحات کو عربی میں منتقل کر چکی ہیں ان اصطلاحات کا استناد عمومی کمیٹی برائے اصطلاحات و ترجمہ و تعریب کرتی ہے۔

مندکرہ بالا اداروں اور اکادمیوں کے علاوہ عالم عرب کے محققین اور اہلِ قلم بھی ذاتی طور پر اصطلاحات سازی کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔

(۴)

حصولِ آزادی کے بعد ہم اہل پاکستان کی یہ خواہش ہے کہ اردو کو زندگی کے مختلف شعبوں میں حقیقی مقام دیا جائے۔ سرکاری دفاتر میں انگریزی کی بجائے اردو نافذ ہو، کالجوں اور جامعات کی سطح پر اردو ذریعہ تعلیم ہو، نیز جدید علوم و فنون کو اردو میں منتقل کر کے ان کی تعلیم و تدریس کا اہتمام کیا جائے۔ اس ضمن میں جہاں انفرادی کاوشیں ہو رہی ہیں وہاں مختلف ادارے بھی مصروف کار ہیں جو مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات وضع کرتے ہیں، گو کہ اصطلاحات سازی کا عمل قیام پاکستان سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا لیکن برطانوی اقتدار نے اسے ترقی سے ہمکنار نہ ہونے دیا تھا۔ اب یہ عمل ملی شعور اور قومی تشخص کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر بھرپور طریقے سے جاری و ساری ہے۔ ایسے مرحلے پر ان تجربات سے استفادہ از بس کہ ضروری ہے جو عالم عرب میں عربی اصطلاحات سازی اور نفاذِ عربی کے ضمن میں کیے گئے۔

یہ امر ذہن میں رہے کہ عربی زبان سے نہ صرف ہمیں جذباتی لگاؤ ہے بلکہ اردو
کے ذخیرہ الفاظ میں عربی کا معتدبہ حصہ موجود ہے اور آج بھی قرآن کی زبان کے
حوالے سے اگر کوئی ترکیب تجویز کی جائے تو اسے زیادہ پذیرائی حاصل ہوگی ۔

○

فیضان اللہ

عربی زبان اور جدید اصطلاحات

عربی ممالک میں فکری انقلاب کی ابتدا ۱۷۹۸ء میں مصر پر نیپولین کے حملے سے ہوتی ہے ، لیکن ہم بات مختصر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی صورتِ حال تیزی سے بدلنے لگی ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں غیر معمولی رفتار سے ترقی ہوئی ۔ عربی زبان کی ہمہ گیری اور وسعت سے انکار نہیں لیکن اب زمانے کی باگ ڈور مغرب کے ہاتھ میں تھی ، ایجادات و انکشافات وہاں ہو رہے تھے ، ان ہی کی زبانوں میں نئے نئے نام اور اصطلاحات کا وجود ہو رہا تھا ، دوسری زبانوں کے لیے صرف دو ہی راستے تھے یا تو وہ اپنے اندر وسعت پیدا کریں یا پھر سہل پسندی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر ملکی ایجادات کو مع ان کے ناموں کے قبول کرلیں ، جیسا کہ ہمارے یہاں اردو نے کیا ہے ، بطور ردِ عمل ساری دنیائے عرب میں شعری انقلاب کے ساتھ ہی زبردست [illegible]

آگیا، اس کا دائرہ کار نہایت وسیع تھا، شعر میں نئے نئے تجربے جن کا تعلق ہیئت اور فکر دونوں سے تھا، اسی طرح نثر میں نئے اسالیب و انداز سامنے آئے، ہم یہاں صرف لغت سے بحث کریں گے۔ جدید عربی لغت کے پس منظر میں دو الگ الگ نظریے سامنے آئے، ایک یہ کہ زبان میں جو بھی اضافہ ہو وہ خالص عربی کے اپنے مادے سے ہو اور عجمی الفاظ سے عربی کو پاک کرنا ضروری ہے، یہ نظریہ شام اور لبنان میں بہت مقبول رہا، چنانچہ زبان کی وسعت اور عجمیت سے تحفظ کے پیشِ نظر اکیڈمی اور دارالترجمے قائم کیے گئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ مغربی زبانوں سے آئے ہوئے جدید الفاظ و اصطلاحات کے لیے عربی الفاظ عربی کے اپنے مادے سے وضع کیے جائیں یہ کام بہت تیزی سے شروع ہوا، عراق میں المجمع العلمی العراقی کے نام سے ۱۹۴۷ء میں، شام میں المجمع علمی السوری کے نام سے ۱۹۲۱ء میں، اسکندریہ میں المجمع العلمی المصری کے نام سے ۱۸۵۹ء میں، اسی طرح مجمع اللغۃ العربیہ کے نام سے قاہرہ میں، ۱۹۳۲ء میں دارالترجمے انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کیے گئے۔

ان سب سے پہلے محمد علی پاشا کے عہد میں مصر کے اندر ۱۸۰۵ء میں قصر عینی کے نام سے ایک دارالترجمہ قائم ہو چکا تھا اس میں فرانسیسی اور اطالوی زبان سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اسے مشہور مصنف نبیہ عطّاس کے الفاظ میں سنیے:

"چونکہ اصطلاحات اور الفاظ ہی باہمی افہام و تفہیم کا واحد ذریعہ ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معانی قطعی ہوں اور عربی دنیا میں یک[illegible] پیدا نہ ہو سکی، ادارے سے متعلق

جتنی اصطلاحیں ایجاد ہوئیں ان میں سے کوئی بھی ہر جگہ
مساویانہ طور پر تسلیم شدہ ہے نہ ہی پوری معنی پر حاوی
ہے، حتیٰ کہ خود ادارہ کا لفظ اب تک قطعی معنی کے لیے
خاص نہ ہو سکا، اس کا مفہوم کوئی کچھ لیتا ہے اور کوئی
کچھ، بیسویں صدی کے نصف اول میں جدید اصطلاحات
کی بہت کوشش کی گئی اور ایسے الفاظ جن کے معانی
بہت وسیع تھے، انہیں محدود کرنے کی کوشش
کی گئی، مثلاً ادارہ، تنظیم، الادارۃ، التنفیذیۃ سلطۃ،
مسئولیۃ وغیرہ، لیکن بہت جلد مفہوم کے تعین میں
اختلافات پیدا ہو گئے۔[۲۰]

اس اقتباس سے عرب ممالک میں عربی زبان کی ترقی کی رفتار اور اس کی
سمتوں کا اندازہ ہوتا ہے، ساتھ ہی اس کے پیدا شدہ مسائل پر روشنی پڑتی ہے
زبانوں کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، عربی کے ساتھ بھی یہ واقعہ کئی بار
ہو چکا ہے۔ اوائل اسلام میں یہ لغوی انقلاب بڑے زور و شور سے آیا تھا،
چنانچہ مسجد، صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ، اسلام، ایمان اور اس طرح تمام وہ
الفاظ جن کا تعلق اسلام سے بحیثیت مذہب کے ہے، مثلاً فقہی اصطلاحات
وغیرہ ان تمام الفاظ کا استعمال اب لغوی معنی میں نہیں صرف وہی ہے جو
اسلام نے اصطلاحی طور پر متعین کر دیے ہیں، مسجد سے غیر اسلامی سجدہ گاہ
صلوٰۃ سے غیر اسلامی عبادت، زکوٰۃ سے غیر اسلامی ٹیکس وغیرہ مراد لینا
درست نہیں اور اگر آپ اجازت دیں میں کہوں گا کہ لفظ اللہ کی شرح بھی اب

صرف وہی ہے جو اسلام نے متعین کر دی ہے، دوسری زبانوں میں اللہ کے مترادف الفاظ مثلاً God یا ایشور وغیرہ کو اللہ کے معنوں میں استعمال کرنے کا میں قائل نہیں، اس کے بعد عہد عباسی میں بغداد کے دارالترجمے میں یونانی اور سنسکرت کی کتابوں کے عربی ترجمے کے وقت اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ:

Aristotle کے لیے ارسطا طالیس Plato کے لیے افلاطون Rhetoric کے لیے بطریقہ اور پھر خطابتہ اور پھر بلاغتہ اسی طرح Arithmatic کے لیے ارثماطیقی اور پھر حساب Geometry کے لیے جیومطریقا اور پھر ہندسہ، اس طرح سنسکرت میں کرن پھول کے لیے قرنفل، ورشاکال سے ورش غال اور پھر برشغال وغیرہ عربی الفاظ وضع کیے گئے (واضح ہو کہ سنسکرت سے بنائے ہوئے یہ الفاظ عہد جاہلیت میں بھی ملتے ہیں) اور اب بیسویں صدی میں مغربی آثار و تمدن نے ایک بار پھر عربی لغت کو تیزی سے نئے الفاظ وضع کرنے پر مجبور کر دیا ہے، لیکن آج کے طرزِ وضع اور عباسی دور کے طرز میں فرق ہے، اس فرق کو مشہور مصری مترجم اور مصنف استاذ اسماعیل مظہر کی زبان سے سنیے:

"لیکن یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ان حضرات نے عربی کے مزاج سے ہم آہنگ الفاظ ترجمے کے لیے تراشے تھے، اس لیے آج مغربی الفاظ و اصطلاحات کے سلسلے میں بھی ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ عربی اصطلاحات بناتے وقت لفظ کے معنی کو اس حد تک قریب کر دیں کہ وہ محدود اور متعین ہو جائے جیسا کہ ماضی میں ہمارے اسلاف نے فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ اور ریاضیات

وغیرہ کی اصطلاحات متعین کرتے وقت کیا تھا۔ ۔ ۔
لیکن آج تعریب کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس میں ان
امور کی رعایت نہیں کی جا رہی ہے، چنانچہ عامیہ کے
الفاظ ادب میں داخل کر لینا، اسی طرح غیر عربی
الفاظ کو بجنسہٖ نقل کر لینا عام ہو گیا ہے، اس سے
احتراز کرنا مناسب ہے۔" ؂۲

یہ پہلا نظریہ ہے، جو زبان کے خالص کرنے پر زور دیتا ہے، لیکن خالص عربی کے ہمدرد سر ٹپک کر رہ گئے۔ ہوا وہی جو ہونا تھا، کیوں کہ مغربی آثار و تمدن نے عربی کے سامنے ایسے ایسے مسائل رکھ دیے جو عربی میں پہلے سے نہیں مثلاً سائنس و ٹکنولوجی، طب و نفسیات وغیرہ کے مسائل و مصطلحات یا یہ کہ عرب تہذیب میں وہ باتیں نہ تھیں، مثلاً یورپین ممالک سے آئے ہوئے تہذیبی آثار اور یہ اضافات اس تیزی سے ہوتے چلے گئے کہ سوچنے کا وقت کم تھا، اس لیے زبان کو عالمی مسائل کے قابل بنانے کے لیے اہلِ قلم عرب کی ایک معتدبہ جماعت اس حق میں ہے کہ یورپین الفاظ بجنسہٖ عربی میں استعمال کر لیے جائیں، یہ دوسرا نظریہ ہے، آپ عربی کا کوئی اخبار اٹھا لیں فی صفحہ کم و بیش پچاس الفاظ ایسے ضرور مل جائیں گے جو عربی عبارت کی برادری میں مہمان نظر آئیں گے، تکنولوجی، آتومیٹک، استراتیجی، ہوتل، استاسون، تکنیک، تلغراف، تلیفزیون، الیکترونیک، رادیو، بنک وغیرہ سامنے کی مثالیں ہیں۔

یہ تھا عالم عرب کا ایک سرسری جائزہ جس سے حسبِ ذیل نتائج نکلتے ہیں:-

۱۔ الفاظ کے معانی میں حیرت انگیز وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

کس لفظ نے اپنا قدیم لباس اتار کر اب نیا لباس پہن لیا ہے، یہ بتانا اس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ زبان پر مسلسل نظر نہ ہو۔

لفظ	قدیم استعمال	جدید استعمال
اجازہ	اجازت	تعطیل، رخصت، سند وغیرہ
اشارہ	اشارہ	نشان، علامت، ٹرین کا سگنل وغیرہ
اشاری	اشارے والا	سگنل مین
صحف	آسمانی کتابیں	روزنامہ
تصویت	آواز نکالنا، آواز دینا	بذریعہ آواز ووٹ دینا
اقتراع	قرعہ اندازی	ووٹ بذریعہ طریقہ مروّجہ
مدمرہ	تباہ کن	تباہ کن جہاز
غواصتہ	غوطہ خور (مؤنث کے لیے)	آبدوز
تشریح	تشریح کرنا، کھول کھول کر بیان کرنا	پوسٹ مارٹم
مشروع	شریعت کی طرف سے لگایا ہوا قانون	پروجیکٹ۔ اسکیم وغیرہ۔
علم	جانکاری	سائنس
عالم	جانکار	سائنس دان
محفظتہ	حفاظت گاہ۔ بستہ وغیرہ	کیپ سول
استاذ	استاذ	پروفیسر (صرف)
ہاتف	غیبی آواز	ٹیلیفون

میں نے بالکل سامنے کی یہ چند مثالیں پیش کی ہیں، ورنہ حال یہ ہے کہ خالص اُدلی الفاظ کو چھوڑ کر کوئی لفظ ڈکشنری میں دیکھیں اس کے کم از کم ایک درجن معانی اور مواقع استعمال ایسے مل جائیں گے جو زبان میں اضافے کی حیثیت کے ہوں گے اور اس سے زیادہ نازک صورت حال یہ ہے کہ قدیم معانی اب عموماً متروک ہوتے جا رہے ہیں، چنانچہ علم اور عالم کے الفاظ اب سائنس اور سائنس دان کے ساتھ تقریباً مخصوص ہو چکے ہیں، ویسے ہی استاذ سے اب صرف پروفیسر ہی سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ جدید اصطلاحات اور الفاظ ہر جگہ بالکلیہ تسلیم شدہ نہیں ہیں۔ مثلاً ٹیلی فون سیٹ کے لیے تلفاز، Intuition کے لیے حدس، گراموفون اور فونوگراف کے لیے محدث Fuse، کے لیے حارزہ، اسٹوڈیو کے لیے محترف، سیفٹی ریزر کے لیے آلہ الحلاقہ وغیرہ، طب اور سائنس کے مختلف شعبے اور تکنولوجی کی مصطلحات اسی ضمن میں آتی ہیں، اس لیے اس کی ضمانت بہت مشکل ہے کہ آپ نے جو لفظ جس مفہوم کے لیے استعمال کیا ہے، اس سے آپ کا مخاطب بھی وہی سمجھے گا، اب اس مشکل پر قابو پانے کے لیے یعنی ایسی اصطلاحات وضع کرنے کے لیے جو ہر ملک کے لیے یکساں طور پر تسلیم شدہ ہوں خاص توجہ دی جا رہی ہے، رُباط میں مکتب التنسیق و ترجمہ کا قیام اس کوشش کی عملی شکل ہے۔

۳۔ مقامی بول چال میں استعمال ہونے والے الفاظ اور اس طرح کورٹ، دفاتر، سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی اصطلاحات بھی ہر ملک میں الگ الگ ہیں۔ اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے جس لفظ کا عراقی استعمال کیا ہے مصر میں اس کا دوسرا ہی مفہوم لیا جائے، محکمہ دفاع اور محکمہ قانون یعنی فوج اور عدلیہ کی تمام اصطلاحات اس ضمن میں آتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ صرف تین

مجلس، محکمہ اور ادارہ لیں، اور مصطلحات کی یا پھر کسی عام عربی انگریزی ڈکشنری میں ان الفاظ کے مواقع استعمال دیکھیں۔ آپ کو مشکلات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا اور اس طرح کے تغیرات موجودہ صدی میں عربی زبان میں کچھ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آج کی عربی کا نام جدید عربی رکھ دیا گیا ہے، زبان کے قواعد نہیں بدلے اصول جو تھے وہ اب بھی ہیں اگر کوئی تبدیلی ہوئی تو وہ اب بھی غیر معیاری ہے، پھر جدیدیت نام کس کا ہے۔ جدیدیت صرف الفاظ و معانی کے انہی عظیم والشان تغیر و تبدل کا نام ہے۔

O

حواشی

۱- دیباچہ قاموس الادارہ - بیروت مکتبہ لبنان (۱۹۷۶ء)
۲- مقدمہ کتاب الفرید فی المصطلحات -

○

انجم راشدہ تلمیذ

جدید عربی میں انگریزی اصطلاحات کی تعریب

عربی زبان کی وسعتوں کا اندازہ کرنے کے لیے لاکھوں نہیں کروڑوں سطور کی
ت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود لفظ کی حدود پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ علوم کی
ت کے ساتھ ہی نئے نئے الفاظ اور اصطلاحیں وجود میں آ رہی ہیں۔ ضروری
کہ ان اصطلاحات کے لیے منابع اور مصادر عربی زبان میں موجود ہوں۔ چنانچہ
کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں ایک اور اصول کارفرما رہتا ہے۔ وہ
دکرنا، یا تعریب کہلاتا ہے۔ یعنی غیر عرب الفاظ کو عربی میں اپنا لینا۔ جدید
زبان اس لحاظ سے وسعت پذیر ہے کہ اس میں نئے نئے الفاظ اپنائے جا رہے
اور یہ کوئی نیا اقدام نہیں۔ ماضی میں بھی جب یونانی علوم عربی میں ترجمہ ہوئے
اصطلاحیں بھی معرّب کر لی گئیں۔ مثلاً میگنٹ کو مقناطیس، پلیٹو کو افلاطون

اور اٹلس کو اطلس وغیرہ ۔ جدید عربی اصطلاحات کی زیادہ تر بھرمار انگریزی سے
رہی ہے ۔ اس لیے تعریب کا ذریعہ یہی زبان ہے ۔

تعریب کے لیے جدید عربی کے زبان دانوں نے جو وجوہات بیان کی
ان میں ایک سب سے بڑی وجہ ترجمہ کا نہ ہو سکنا ہے ۔ دنیا کا کوئی لفظ
کسی دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے کہ ہر زبان کے لفظ کا ا
ایک مفہوم اور ثقافتی پس منظر ہوتا ہے جو دوسری زبان کے لفظی مترادف
میں نہیں پایا جاتا ۔ سب سے زیادہ مشکل سائنسی اور تکنیکی الفاظ کے ساتھ پیش
آتی ہے ۔ نیز ایک اور اصول بھی کارفرما ہے اور وہ ہے بین الاقوامیت
عربی زبان کے یہ جدید اہلِ زبان نہیں چاہتے کہ اپنی لسانی عصبیت کی بنا پر
وہ دنیا سے کٹ کر رہ جائیں ۔ چنانچہ ذریعۂ اظہار بھی اپنی زبان رہتی ہے اور
الفاظ بھی اپنے ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً ریڈیو کو انھوں نے رادیو بنا لیا ہے ۔ ٹیلیفون کو تل
اور ٹیلی ویژن کو تیلی فزیون وغیرہ ۔

اردو اصطلاح سازی کا عمل اس اصول سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔
اصول پہلے سے اردو زبان میں موجود بھی ہے ۔ جسے تارید یا اردوانا کہتے ہیں
نیز بہت سے مغربی الفاظ مثلاً بالٹی ، صابن ، تیل ، تولیہ وغیرہ پہلے ہی
اردو کر لیے گئے ہیں ۔ اور آج یہ اردو ہی کا حصہ نظر آتے ہیں ۔ اردو زبان کو
عربی پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس میں پ ، ٹ ، ڈ ، گ وغیرہ کا
تلفظ ادا ہو سکتا ہے ۔ جو عربی میں ادا نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے ہمیں
ریڈیو کو رادیو کہنے کی ضرورت نہیں ۔

ذیل میں چند ایسے تعریب شدہ یعنی معرّب عربی الفاظ کی فہرست دی جا
ہے جو جدید علمی زبان میں کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں اور انہیں "المورد

ت کے مرتبین نے بہت غور و خوض کے بعد شاملِ لغات کیا ہے :

Acre	الاکر
Acreage	الاکریہ
Aerial	ایئری
Album	آلبوم
Alembic	الانبیق
Alkali	قلی
Alpine	البینی
Ultimatum	الالتمیز
Altitude	الالتو
Alumina	الالومینا
Aluminium	الالومینیوم
Amocba	الامیبہ
Ampcre	الامبیر
Anachronism	الانا لولیون
Anaconda	الانا کنڈہ
Anaemia	الاینمیہ
Anilline	الانیلین
Anise	انیون
Anisced	الانیون
Argon	الارغون

Armada	آرمادہ
Armadillo	المدَرّع
Armenian	آرمنی
Aryan	آری
Asia	آسیا
Aspirin	الاسبیرین
Assyrian	آشوری
Asthma	آستمہ
Astrolabe	الاسطرلاب
Atlas	الاطلسی
Azalea	الازالیہ
Azure	الازوردی
Ballerina	السابیرینا
Baccalaureate	بکالوریا
Balsam	بُلسم
~~Baltic~~	البلطیک
Banjo	البانجو
Bantam	البنطم

فارسی

ڈاکٹر مہر نور محمد
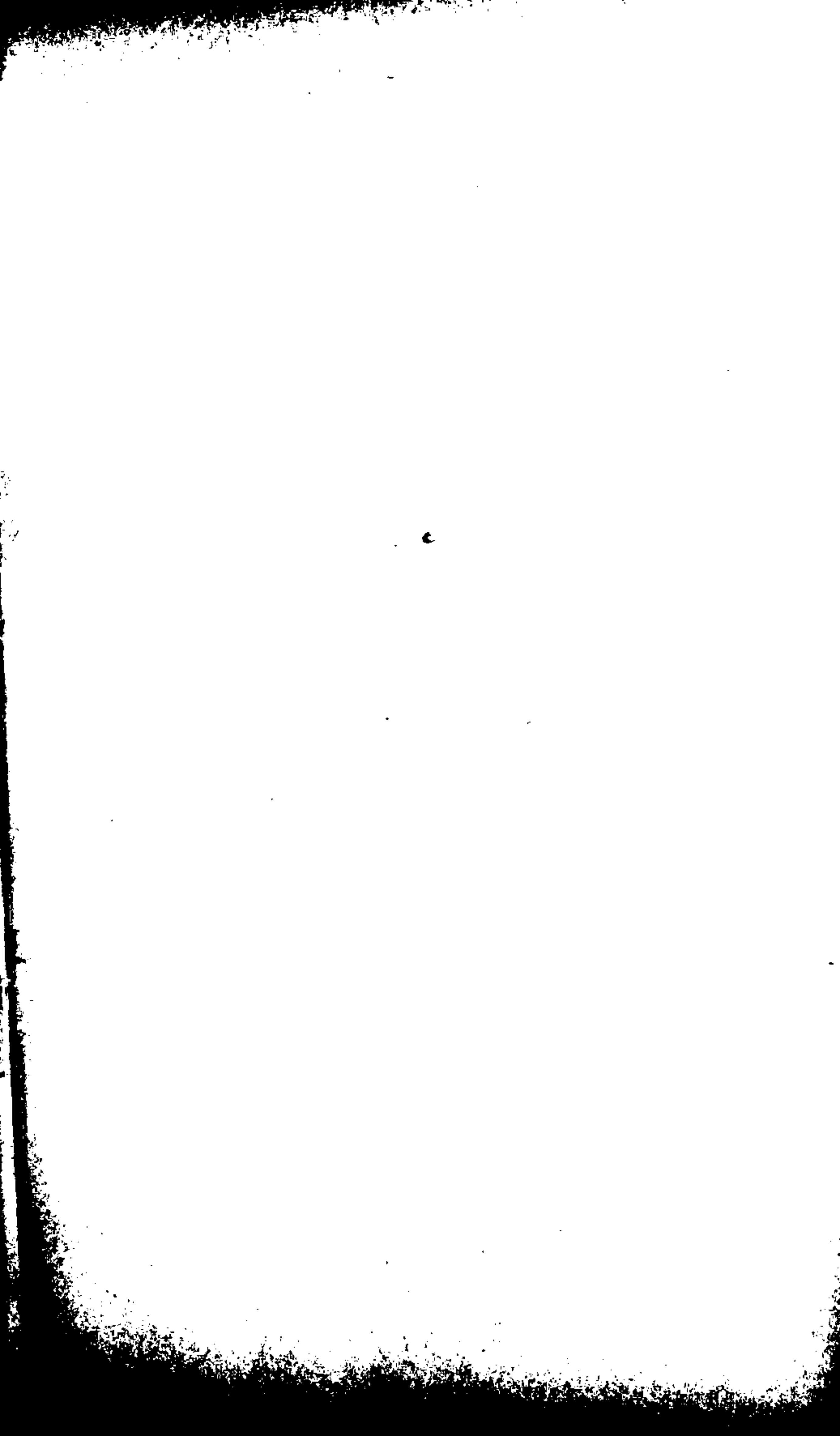
ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول

بنو امیہ اور بنو عباس کے دورِ خلافت میں جب اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر مشرق میں وسط ایشیا اور مغرب میں ہسپانیہ کی سرحدوں تک جا پہنچا۔ اس وقت عربی زبان کو جو قرآنی زبان تھی۔ اسلامی دنیا بشمولہ ایران علمی اور سرکاری زبان کا درجہ حاصل تھا۔ ایران کے ادیب اور دانش ور اپنی تالیفات و تصنیفات کو اکثر بیشتر عربی زبان ہی میں زیورِ تحریر سے آراستہ کرتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے شروع میں فارسی شاعری کا آغاز ہوا، اور اس نے فارسی کی منازل طے کرنا شروع کیا۔ فارسی نثر کوئی ایک صدی بعد ظہور پذیر ہوئی اور بتدریج درجۂ کمال کو پہنچی۔ فارسی زبان میں پہلے ادبی، تاریخی، جغرافیائی اور دینی کتابیں سپردِ قلم ہوئیں۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن سینا نے اپنی کتاب دانش نامہ اور البیرونی نے التفہیم کو فارسی زبان میں لکھ کر ایران میں ایک نئی سرگرمی کا آغاز کیا۔ ان دونوں کتابوں سے فارسی ذخیرہ اصطلاحات و الفاظ میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ان کتب میں

ایسے الفاظ کو جو متداول اور مروّج تھے استعمال کیا گیا اور اس کے علاوہ مروّج الفاظ کو مروج الفاظ کو مجازی طور پر نئے معانی میں بھی استعمال کیا گیا اور نئے مفاہیم کی ضرورت کے پیش نظر فارسی مفرد الفاظ، نئی ترکیبات اور اصطلاحات بھی وضع ہوئیں اور اس طرح فارسی زبان کو علمی مطالب کے ادا کرنے کے قابل بنا دیا گیا خصوصاً بوعلی سینا نے اپنی فارسی اصطلاحات کے دائرہ استعمال کو بہت وسعت دی۔ انہوں نے اس کے لیے مندرجہ ذیل اصول پیش نظر رکھے :۔

۱۔ تغییرِ معنی متداول۔

بہت سے روزمرہ کے مروّج الفاظ کو مجازی معانی میں فلسفیانہ مطالب کے لیے استعمال کیا۔

۲۔ ترکیب و اشتقاق:

الفاظ کو ترکیب دے کر مصادر سے مشتق، نئی اصطلاحات وضع کیں۔

اس کے لیے دو طریق ہائے کار استعمال ہوئے:

ا۔ اصطلاحات جن میں فارسی الفاظ ہی کو آپس میں ترکیب دیا گیا۔

ب۔ فارسی الفاظ کو عربی الفاظ کے ساتھ ملا کر تراکیب و اصطلاحات بنائیں۔

متقدمین میں ابن سینا اور البیرونی کے علاوہ ناصر خسرو، نظامی اور خاقانی نے اس سمت میں اہم خدمات انجام دیں۔

فارسی میں ترجمے اور اصطلاحات سازی کا کام بعد کی صدیوں میں بھی مختلف صورتوں سے ہوتا رہا۔ قاچاری دور میں یورپ کے ساتھ براہ راست روابط کی بنا

پڑی تو اس کا اثر ایران کی تہذیب و ثقافت پر بہت گہرا ہوا۔ اہلِ ایران یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر وہ صنعت و حرفت اور سائنس میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں جدید علوم یورپی اور ٹکنالوجی کو اختیار کرنا ہوگا۔ مغربی علوم کے حصول کے لیے کئی اقدامات کیے گئے۔ اہم ترین یہ تھا کہ تہران میں دارالفنون کی بنیاد رکھی گئی۔ ایران کا دارالفنون مغربی طرز کی پہلی درس گاہ تھی، جس میں غیر ملکی درس گاہوں کے فارغ التحصیل ایرانی اور یورپین اساتذہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس میں عربی فنون، انجینئری، طب، دوا سازی، طبیعیات اور غیر ملکی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اس اہم ادارے میں ایک دارالترجمہ اور دارالتالیف بھی قائم کیا گیا۔ چنانچہ بعض اساتذہ ترجمہ و تالیف کے کام میں لگ گئے۔ علمی، فنی اور صنعتی اصطلاحات و لغات پر مشتمل متعدد کتابیں ترجمہ کر کے شائع کی گئیں۔

ان تراجم کے وسیلے سے مغربی الفاظ و اصطلاحات کی ایک بڑی تعداد فارسی میں رائج ہو گئی۔ بعض نئے مطالب کے لیے جدید اصطلاحات بھی وضع کی گئیں۔ بعض غیر ملکی فنی اصطلاحات کا لفظی ترجمہ کیا گیا۔ بعض فارسی اور یورپی الفاظ کو ملا کر ایسی اصطلاحات بھی وضع ہوئیں جو نئے افکار کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ بعض مترجمین نے تو نئے فارسی مترادفات بنانے کی کوشش بھی کی۔ مثلاً عبدالغفار نجم الملک نے اپنی کتاب جداول لوکارتم کے آخر پر فارسی اصطلاحات کی ایک مختصر سی فہرست بھی درج کی ہے۔

روزناموں کے اجراء، جدید درس گاہوں اور صنعتوں کے قیام کے باعث علمی، فنی اور ادبی کتابوں کا کام وسیع پیمانے پر ہونے لگا۔ دورِ مشروطیت

میں اس کام میں بیش از بیش اضافہ ہوا۔ اور فارسی زبان غیر ملکی الفاظ و
اصطلاحات کے سیلاب کی زد میں آ گئی۔ اب یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ
سیلاب فارسی زبان کی عمارت ہی کو تہ و بالا نہ کر دے۔ اس لیے بعض زبان شناسوں
نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے مغربی الفاظ کے حملے کا سدباب کرنے کی
کوشش کی۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ایرانی فارسی کتابوں میں درج الفاظ کا
انتخاب اور غیر ملکی کلمات کے فارسی مترادفات وضع کرنے شروع کیے۔ اس
کے لیے کچھ دانش وروں نے تہران اور دوسرے شہروں میں انجمنیں بنائیں۔ یہ
سب کچھ انفرادی سطح پر ہوا۔ حکومت کی سطح پر اس بارے میں کسی سعی کا پتہ
نہیں ملتا۔

پہلوی دور حکومت میں البتہ فرہنگستان کے قیام سے پہلے دو تین مواقع پر
کچھ اس سمت میں اقدامات کیے گئے۔ ۱۹۲۴ء میں فوج کو جدید خطوط پر ڈھالنے
کی کوشش ہوئی تو نئی اصطلاحات کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ چنانچہ وزارتِ
دفاع نے وزارتِ تعلیم کے ساتھ خط و کتابت اور مذاکرات کیے، فیصلہ کیا گیا
کہ دونوں وزارتوں کے نمائندوں کی ایک انجمن قائم کی جائے۔ جس کا کام یہ ہو
کہ وہ نئی اصطلاحات وضع کریں۔ اس انجمن کا پہلا اجلاس ۱۹ نومبر ۱۹۲۴ء
کو وزارتِ دفاع میں ہوا، اور اسی سال کے آخر تک ہفتے میں ایک بار
ان اجلاسوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے میں تین سو سے زائد اصطلاحات
وضع ہوئیں۔ اس کا طریقہ کار مندرجہ ذیل تھا:

ضروری اصطلاحات فرانسیسی زبان میں لکھ کر ہر ایک
رکن کو بھجوا دی جاتیں، وہ اپنے ذوق اور صوابدید

> کے مطابق فرانسیسی الفاظ کے سامنے فارسی الفاظ لکھ
> کر انجمن میں بھیجتے۔ اجلاس میں ہر لفظ پر مفصل بحث
> ہوتی۔ ہر رکن اپنی رائے کا اظہار کرتا اور آخر میں بڑی
> بحث و تمحیص کے بعد کسی ایک اصطلاح کو منتخب
> کر لیا جاتا۔

ان اصطلاحات کا تعلق ہوابازی، انجینئری، فوج، توپ خانہ، نظام فوج مشینری، جنگی آلات وغیرہ سے تھا اور آج بھی اس انجمن کی منظور کردہ اصطلاحات من وعن رائج ہیں۔

۱۹۳۲ء میں ٹیچرز ٹریننگ کالج میں متعدد انجمنیں قائم ہوئیں مثلاً انجمن ورزش انجمن سالنامہ، انجمن کتاب خانہ، انجمن نطق و مناظرہ اور انجمن وضع لغات و اصطلاحات علمی۔ یہ آخر الذکر انجمن ۱۹۴۰ء تک قائم رہی۔ ہفتے میں ایک دن چند طلبا (جن کی تعداد ۲۵ سے ۵۰ تک ہوتی) ایک جگہ بیٹھ کر یہ خدمت انجام دیتے طلبا کی راہنمائی کے لیے ٹیچرز ٹریننگ کالج کے پرنسپل کی طرف سے ایک استاد مقرر تھا۔ انجمن کے مختلف شعبے تھے مثلاً شعبہ علوم طبیعی، شعبہ ریاضیات، شعبہ طبیعیات و کیمیا، شعبہ ادبیات و فلسفہ، انجمن کا اصطلاحات کا طریق کار یہ تھا کہ:

> ہر شعبہ ٹریننگ کالج کی لائبریری کی مختلف کتابوں کا
> مطالعہ کر کے، اپنے اپنے شعبے سے متعلق الفاظ کا
> انتخاب کرتا تھا۔ بحث و مباحثہ کر کے یہ ذیلی مجالس
> اپنی تجاویز انجمن میں بھجوا دیتیں۔ انجمن رسمی اجلاس
> میں مختلف شعبوں کی طرف سے بھیجی گئی تجاویز پر غور و

غوض کرتی جو اصطلاح یا لفظ انجمن کی طرف سے منظور کیا جاتا اسے مشتہر کر دیا جاتا تاکہ سب طلبا ران کے بارے میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ انجمن کی طرف سے منظور شدہ الفاظ کو ملک کے معروف اساتذہ اور ادیبوں کے پاس بھی بھجوا دیا جاتا تھا اور ان سے درخواست کی جاتی کہ وہ اپنی آرار سے مقررہ مدت کے اندر آگاہ کریں۔ مدت گزر جانے کے بعد ہر لفظ کے بارے میں مختلف آرار کی از سر نو چھان بین کی جاتی اور ان کے بارے میں آخری فیصلہ کیا جاتا۔ اس طرح وہ جن اصطلاحات کی منظوری دیتی انہیں مخصوص رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا۔

ٹیچرز ٹریننگ کالج کے آئین کے مطابق الفاظ و اصطلاحات وضع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل بنیادی اصول تھے :۔

۱۔ فارسی گرائمر کا لحاظ۔

۲۔ سادگی اور اختصار کا خیال۔

۳۔ فارسی مترادف نہ ملنے کی صورت میں بین الاقوامی اصطلاح کا انتخاب۔

۴۔ متداول اصطلاحات کی حفاظت (Preservation) ماسوائے ایسے الفاظ جو صحیح نہ ہوں یا ان کے مقابلے میں زیادہ موزوں لفظ موجود ہوں۔

انجمن کے آئین کے مطابق ہر ماہ ایک بار لسانیات کے ماہر اساتذہ انجمن میں اپنے مقالات پڑھتے ۔ طلبار کے لیے بھی ضروری تھا کہ اپنے اپنے علاقوں میں رائج الفاظ اکٹھے کر کے انجمن کے حوالے کریں ۔ ایک سال میں تقریباً تین سو پچاس الفاظ جمع کیے گئے اور ۴۵ علمی اصطلاحات کی کھلے اجلاسوں میں منظوری دی گئی ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۰ء تک تین ہزار اصطلاحات وضع ہوئیں اور ان کی قسم بندی کی گئی ۔ چار سو اصطلاحات کو یونیورسٹی اور سکول کے اساتذہ نے اپنی کتابوں اور درس و تدریس میں استعمال کیا ۔

فرہنگستان کے قیام کے بعد بھی اس انجمن نے اپنے کام کو جاری رکھا ۔ اب اس کی منظور کردہ اصطلاحات فرہنگستان کے سیکرٹریٹ بھیجی جاتی تھیں ۔ تاکہ فرہنگستان کے مختلف کمیشنوں میں انہیں استعمال میں لایا جائے اور توثیق کی جائے ۔

قیام فرہنگستان سے تقریباً پانچ ماہ قبل ۱۹۳۴ء میں وزارت تعلیم نے منصوبہ تیار کیا کہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین پر مشتمل انجمنیں تشکیل دی جائیں چنانچہ اس کام کو ایک "طبی اکیڈمی" قائم کر کے شروع کیا گیا ۔ اس منصوبے پر غور و خوض کے لیے ملک کے نامور ڈاکٹروں اور میڈیکل کالج کے اساتذہ کے متعدد اجلاس ہوئے جہاں اکیڈمی کے مترادف کے طور پر "فرہنگستان" کا نام اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا ۔ فرہنگستان طبی کا ایک آئین بھی بنایا گیا جس کے مطابق طے پایا کہ یہ طبی مجلس مندرجہ ذیل امور کے بارے میں اقدامات کرے گی :-

۱۔ درسی اور غیر درسی کتابوں کا ترجمہ و تالیف ۔

۲۔ طب اور دواسازی سے متعلق فرہنگ کی تیاری اور طبی اصطلاحات کی جمع و تدوین ۔

۳۔ ایسی نئی طبی اصطلاحات وضع کرنا جو پہلے فارسی میں موجود نہیں ہیں۔

۴۔ مفید طبی مقالات کی تیاری اور اشاعت۔

۵۔ ایسی جڑی بوٹیوں کے طبی خواص کے بارے میں تحقیق، جو ایران میں پائی جاتی ہیں۔ ہر ایک کے فوائد کی تفصیل کا اندراج اور دوا سازی کا طریقہ کار اور اس کی اشاعت۔

۶۔ ایسے افراد کو جو طب اور صحت کے بارے میں فارسی میں مفید مقالات تحریر کریں۔ انعامات اور مخصوص تمغے عطا کرنا۔

۷۔ صحت کے انفرادی اور اجتماعی امور سے وابستہ افراد کے ساتھ حسب ضرورت تعاون اور میڈیکل کالج کے فارغ التحصیل طلبار کے تحقیقی مقالات کی تیاری میں راہنمائی۔

۸۔ طب کے قدیم اور نایاب مخطوطات کو جمع کرنا اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرنا۔

۹۔ غیر ملکی طبی کمیٹیوں کے ساتھ مسلسل رابطہ استوار کرنا اور ان کی مطبوعات کی تلاش و فراہمی۔

۱۰۔ مختلف طبی شعبوں میں نئی ایجادات و اختراعات کا تفصیلی جائزہ اور ملکی اطبار کے استفادہ کے لیے حاصل شدہ نتائج کا اعلان۔

ان مقاصد پہ ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کتابوں کا ترجمہ و تالیف، فرہنگوں کی تیاری، لغات و اصطلاحات کو اکٹھا کرنا اور علوم و فنون کے

مختلف شعبوں سے متعلق نئی اصطلاحات کے وضع کرنے پر خاص توجہ دی گئی تھی۔ انہی ایام میں جب کہ ابھی فرہنگستان طبی کا آئین منظوری کے مراحل سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ۱۹۳۴ء کے آخری چند مہینوں میں اچانک زبان و لغت اور طرز تحریر کی اصلاح کے سلسلے میں انتہا پسندانہ نظریات ظہور پذیر ہوئے اور مختلف عوامل و اسباب نے مل کر زبان و ادب فارسی کے لیے بڑے تشویش ناک حالات پیدا کر دیے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فارسی زبان کی ترقی کے بعض مشتاق حضرات کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ایسے مطالب کے لیے آج جن کے لیے فارسی میں اصطلاحات نہیں ہیں، نئی اصطلاحات وضع کی جائیں۔ لیکن اس ضمن میں جو کام انجام دیا گیا عموماً غیر منظم تھا۔ نیز صحیح قواعد و ضوابط اور ذوق سلیم کے مطابق بھی نہیں تھا۔ ہر ایک نے اپنا اپنا راگ الاپا اور ہر ایک نے اپنی ہی فہم و فراست کے مطابق اصول بنا لیے۔ تحریک کے علمبرداروں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو چاہتے تھے کہ عربی کے ان الفاظ و اصطلاحات جو ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے فارسی کا حصہ بن چکے تھے نکال باہر کیا جائے۔ ان کی جگہ نئے الفاظ وضع کیے جائیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ وبا اخبارات اور سرکاری دفاتر میں بھی سرایت کر گئی اور آہستہ آہستہ یہ دل لگی سنجیدہ صورت اختیار کر گئی۔ خالص فارسی (فارسی سرہ) کے حامیوں نے تہیہ کر لیا کہ نئی اصطلاحات دفتری خط و کتابت میں رائج کر دی جائیں۔ بیشتر وزارت خانوں اور حتیٰ کہ مجلس شوریٰ میں بھی خالص فارسی کے حامیوں نے ایسے جعلی الفاظ بنا لیے کہ اور اس جناتی زبان کے ساتھ مراسلت شروع کر دی سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں کے اندر لغت سازی کا کام کسی ایک اصول یا ضابطہ کے تحت نہیں تھا۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ کبھی کبھی سرکاری ادارے اپنی

رسمی خط و کتابت میں بھی ایک دوسرے کا مدعا سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اس زمانے میں اس گروہ کو حکومت اور بادشاہ کی تائید حاصل نہیں تھی۔ لیکن ۱۹۳۴ء کے اختتام سے پہلے وہ یہ تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب فارسی کو غیر ملکی زبانوں کے اثر سے پاک کرنے کا بہانہ شاہی رضامندی کے سہارے زیادہ حادی ہوگیا۔

شاہ نے فرمان جاری کر دیا کہ غیر ملکی فوجی کلمات و اصطلاحات کے مترادفات کا چناؤ اور دیگر اصطلاحات کی چھان پھٹک کے لیے وزارتِ دفاع میں فوری طور پر ایک بورڈ تشکیل دیا جائے اور دوسرے وزارت خانوں کے تعاون سے اس اہم خدمت کو انجام دیا جائے۔ وزارتِ دفاع کے کمیشن نے فوراً کام شروع کر دیا وزارتِ تعلیم اور دوسرے وزارت خانوں سے نمائندے بھیجنے کے لیے کہا گیا کمیشن نے انتہا پسندی اور عجلت سے کام لیتے ہوئے کوشش کی کہ نہ صرف فوجی اصطلاحات بلکہ دوسری اصطلاحات لغات کے سلسلے میں بھی ایسی ہی منظوری حاصل کرلی جائے اور فی الفور سرکاری دفاتر میں نافذ کرنے اور جرائد میں نشر و اشاعت کا اہتمام بھی کیا جائے۔

وزارت تعلیم نے مزید وقت ضائع کیے بغیر وزیر اعظم جناب محمد علی فروغی کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وزیر اعظم نے شاہ سے ملاقات کر کے تجویز داغ دی کہ ان امور کے لیے دانش وروں، لغت شناسوں اور محققین پر مشتمل ایک انجمن تشکیل دی جائے۔ چنانچہ اس طرح فرہنگستانِ ایران کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی۔ اس کی تشکیل نے الفاظ سازی کے گوناگوں کارخانوں اور انتہا پسند و غیر قانونی انجمنوں کی بساط لپیٹ دی۔ اب یہ کام سرکاری سرپرستی میں اور یکساں اصولوں کی روشنی میں کیا جانے لگا۔

اپریل ۱۹۳۵ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعے طے پایا کہ فارسی زبان و ادبیات کی حفاظت اور ترقی کے لیے فرہنگستان کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی جائے۔ وزارتِ تعلیم نے فرہنگستان کی تشکیل کے انتظامات کے لیے کئی اجلاس کیے۔ جس میں ملک کے ممتاز دانشوروں کو مدعو کیا گیا۔ ان اجلاسوں میں فرہنگستان کا آئین تیار کیا گیا۔ آئین کو ۱۹ مئی ۱۹۳۵ء کو کابینہ نے منظور کر لیا۔ آئین کے تحت فرہنگستانِ ایران کے مندرجہ ذیل فرائض تھے :۔

۱۔ لغات و اصطلاحات کے ردّ یا قبول کے لیے فارسی زبان میں معیاری فرہنگ کی تدوین۔

۲۔ جہاں تک ممکن ہو زندگی کے ہر شعبہ میں فارسی اصطلاحات و الفاظ اختیار کرنا۔

۳۔ ناپسندیدہ خارجی الفاظ سے فارسی کو پاک کرنا۔

۴۔ فارسی گرامر کی تدوین نو اور فارسی الفاظ کے وضع کرنے یا خارجی الفاظ کو اختیار کرنے یا ردّ کرنے کے اصول و قواعد کا تعین۔

۵۔ مختلف پیشوں اور صنعتوں سے متعلق الفاظ و اصطلاحات کی جمع آوری۔

۶۔ قدیم کتابوں سے الفاظ و اصطلاحات کی جمع آوری۔

۷۔ مقامی علاقائی الفاظ و اصطلاحات، اشعار، ضرب الامثال، قصّوں، داستانوں، ترانوں اور نغموں کو جمع کرنا۔

۸۔ قدیم کتابوں کے بارے میں تحقیق اور ان کی طباعت و اشاعت کے لیے تشویق کرنا۔

۹۔ ادبیات کی حقیقت اور نظم و نثر کی کیفیت سے متعلق افکار کی راہنمائی کرنا۔ ماضی کے ادب سے پسندیدہ کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ کو رد کرنا اور مستقبل کے لیے راہنمائی۔

۱۰۔ ادبی شاہکار تخلیق کرنے کے لیے شاعروں اور ادیبوں کو آمادہ کرنا۔

۱۱۔ فصیح اور مانوس فارسی میں مفید کتابوں کے تالیف و ترجمہ کے لیے دانش وروں کو تیار کرنا۔

۱۲۔ فارسی خط کی اصلاح کے لیے تحقیق و مطالعہ۔

فرہنگستان ایران کے آٹھ ذیلی کمیشن تھے :۔

۱۔ دفتری اصطلاحات کا کمیشن۔

۲۔ عدالتی اصطلاحات کا کمیشن۔

۳۔ علمی (سائنسی) اصطلاحات کا کمیشن۔

۴۔ فارسی زبان کے قواعد (گرامر) کا کمیشن۔

۵۔ لغات (Dictionary) کا کمیشن۔

۶۔ راہنمائی کا کمیشن۔

۷۔ جغرافیائی اور کلچرل اصطلاحات کا کمیشن۔

۸۔ طبی کمیشن۔

ہر کمیشن کے لیے لازم تھا کہ ہفتے میں ایک بار اجلاس عام کرے اور ان اجلاسوں کی کارروائی کی رپورٹ فرہنگستان کے ایگزیکٹو بورڈ کو دی جائے۔ فرہنگستان کی منظوری کے بغیر کمیشنوں کے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی۔ اس ادارے نے بہت سی دفتری اور حکومتی اصطلاحات کو جو عربی تھیں فارسی میں بدل ڈالا اور پھر بعض علمی (سائنسی) اصطلاحات کو وضع کیا۔

اسس ادارے نے اصطلاحات سازی کے لیے مختلف طریقوں سے کام لیا :۔

۱۔ غیر ملکی مغربی اصطلاحات کے مترادفات گھڑنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ Loan Translation کیا جائے یعنی ایک زبان کے کلمات کا دوسری زبان میں لفظی ترجمہ کر لیا جائے۔ ان کے خیال میں جو لفظ فارسی میں موجود نہیں اسے کسی خارجی زبان سے ترجمہ کیا جائے۔ ماہرین اصطلاحات کو تقسیم کر کے اصل زبان کے ہر جُز کے معنی اور مادہ کو معلوم کرتے، پھر ایرانِ قدیم کی زبانوں یعنی اوستائی، فارسی قدیم اور پہلوی میں لفظ کے اجزا کا ترجمہ کر کے ان الفاظ میں باہم ملا لیتے اس طرح فارسی کی ایک نئی ترکیب یا نئی اصطلاح وضع ہو جاتی۔

۲۔ نئے الفاظ کے لیے دوسرا طریقہ یہ استعمال کیا کہ ترکیب و اشتقاق کے طریقہ کا راستہ اختیار کیا جاتا۔ دو علیحدہ معنی والے الفاظ کو باہم ملا کر ایک ایسا تیسرا لفظ بنا لیا جاتا جس کے معنی پہلے والے دونوں معنی سے مختلف ہوں۔ اسس طرح نئے نئے سابقے اور لاحقے بنائے گئے اس طرح کی ترکیب و اشتقاق کے لیے چند مثالیں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سابقہ "باز" اور فعل امر کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

بازپرس	Investigation
بازتاب	Reflex
[illegible]مان	Remnant

سابقہ "باز" اور صفت فاعلی مُرخم کی ترکیب سے اسم فاعل مثلاً :

بازبین — Controller

بازجو — Inevestigator

بازرس — Inspector

سابقہ "پیش" اور فعل امر کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

پیش نویس — Minute

سابقہ "باز" و فعل امر اور یائے مصدری کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

بازرسی — Investigation

بازگیری — Requisition

بازجوئی — Investigation

سابقہ "پیش" و فعل امر اور یائے مصدری کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

پیش بینی — Forecast

پیش گیری — Prevention

سابقہ "وا" و فعل امر یائے مصدری کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

واخواہی — Protest

وارسی — Investigation

واگرائی — Divergence

سابقہ "باز" اور صفت مفعول مُرخم کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

بازداشت — Internment

بازگشت — Restoraton

سابقہ "پیش" اورصفتِ مفعولی مُرخم کی ترکیب سے اسم مرکب مثلاً :

پیش نهاد	Offer
پیشامد	Incident
پیش پرداخت	Advance

لاحقہ "بان" اوراسم کی ترکیب سے :

پاسبان	Constable
دریا بان	Vice-Admiral
زندان بان	Goaler
ناوُبان	Naval Lieutenant

لاحقہ "ستان" اور اس کی ترکیب سے :

بیمارستان	Hospital
تیمارستان	Mental Hospital
شهرستان	District

سابقہ "مند" اوراسم کی ترکیب کے ساتھ :

افزارمند	Artesan
سالمند	Adult
کارمند	Clerk, Official

اسم اورصفتِ فاعلی مُرخم کی ترکیب سے اسم فاعل - مثلاً :

۱ - اسم + دار

استاندار	Governor
توپ دار	Gun Boat

دریادار	Rear Admiral
شہردار	Mayor
فرماندار	Incharge of District Administration
کاردار	Charg d' affairs
مرزدار	Frontier Guard

ب ۔ اسم + سنج مثلاً

آذرسنج	Pyrometer
بادسنج	Anemometer
گرماسنج	Themometer
ہواسنج	Barometer
نیروسنج	Dynamometer

ج ۔ اسم + شناس مثلاً

پرتوشناس	Radiologist
درمان شناس	Therapeutist
زمین شناس	Geologist
کارشناس	Expert
مردم شناس	Antlorpologist
ہواشناس	Metreologist

متعلق فعل اور صفتِ فاعلی مُرخم کی ترکیب سے مثلاً

بالارو	Lift
پایین رو	[illegible]endant

پس رو	Retrograde

دو اسموں کی ترکیب سے اسم مرکب ۔ مثلاً :

ا۔ اسم + خانہ

پرستارخانہ	Infirmary
داروخانہ	Chemist's shop
دبیرخانہ	Secretariat

ب۔ اسم + گاہ

آسایش گاہ	Senctorium
پاس گاہ	Sentinel Post
تیمارگاہ	First-Aid-Post
جامہ گاہ	Wardrobe
درمان گاہ	Slaughter house
زایش گاہ	Clinic
کشتارگاہ	Meternity home

ج ۔ اسم + نامہ

آئین نامہ	Regulations, Rules of Procedure
بخش نامہ	Circular
پایان نامہ	Doctoral Thesis
پیمان نامہ	Agreement
ترازنامہ	Balance Sheet
گواہی نامہ	Diploma Certificate.

فعل امر اور یائے مصدری کے ساتھ :

د ۔ اسم "کار" کی ترکیب سے اسم فعل مثلاً :

کار آموزی	Probation
کار پرِدازی	Management
کارشناسی	Valuation
کارگزاری	Agency
کارگزینی	Office of Employment

فارسی اور عربی کلمات کی ترکیب سے اسمِ مرکب مثلاً :

رایزن	Counsellor
حساب دار	Accountant
صندوق دار	Cashier
قانون گزاری	Legislation
مسکین خانہ	Poor-House
نبض نگار	Sphygmograph

فرہنگستان ایران نے مرکب کلمات وضع کرنے کے ساتھ ساتھ فارسی میں پہلے سے موجود مفرد الفاظ کو نئے معانی دے کر جدید مفاہیم کے لیے استعمال کیا ۔ مثلاً :

بسیج	Mobilization
پرونده	File, dossier
تراز	Balance
گشتی	Patrole
ملوان	Sailor

بایں ہمہ بعض ایسے یورپی کلمات خاص کر فرانسیسی کلمات جو فارسی میں جذب ہو چکے تھے ان کو فرہنگستان نے اسی طرح قبول بھی کر لیا۔ کیونکہ ان کے غیر ہونے کا تصور صرف عربی الفاظ کو نکالنے پر منحصر تھا۔

فرہنگستان نے اس طرح کے پندرہ سو سے زائد الفاظ وضع کیے۔ چونکہ اس ادارے کا بیشتر وقت عربی کلمات کو فارسی زبان سے خارج کرنے اور فارسی مترادفات کے چناؤ کی نذر ہو گیا اس لیے اس کی کوششوں کا زیادہ مثبت نتیجہ نہ نکل سکا۔ اسی طرح فرہنگستان کے کام اور خاص کر اس کے منظور کردہ الفاظ شدید اعتراضات کا نشانہ بنے۔ بالآخر ۱۹۴۰ء میں فرہنگستان توڑ دیا گیا۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان چند برسوں میں اگرچہ فرہنگستان اپنے اہم فرائض تندہی سے انجام دیتا رہا لیکن فارسی زبان کی مثبت خدمت نہ ہو سکی۔ ہاں اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ زمام کار انتشار پسند گروہ کے ہاتھوں سے نکل کر اس کے دائرہ اختیار میں آ گئی اور اس طرح ہزاروں جعلی اور بے بنیاد الفاظ کے روز افزوں سیلاب کی کسی قدر روک تھام ہو گئی۔

انھی ایام میں فرہنگستان کے علاوہ بعض دوسری انجمنوں اور افراد نے اپنے طور پر بھی اصطلاحات سازی جاری رکھی۔ بعض صورتوں میں ان افراد کی مساعی فرہنگستان کے مقابلے میں بہتر بھی رہی۔ ان افراد کے پیش نظر مندرجہ ذیل اصول تھے:۔

۱۔ یہ لوگ نئے الفاظ وضع کرنے کے لیے ترکیب و اشتقاق کی روش کو بروئے کار لاتے۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ اشیاء کے اوصاف کے مطابق نام بنا لیتے مثلاً:

ماہوت پاک کن	Brush
آب خشک کن	Blotting Paper
آب میوہ گیری	Juiceer
نور افگن	Flash-Light

۳۔ تشبیہ سے بھی نئی تراکیب بنانے کے لیے استفادہ کیا گیا۔ اوزار اور روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کے نام تشبیہ کی مناسبت سے وضع کیے گئے۔

۴۔ بعض اوقات اصطلاحات سازی کے لیے طریقۂ قیاس سے بھی کام لیا گیا۔

اور یہاں ان حضرات نے اکثر ٹھوکر کھائی ہے۔ ان بہی خواہان زبان کو یہ معلوم نہ تھا کہ زبان کو قیاس کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جا سکتا۔ زبان پہلے ہوتی ہے اور قواعد بعد میں وضع کیے جاتے ہیں قواعد تو اہلِ زبان کے استعمال کے مطابق بنتے ہیں نہ یہ کہ زبان کو پہلے سے وضع شدہ قواعد کے مطابق ڈھالا جائے۔ لہٰذا ان لوگوں کی کوششیں زبان کی ترقی کے لیے زیادہ فائدہ مند ثابت نہ ہوئیں۔ چونکہ کسی لفظ کی مقبولیت اور رواج کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ زبان کے مطابق وضع ہو اور سماعت پر گراں نہ گزرے، اس کا تلفظ بھی مشکل نہ ہو، بہت سے نئے الفاظ جو وضع کیے گئے انہیں قبول عام نصیب نہ ہوئی اور زبان میں ایک بحران سا پیدا ہو گیا۔

دوسری طرف غیر ملکی الفاظ کا سیلاب جاری تھا اور تیزی سے جاری تھا۔ خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ایران میں صنعتی اور فنی ترقی کے ساتھ ساتھ خارجی کلمات کا عمل دخل بھی بڑھ گیا۔ ہر روز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

۱۹۷۰ء میں صنعت، تعلیم اور سائنس کے میدان میں ملک کی روزافزوں ضروریات کے لیے فرہنگستان زبان کے نام سے نیا ادارہ قائم کیا گیا۔ فرہنگستان کے دو بڑے مقاصد تھے :۔

۱۔ فارسی زبان کے ارفع ثقافتی مقام کی حفاظت اور صنعت، تعلیم اور سائنس کے میدان میں ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تیاری کرنا۔

۲۔ بہتر افہام وتفہیم اور زبان کی ترقی کے لیے ایرانِ قدیم کی زبانوں اور جدید بولیوں سے استفادہ۔

فرہنگستان زبان ایران کے طریقہ رکار کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے :۔

۱۔ تمام تخصیصی (Specialized) شعبوں میں الفاظ کے انتخاب کے لیے "گروہوں" کا قیام۔

ہر گروہ متعلقہ شعبے کے چند ماہرین اور دو تین ماہرین لسانیات پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہفتے میں کم از کم دو گھنٹے کی ایک نشست ہوتی۔ ایسے خارجی الفاظ جن کے لیے فارسی مترادفات کی زیادہ ضرورت تھی، یہ گروہ اس کا تعین کرتا ہر لفظ سے متعلق پوری تحقیق و تدقیق کی جاتی اور ایک یا ایک سے زائد فارسی مترادفات تجویز کیے جاتے۔

۲۔ ہر گروہ تخصیصی الفاظ و لغات کی فہرست مرتب کرتا۔

۳۔ گروہ ہر لفظ کی تعریف (Definition) لکھتا۔

کلمات کی تعریف ایک یا متعدد تخصیصی ڈکشنریوں یا معروف

دائرۃ المعارف کی مدد سے فارسی میں بھی تیار کی جاتی۔

۴۔ ہر علمی شعبے یا اس سے متعلق شعبوں کی اصطلاحات کو "پیشنہاد شما چیست" کے نام سے کتابچوں کی صورت میں شائع کیا جاتا اور اسے اصحاب الرائے کے پاس بھجوایا جاتا۔ اس طرح متعلقہ دانشورون اور ماہرین لسانیات سے تجاویز حاصل کی جاتیں۔ پھر ان اصطلاحات کو مع ان کی تعریف علیحدہ علیحدہ شائع کیا جاتا۔ پورے ایران اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی بھجوایا جاتا اور ایک مقررہ مدت کے اندر تجاویز ارسال کرنے کی درخواست کی جاتی۔

۵۔ تخصیصی کلمات و اصطلاحات کے لیے فارسی میں موجود مترادفات کی جمع آوری۔

۶۔ موجود مترادفات اور اصحاب الرائے افراد کی طرف سے وصول شدہ تجاویز کی چھان بین اور تخصیصی الفاظ کے لیے ایک یا دو مترادفات کا انتخاب۔

۷۔ منتخب کردہ مترادفات کو فرہنگستان کی کونسل میں پیش کرنا اور ان کی چھان بین کر کے کسی ایک قطعی مترادف اصطلاح کا انتخاب۔

۸۔ منتخب کردہ مترادفات کی نشر و اشاعت۔

اصول کار

۱۔ مروّجہ فارسی زبان میں موجود لسانی عناصر سے استفادہ۔

۲۔ مروجہ فارسی زبان کے ناکافی ہونے (Insufficiency) کی صورت میں فارسی میانہ اور فارسی قدیم کے لسانی عناصر سے استفادہ۔

۳۔ عربی الفاظ کو ترک کرنا۔

۴۔ فارسی میں شامل دوسری زبانوں کے الفاظ (جیسے ترکی کے الفاظ) کا اخراج۔

ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاحات پر ترجیح دینے کے اصول

۱۔ اس کا اہتمام کہ لفظ یا مترادف اصطلاح معنی کے لحاظ سے صحیح ہو۔

۲۔ کامل احتیاط کہ لفظ یا مترادف قواعد (گرامر) کی رو سے درست ہو۔

فرہنگستان زبان ایران نے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر مندرجہ ذیل چار مطالعاتی مراکز قائم کیے:۔

۱۔ کلمات و الفاظ کے انتخاب کا مرکز۔

۲۔ فارسی ذخیرۂ الفاظ (Vocabulary) کا مرکز۔

۳۔ فارسی قدیم فارسی میانہ اور علاقائی زبانوں کے مطالعے کا مرکز۔

۴۔ فارسی قواعد کے مطالعہ کا مرکز۔

الفاظ کے انتخاب کے مرکز کو تیرہ گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ فنِ تعلیم (Pedagogy)

۲۔ فوج

۳۔ اقتصادیات و تجارت۔

۴۔ طب (Medicine) اور طبیعی علوم۔

۵ - جغرافیہ
۶ - قانون و انتظامی علوم ۔
۷ - زبان و ادب ۔
۸ - عمرانیات و سیاسیات ۔
۹ - ٹکنالوجی و صنعت ۔
۱۰ - کتاب داری ۔
۱۱ - درسی کتب ۔
۱۲ - تعلقات عامہ ۔
۱۳ - فنون لطیفہ ۔

فرہنگستان زبان ایران نے ۱۹۷۰ء سے لے کر اپنی فعالیت کے دور میں اگرچہ کئی ہزار الفاظ کو دو جلدوں میں جمع کر لیا ۔ لیکن ان میں سے چوّن الفاظ پر مشتمل ایک پمفلٹ جس کا نام "تدریسی الفاظ کے فارسی مترادفات" تھا شائع ہوا جو متعلقہ افراد اور اداروں کو بھیجا گیا ۔ اس کے علاوہ صنعتی الفاظ کے فارسی مترادفات بھی شائع کیے گئے لیکن ان کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی ۔

فرہنگستانِ زبان ایران کی ناکامی کے عوامل میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں :-

۱ - فارسی سرہ کی طرف حد سے زیادہ توجہ ۔
۲ - الفاظ وضع کرنے کے لیے زبان پہلوی ، پارسی باز ستان اور زبان اوستائی پر بھروسا اور نامانوس اور متروک اشتقاق مادوں پر انحصار ۔
۳ - عرب کے مانوس اور ہزار سال سے مستعمل مروج الفاظ کو فارسی سے نکال باہر کرنے کے عمل سے وقت ضائع ہوا ۔

۴۔ مترادفات وضع کرتے وقت، عربی مادۂ اشتقاق سے کنارہ کشی اور فارسی دری کے لسانی عناصر سے بھی روگردانی۔

۵۔ تحریری صورت میں مدون اور مرتب اصول و ضوابط کی غیر موجودگی اور منتخب کردہ اصطلاحات کو مقبول بنانے میں ناکامی۔

۱۹۷۹ء میں ایران اسلامی انقلاب سے دوچار ہوا اور جمہوریہ اسلامیہ وجود میں آئی۔ انقلاب کے بعد بارہ فاؤنڈیشنوں اور تحقیقی و علمی اداروں کو منجملہ فرہنگستان زبان ایران کے ایک نئے ادارے میں ضم کر دیا گیا جس کا نام موسسۂ مطالعات و تحقیقات فرہنگی قرار پایا۔ اس ادارے کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:۔

۱۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ و تحقیق۔

۲۔ اسلامی ثقافت و معارف سے ملت ایران اور دنیا کی دوسری اقوام کو روشناس کرانا۔

۳۔ دوسری اقوام و ملل کے تہذیب و تمدن و ثقافت کا مطالعہ اور تحقیق اور باہمی تعلق۔

۴۔ انسانی علوم (Human Sciences) اور ان کی بنیادوں سے متعلق بطور عمومی تحقیق۔

۵۔ زبان و ادبیات ایران کا بطور خاص مطالعہ و تحقیق اور غیر ملکی فارسی کلمات کو غیر ملکی الفاظ و اصطلاحات کی جگہ دینے کے لیے راستہ ہموار کرنا۔

۶۔ تاریخ اسلام و ایران کا مطالعہ و تحقیق۔

۷۔ حکیمانہ اور فلسفیانہ کتابوں کا بطور عام اور اسلامی کتابوں کا بطور خاص مطالعہ و تحقیق۔

موسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی کی موجودہ سرگرمیاں انسانی اور اجتماعی علوم کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ اس وقت تحقیقی شعبے میں اجتماعی علوم، ادب فرہنگ ولغات اور عربی ادب کے متون کی تصحیح، لسانیات اور قدیم زبانوں، فلسفہ، تاریخ اور آرٹ سے متعلق کام جاری ہے۔ دوسرے شعبوں میں ضروری تیاریاں کی جارہی ہیں۔

ادارے کے پاس اس وقت تین لائبریریاں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ مرکزی کتاب خانہ جو ادارے کی اپنی عمارت میں واقع ہے۔ اس لائبریری میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں اور اتنے ہی علمی و ادبی مجلے موجود ہیں۔

۲۔ انجمن فلسفہ کی لائبریری، جس میں کوئی سات ہزار فلسفہ کی کتابیں موجود ہیں۔

۳۔ مرحوم مجتبیٰ مینوی کا کتاب خانہ جس میں اندازاً سترہ ہزار ادب اور تاریخ کی کتابیں ہیں۔

موسسہ مطالعات وتحقیقات فرہنگی کے اندر یا زیر نگرانی انفرادی یا گروہی صورت میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیق جاری ہے:-

۱۔ دائرۃ المعارف و فرہنگ نویسی (۲۴ موضوعات)

۲۔ ایران کے اسلامی تمدن سے متعلق قدیم متون کا ترجمہ و تصحیح (۱۳ موضوعات)

۳۔ الفاظ کا انتخاب اور قدیم زبانوں پر تحقیق (۱۲ موضوعات)

۴۔ فلسفے کی کتابوں پر تحقیق (۲۴ موضوعات)

۵۔ تاریخ کی کتب اور دستاویزات پر تحقیق (۹ موضوعات)

۶۔ مغربی تہذیبوں اور ثقافتوں کی شناخت پر تحقیق (۲۰ موضوعات)

۷۔ فارسی زبان اور اس کے قواعد پر تحقیق (۷ موضوعات)

ادارے کی ان سرگرمیوں سے پتہ چلتا ہے کہ الفاظ و مصطلحات کا انتخاب اور وضع کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ چنانچہ موسسۂ مطالعات و تحقیقات فرہنگی نے سابقہ تجربوں کی بنیاد پر اور ان تجربوں کے دوران ابھرنے والی خامیوں اور خوبیوں کے پیشِ نظر اس بات کی کوشش کی ہے کہ انتخاب الفاظ کے کام کو (جس کی انقلاب کے بعد پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے) حتی الوسع آگے بڑھایا جائے۔ جو اقدامات کیے گئے ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ادارے کے محققین اور صاحب الرائے کی طرف سے مصطلحات کے انتخاب کے اصول و ضوابط کی ترتیب و تدوین اور ان کے بارے میں تجاویز حاصل کرنا کہ اصول و ضوابط وضع کرتے وقت کوشش کی جائے کہ درج ذیل چار سوالوں کا جواب مل سکے۔

سوالات

۱۔ کون سے مغربی (Western) الفاظ کی مترادفات یابی ضروری ہے یا قابل ترجیح ہے؟

۲۔ منتخب مترادفات کن خصوصیات کے حامل ہوں۔

۳۔ مترادفات کے انتخاب اور وضع کرنے کے لیے ہماری زبان میں کتنا مواد موجود ہے اور مروج ہونے کے امکانات کیا ہیں؟

۴- مذکورہ بالا سوالات کے جوابات کی مدد سے تدوین شدہ اصول و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے، مترادفات کلمات کے انتخاب کا کیا طریق کار ہے؟ -

جوابات

پہلا سوال :- کون سے مغربی الفاظ کی مترادف یابی ضروری ہے یا قابل ترجیح ہے؟-

ا - سکولوں اور یونیورسٹی سطح تک علمی و فنی اصطلاحات -

ب - ہر قسم کے وہ مغربی الفاظ جو حال ہی میں زبان میں داخل ہوئے ہیں -

ج - ایسے مغربی الفاظ جو کسی ایک ثقافت کے باطنی امور اور غیر مادی عناصر پر دلالت کرتے ہوں -

د - ایسے مغربی الفاظ جو اگر رائج ہو چکے ہوں لیکن فارسی زبان میں ان کے ہو بہو Exact اور کامل مترادف موجود ہیں -

ھ - ایسے مغربی اور غیر ایرانی الفاظ جو بہت طویل عرصے سے فارسی میں مستعمل تو ہیں لیکن ابھی تک فارسی زبان کے مزاج سے ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکے اور مروّج نہیں ہو سکے -

دوسرا سوال :- منتخب شدہ مترادفات کن خصوصیات کے حامل ہونے چاہییں -

ا - لفظ مناسب واضح اور روشن معنی کا حامل ہو -

ب - دوسرے جگہ معنی کی دلالت کرنے کی بجائے مترادف لفظ

معنی کی زیادہ دلالت کرے۔

ج ۔ گرامر کی مختلف حالتوں اور شکلوں میں قابلِ استعمال ہو۔

د ۔ جہاں تک ممکن ہو سکے معنی کا نقصان کیے بغیر اختصار کا حامل ہو۔

ہ ۔ خوش آہنگ اور فارسی بولنے والوں کے لیے اس کا تلفظ سادہ اور رواں ہو۔

و ۔ اگر کسی لفظ کا مترادف مجبوری کے تحت مرکب بنایا جائے۔ یعنی ایک سے زیادہ اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہو تو یہ ترکیب فارسی زبان کے مطابق ہو۔

ز ۔ اگر مغربی اصطلاح ایک لفظ سے بنی ہو تو بہتر ہے کہ اس کا مترادف بھی ایک ہی لفظ سے بنایا جائے اور کسرۂ اضافت کی مدد سے چند الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے کیوں کہ اس سے اصطلاح مشکل ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال :۔ مترادفات کے انتخاب اور وضع کا ہماری زبان میں کتنا مواد پایا جاتا ہے اور اس کے مروج ہونے کے امکانات کیا ہیں ؟

ا ۔ معاصر فارسی زبان میں رائج اور متداول الفاظ۔

ب ۔ فارسی متون کے الفاظ۔

ج ۔ بوقت ضرورت علاقائی بولیوں اور دوسری ایرانی زبانوں کے الفاظ۔

د ۔ بحالت مجبوری فارسی میانہ اور قدیم فارسی کے الفاظ، اپنی اصل شکل میں یا فارسی زبان کے صوتیاتی ارتقاء کے قوانین کے مطابق۔

بطور جملہ معترضہ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر کسی وقت مندرجہ بالا مآخذ سے مغربی لفظ کا (سوال دو کے جواب میں مذکورہ خصوصیات کے ساتھ) ایک مناسب مترادف نہیں مل جاتا۔ (جیسا کہ سوال ایک میں مذکور ہے) کسی وجہ سے مناسب وموزوں مترادف وضع کرنا ممکن نہیں تو ایسی صورت میں وقتی طور پر مغربی لفظ سے کام چلایا جا سکتا ہے اور اسی اصطلاح کو زبان کے قواعد کے تابع کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا سوال :۔ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات کی مدد سے تدوین شدہ اصول وضوابط کی روشنی میں مترادف کلمات کے انتخاب کا کیا طریق کار ہے۔

۱۔ مغربی لفظ کے بارے میں ضروری اطلاعات کو اکٹھا کرنا۔

مادہ شناسی۔

اصطلاح کے ایک سے زیادہ مستقل (Independent) الفاظ پر مشتمل ہونے کی صورت میں، اس کی گرامر کے مطابق ساخت و بافت۔

معنوی تجزیہ وتحلیل۔

مغربی لفظ کے لیے فارسی زبان میں موجود ایسے مترادفات کا استخراج جواب تک دوسرے معانی کے لیے وضع کیے گئے تھے۔

فارسی اور عربی متون میں لفظ کے لیے موجود مترادفات کا استخراج

انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں موجود مترادفات کا استخراج۔

فارسی زبان کے ممالک نیز عربی اور ترکی زبان میں موجود مترادفات کا استخراج ۔

ب ۔ جمع شدہ اطلاعات کی بنیاد پر ہر لفظ کے لیے وقتی طور پر ایک یا چند موزوں مترادفات کا انتخاب یا وضع کرنا ۔

ج ۔ اہل رائے اور ماہرین سے استناد کی غرض سے مترادفات پیش کرنا ۔

د ۔ تجاویز و آرار پر غور و خوض اور موزوں ترین مترادف کا انتخاب ۔

۲ ۔ الفاظ کے انتخاب سے متعلق امور کے بارے میں مختلف سرکاری اداروں کے جوابات پر غور کے لیے ایک "گروہ" کی تشکیل

۳ ۔ "مک گراہیل کی علمی و فنی فرہنگ" کے ترجمہ کے لیے سکیم کی تیاری جس میں علمی و فنی اصطلاحات کے لیے موزوں مترادف درج ہوں گے ۔ فارسی فرہنگ مترادفات کی تیاری کے لیے مکمل سکیم تفصیل سے دی گئی ہے ۔ اس سکیم پر اب کام شروع ہو چکا ہے ۔

ان امور کے علاوہ جو موسسۂ مطالعات و تحقیقات فرہنگی ایران میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں یا انجام پا رہے ہیں ، دوسرے ادارے اور گروپ بھی تخصیصی فرہنگوں کی تیاری میں مشغول ہیں ۔ منجملہ مرکز نشر دانش گاہی جو ظہور انقلاب کے بعد قائم ہوا ، ایسے ہی امور انجام دے رہا ہے ۔ موسسۂ مطالعات و تحقیقات فرہنگی اصطلاحات سازی میں مشغول مراکز اور گروہوں کے ساتھ ضروری تعاون کرتا ہے ۔ بشرطیکہ ان کی طرف سے تعاون کی درخواست کی جائے ۔ اس کے علاوہ علمی و فنی اصطلاحات کے مترادفات پر مشتمل ایسی کتابوں کی نشر و اشاعت بھی کرتا ہے جنہیں

دوسرے افراد نے تحریر کیا ہو۔

یہ ادارہ دوسرے ممالک خاص کر اسلامی دنیا کے ایسے اداروں کے ساتھ جو اصطلاحات سازی اور تحقیق و تدقیق میں مصروف ہیں دستِ تعاون بڑھانے پر آمادہ ہے۔ کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی طرف سے اصطلاحات سازی سے متعلق سکیمیں تجربات اور مآخذ و منابع ارسال کرنے کی درخواست پر موسسۂ مطالعات و تحقیقات فرہنگی ایران بھرپور تعاون کرتا ہے اور ممالک اسلامیہ کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے کی غرض سے اپنے مآخذ، تجربات اور سکیمیں بھی ارسال کرنے کے لیے تیار ہے۔

فہرست مآخذ و منابع

۱۔ از صبا تا نیما، جلد اول، تالیف یحییٰ آریان پور، تہران ۱۳۵۱ھ شمسی = ۱۹۷۲ء
۲۔ بررسی لغات اردیائی در زبان فارسی از ڈاکٹر مہر نور محمد خان، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔
۳۔ پیشنہاد شما چیست؟ شمارہ (۱) تہران ۱۳۵۱ھ ش : ۱۹۷۲ء
۴۔ تاریخ زبان فارسی، جلد دوم، تالیف ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، مطبوعہ بنیاد فرہنگ ایران، تہران، اشاعتِ سوم، ۱۳۴۷ھ = ۱۹۶۸ء
۵۔ زبان شناسی و زبان فارسی، تالیف ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، مطبوعہ بنیاد فرہنگ ایران، تہران، اشاعت سوم، ۱۳۴۷ھ = ۱۹۶۸ء
۶۔ فرہنگ فارسی، جلد پنجم، از ڈاکٹر محمد معین، مطبوعہ امیر کبیر، تہران، ۱۹۶۶ء
۷۔ فرہنگ کسروی، نوشتہ یحییٰ ذکا، مطبوعہ کتاب فروشی طہوری، ایران ۱۳۳۹ھ ش = ۱۹۶۰ء
۸۔ فہرست انتشارات موسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۶۲ھ ش = ۱۹۸۳ء
۹۔ گرایش ہای تازہ در زبان فارسی از ڈاکٹر عبدالشکور احسن، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء

۱۰۔ لغت نامۂ دہخدا، مقدمہ، تہران، ۱۳۳۷ھ ش = ۱۹۵۸ء
۱۱۔ لغت ہای نوکہ تاکنون بتصویب فرہنگستان ایران رسیدہ است، تہران، ۱۳۱۶ھ ش = ۱۹۳۷ء
۱۲۔ مجلہ ارمغان، سال ہجدہم، شمارۂ پنجم
۱۳۔ مجلہ وحید، سال سوم، شمارہ ششم وہفتم
۱۴۔ مجلہ وحید، سال ہفتم، شمارہ دوم
۱۵۔ نامۂ رئیس موسسۂ مطالعات وتحقیقات فرہنگی ایران ۔
۱۶۔ واژہ ہای نوکہ تاپایان سال ۱۳۱۹ھ ش = ۱۹۴۰ء درفرہنگستان ایران پذیرفتہ شدہ است، اشاعت سوم، تہران ۱۳۵۴ھ ش = ۱۹۷۵ء

سید عارف نوشاہی

ایران میں اصطلاح سازی

آج سے کوئی پچاس برس پہلے ایران میں بڑے زور و شور سے ایک تحریک چلی جس کا مقصد فارسی زبان کو غیر فارسی الفاظ سے پاک کرنا تھا۔ اس تحریک کی موافقت اور مخالفت میں مختلف مکاتب کے دانش ور حصہ لے رہے تھے۔ [illegible] لوگ اس تحریک کے علمبردار تھے۔ انہوں نے افراط سے کام لینا شروع کر دیا [illegible] طبقہ لسانیات کے ماہر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا لیکن عربی کی خوب صورتی اور فصاحت [illegible] ناواقف تھا اس نے نہایت جوش و خروش سے "فارسی سرہ" لکھنا شروع کی۔ [illegible] فارسی میں انہوں نے فردوسی، سعدی اور حافظ ایسے اساتذۂ سخن کے ہاں مروج [illegible] اور رواں عربی الفاظ کو چھوڑ کر اوستائی اور پہلوی زبان سے بوجھل اور سمع [illegible] الفاظ کو اپنایا اور من گھڑت زبان میں لکھنے لگے جسے وہ "پارسی" کا نام دیتے [illegible] نہیں جانتا تھا ان سے دل چسپی رکھتے تھے انہوں نے لامحالہ

فرانسیسی اور انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کو ترجیح دی اور اپنی فارسی تحریر و[ں]
میں ان کا بے دریغ استعمال کیا۔ کچھ لوگ عراق کے مدرسوں کے فارغ التحصیل ت[ھے]
یا ان کی تعلیم و تربیت عربی کتب کے ذریعے ہوئی تھی وہ ایک قدم آگے بڑھ[ے]
اور عربی کے ناموزوں اور ثقیل الفاظ کا ایسا استعمال کیا کہ اس سے محض علم و فض[ل]
کی نمائش مقصود تھی گویا ہر طبقہ اپنے اپنے طرزِ تعلیم کی نمائندگی کرتے ہوئے حد اعت[دال]
سے بڑھ رہا تھا۔ ایسے میں حکومت ایران (رضا شاہ اول، ۱۹۲۶ء - ۴۱[ء)]
نے محسوس کیا کہ فارسی زبان کی تطہیر کا کام سرکاری سرپرستی میں ہونا چاہیے۔ چ[نانچہ]
۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا کہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین پر مشتمل مختلف انجمنیں
جائیں اور پہلی بار ایک انجمن "اکادمی طبی" کے نام سے قائم کی گئی جس کا مقصد طبی
اور اصطلاحات کا جائزہ لینا تھا۔

لیکن اُدھر تجارت پیشہ، زراعت پیشہ اور معاشرے کے دوسرے طبقو[ں]
لوگوں کو بھی روزانہ سرکاری دفاتر اور عدالتوں سے سروکار رہتا اور انہیں
مانوس دفتری زبان سے واقفیت نہ ہونے کے باعث کئی مشکلات کا سا[منا]
پڑتا۔ ۱۹۳۵ء کے اواخر میں جب ایرانی فاضل محمد علی فروغی نے وزار[ت]
عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا تو انہوں نے حکومت ایران کو تجویز پیش کی کہ زبا[ن]
تطہیر کا کام نہایت ہوش مندی اور معتدل مزاجی کا متقاضی ہے اور یہ کا[م]
دانش وروں کی ایک انجمن کے سپرد کیا جانے چاہیے۔ حکومت نے یہ تجو[یز]
لی اور ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام "فرہنگستان" (= "فرہنگستان ایرا[ن"]
گیا۔ اس ادارے میں زبان و ثقافت کے جو ماہرین شامل تھے انہوں نے
"فرہنگستان" کے لیے سولہ نکاتی آئین تیار کیا۔ ہم یہاں اس آئین کا
نقل کر رہے ہیں جس میں ادارے کے فرائض و مقاصد [illegible]

۱ ۔ فارسی زبان میں الفاظ واصطلاحات کو ردّ کرنے یا اپنانے کے لیے ایک لغات مرتب کرنا۔

۲ ۔ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق الفاظ اور اصطلاحات کا انتخاب کرنا اور حتی الامکان یہ کوشش کرنا کہ الفاظ فارسی زبان کے ہوں۔

۳ ۔ فارسی زبان کو نامناسب الفاظ سے پاک کرنا۔

۴ ۔ گرامر بنانا اور الفاظ وضع کرنے یا غیر فارسی الفاظ مسترد کرنے کے لیے قواعد کا تعین کرنا۔

۵ ۔ پیشہ وروں اور صنعت گروں کی اصطلاحات اور لغات جمع کرنا۔

۶ ۔ پرانی کتابوں سے اصطلاحات اکٹھا کرنا۔

۷ ۔ علاقائی الفاظ، اصطلاحات، اشعار، ضرب الامثال، قصّے، نوادر اور لوک گیت جمع کرنا۔

۸ ۔ قدیم کتب کی تلاش، ان کا تعارف اور ان کی طباعت اور اشاعت کی حوصلہ افزائی۔

۹ ۔ ادب کی حقیقت اور نظم ونثر کی کیفیت کی طرف توجہ دینا۔ سابقہ ادب کی اچھی چیزوں کو لے لینا اور منحرف کرنے والی چیزوں کو چھوڑ دینا اور مستقبل کے لیے راہنمائی کرنا۔

۱۰ ۔ ادبی شاہکار کی تخلیق کرنے میں شعرا اور ادبا کی حوصلہ افزائی۔

۱۱ ۔ فصیح اور مانوس فارسی زبان میں کتابوں کی تالیف و ترجمہ کے لیے دانشوروں کی حوصلہ افزائی۔

۱۲ ۔ فارسی رسم الخط کی اصلاح کے لیے جائزہ لینا۔

ادارے نے ان مقاصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل آٹھ کمیشن مقرر کیے:۔

۱ ۔ دفتری اصطلاحات کے لیے کمیشن ۔

۲ ۔ عدالتی اصطلاحات کے لیے کمیشن ۔

۳ ۔ علمی اصطلاحات کے لیے کمیشن ۔

۴ ۔ فارسی زبان کے قواعد کے لیے کمیشن ۔

۵ ۔ تدوین لغات کے لیے کمیشن ۔

۶ ۔ (عام) راہنمائی کے لیے کمیشن ۔

۷ ۔ جغرافیہ کے لیے کمیشن

۸ ۔ طب کے لیے کمیشن ۔

شروع کے سالوں میں اس ادارے نے نہایت سرگرمی سے کام کیا اور مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات کا جائزہ لیا جاتا رہا ۔ لیکن ۱۹۴۲ء کے بعد یہ ادارہ بتدریج کمزور ہوتا چلا گیا اور آخر کار ختم ہو گیا ۔

"فرہنگستان" کی کوشش سے پہلے سے فارسی میں مستعمل عربی اور یورپی الفاظ کی جگہ دو ہزار نئے فارسی الفاظ متعارف کرائے گئے۔ ان میں کئی الفاظ تو "اسم عام" کی صف میں شامل ہوتے ہیں اور بعض نام ایران کے شہروں، دیہات اور مقامات کے تھے جن کا قدیم فارسی نام امتداد زمانہ کے باعث مٹ چکا تھا اور اس کی جگہ ترکی یا عربی ناموں نے لے رکھی تھی ۔ عربی اور یورپی الفاظ کی جگہ فارسی الفاظ کو لایا گیا۔ ان میں سے جن پر فارسی روح کی چاشنی چڑھی ہوئی تھی وہ تو فوراً زبان زد خاص و عام ہو گئے ۔ لیکن ایسے الفاظ جو فارسی زبان کی فطرت سے میل نہیں رکھتے تھے خود بخود زبان سے اتر گئے اور انہیں ایک طرف رکھ دیا گیا۔

فرہنگستان نے جو الفاظ وضع کیے وہ وقتاً فوقتاً اس کے جریدہ "نامہ فرہنگستان" اور "فرہنگستان ایران" میں شائع ہوتے رہے اس کے علاوہ ادارے نے مستقل کتب بھی تالیف کیں۔ مثلاً :۔

۱۔ فرہنگ تازی بپارسی تالیف بدیع الزمان فروزانفر۔ مطبوعہ ۱۳۱۹ش صرف پہلا حصہ الف تا ر چھپا ہے۔

۲۔ فرہنگنامہ پارسی تالیف سعید نفیسی، مطبوعہ ۱۳۱۹ش۔ اس کا بھی پہلا حصہ آ تا س شائع ہوا ہے۔

۳۔ ایک فارسی لغت (تالیف کارکنان ادارہ) غیر مطبوعہ۔

ہم یہاں نمونے کے طور پر "فرہنگستان" کے وضع کردہ کچھ الفاظ و اصطلاحات پیش کر رہے ہیں۔ یہ نمونہ تین حصوں میں پیش کیا جا رہا ہے :۔

پہلا حصہ : عربی الفاظ کی جگہ پیش کیے جانے والے فارسی الفاظ۔

دوسرا حصہ : یورپی زبانوں کے الفاظ کی جگہ پیش کیے جانے والے فارسی الفاظ۔

تیسرا حصہ : جدید الفاظ و اصطلاحات۔

تقابل کے لیے پاکستان میں مروّج لفظ یا اصطلاح کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

پہلا حصہ

ایران میں مستعمل قدیم عربی لفظ	فرہنگستان کا مجوزہ فارسی لفظ	پاکستان میں مستعمل لفظ
اُجرت	دستمزد	اُجرت
بحریہ	نیروی دریائی	بحریہ
بلدیہ	شہرداری	بلدیہ

دارالایتام	پرورش گاہ یتیماں	یتیم خانہ
طبیب	پزشک	طبیب/ڈاکٹر/حکیم
عدلیہ	دادگستری	عدلیہ
قیمت	بہا	قیمت
محبس	زندان	قیدخانہ/جیل
محلہ	کوی	محلہ
مطبع	چاپخانہ	چھاپہ خانہ/مطبع
ملاح	ملوان	ملاح
ورقۂ ولادت	زایچہ	برتھ سرٹیفکیٹ
ورقۂ ہویت	شناسامہ	شناختی کارڈ
وصول	دریافت	وصول

دوسرا حصہ

ایران میں مستعمل یورپی زبان کے لفظ			فرہنگستان کا مجوزہ فارسی لفظ	پاکستان میں مستعمل لفظ
آسانسور	Ascenseur	(فرانسیسی)	بالارو	لفٹ
پروگرام	Programme	(انگریزی)	برنامہ	پروگرام
تاتر	Theatre	(فرانسیسی)	تماشاخانہ	تھیٹر
راپرت	Report	(انگریزی)	گزارش	رپورٹ
ساناتوریم	Sanatorium	"	آسایشگاہ	سینی ٹوریم
کاربن	Carbon	"	برگردان	کاربن کاغذ

کلینک (ہسپتال سے باہر)	Clinic	(انگریزی)	پزشک خانہ	کلینک
کلینک (ہسپتال کے اندر)		״	درمانگاہ	کلینک
کنٹرولر	Controller	״	بازبین	کنٹرولر، نگران
کنفرانس	Conference	״	سخنرانی	کانفرنس
ویزا	Visa	״	رویداد	ویزا

تیسرا حصہ

فرہنگستان نے کچھ ایسے الفاظ اور اصطلاعات بھی تیار کیں جن کی ضرورت ایران میں جدید علوم اور نظام آجانے کے باعث محسوس ہوئی۔ مثلاً بینکاری سے متعلق اصطلاحات کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں :

یورپی اصطلاح	فرہنگستان کا مجوزہ لفظ	پاکستان میں مستعمل لفظ یا وضاحت
Foreign Exchange	اَرز	زرِ مبادلہ
Amortization	استہلاک	مقررہ قسطوں میں قرض کی ادائیگی
Credit	اعتبار	کریڈٹ
Control	بازدید	جانچ پڑتال
Cross Cheque	چک بستہ	کراس چیک

Draft	حوالہ	ڈرافٹ
Balance Sheet	یادداشت دریافت	بیلنس شیٹ
Bank Statement	یادداشت پرداخت	بیلنس سٹیٹمنٹ

ڈاکٹر محمد ریاض

فرہنگستان زبانِ ایران

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں سید جمال الدین افغانی اور رضا خان کرمانی جیسے رہنماؤں کی کوششوں کے زیر اثر ایرانی اپنے حقوق کی خاطر جدوجہد کرنے لگے جس کا ثمرہ انہیں ۱۹۰۶ء میں مشروطہ، یعنی آئینی اور پارلیمانی حکومت کی صورت میں ملا، مشروطہ کے نتیجے میں دوسرے امور کے ساتھ اصلاحِ زبان پر بھی توجہ ہوئی اور تحریکِ تطہیرِ زبان (نہضت سرہ نویسی) کے ساتھ ساتھ غیر سرکاری طور پر اصطلاح سازی کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ اور کچھ ابتدائی کام بھی انجام دیا گیا۔ ویسے بھی مغربی تمدن کے ساتھ آشنائی نئی فارسی اصطلاحات کو مستلزم تھی۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء کے اخبار "عصر جدید" تہران شمارہ ۳۵ میں ہے:

بکثی دوست آج کل یہ نیا خیال پیش کر رہے ہیں کہ
فارسی زبان کے تکامل اور اصلاح کی خاطر علمی بنیاد ول

پر ایک اکادمی بنائی جائے جو ایک علمی و ادبی انجمن سے وسیع تر ہو اور جو وضع اصطلاحات کا کام بھی انجام دے۔ ۔ ۔ دوسرے ممالک میں بھی یہ اکادمیاں کام کرتی ہیں اور صاحبانِ علم و فضل بھی اپنے ذوق و استعداد سے اس کام کی راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ اکادمیوں یا فضلاء کا کام اگر ذوق و سلیقہ پر مبنی ہو، تو اس کا چلن عام ہو جاتا ہے لیکن اکادمیوں کی ایک افادیت یہ ہے کہ یہ اہل علم و فضل کو تحریک و تشویق کرتی ہیں اور مفید کام انجام دلوا دیتی ہیں۔

اس احساس کے تحت تہران اور دوسرے بڑے شہروں میں انجمنیں بننے لگیں اور دفتری اور فنی اصطلاحات وضع ہونے لگیں ان کوششوں کی تنظیم کی خاطر مارچ ۱۹۳۵ء میں ایک ادارہ "فرہنگستان" قائم کیا گیا۔ مگر اس کا جلسہ یکم جون ۱۹۳۵ء کو منعقد ہوا۔ اس وقت اس کے ۲۴ ارکان تھے مگر قانون کے بموجب یہ تعداد ۵۰ تک بڑھائی جا سکتی تھی۔ "فرہنگستان"، نے "نامۂ فرہنگستان" کے نام سے ایک مجلّہ جاری کیا جس کے ذریعے لوگ اس کی کارکردگی سے مطلع ہوتے رہے اس قومی ادارے کے اہداف و مقاصد مندرجہ ذیل ۱۶ شقوں کے تحت مرقوم ملتے ہیں۔ بعض شقیں ذیلی شقوں میں منقسم ہیں:

"شق اول : فرہنگستانِ ایران فارسی زبان کی حفاظت، وسعت اور ترقی کی ایک انجمن ہے۔

شق دوم : فرہنگستان کے فرائض حسب ذیل ہیں :-

۱۔ لغات و اصطلاحات کا اصولِ زبان کے مطابق ردو قبول۔

۲۔ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ممکن حدتک فارسی کلمات کو عام کرنا۔

۳۔ نامناسب کلمات کا فارسی سے اخراج۔

۴۔ قواعدِ زبان کی نئی تشکیل اور وضعِ اصطلاحات کے اصول بنانا۔

۵۔ صنعتی اور دیگر پیشوں کے لغات تیار کرنا۔

۶۔ کلاسیکی فارسی کتابوں کے الفاظ اور اصطلاحات کا استخراج۔

۷۔ ملک کے مختلف علاقوں کی ضرب الامثال اور اصطلاحات کی تدوین۔

۸۔ کلاسیکی کتابوں کا تعارف اور ان کی تجدیدِ طباعت۔

۹۔ قدیم و جدید کتابوں میں سے عمدہ چیزوں کی تشہیر اور بُری مثالوں کی حوصلہ شکنی۔

۱۰۔ تخلیقِ ادب کی خاطر شعرا اور ادبا کی حوصلہ افزائی۔

۱۱۔ عمدہ فارسی کتابیں لکھنے اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کرنے کی خاطر مصنفین کی ہمت افزائی۔

۱۲۔ فارسی خط کے آسان اور بہتر بنانے کی کوشش۔

شق سوم : فرہنگستان کے بعض مستقل (پیوستہ) ارکان ہوں گے اور بعض غیر مستقل (وابستہ)۔ فرہنگستان مستقل ارکان سے تشکیل پذیر ہوگا۔ اور ہر اجلاس میں ان کی شرکت ضروری ہوگی۔ غیر مستقل ارکان کی خط و کتابت کے ذریعے فرہنگستان

کو اپنی آرار سے مطلع کریں گے۔

شق چہارم: فی الحال فرہنگستان کے ۲۴ مستقل ارکان نامزد کیے گئے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ان کی تعداد ۵۰ تک بڑھائی جائے گی۔

شق پنجم: مستقل رکن کی عمر کم از کم عمر ۳۵ برس ہونا ضروری ہے۔

شق ششم: ابتدا میں مستقل ارکان کی نامزدگی وزارت تعلیم کرے گی۔ بعد میں فرہنگستان ایران کی دو تہائی اکثریت نئے ارکان چنے گی اور وزارت تعلیم کے ذریعے کابینہ کی منظوری لی جائے گی۔

شق ہفتم: فرہنگستان کا ایک صدر اور دو نائب صدر ہوں گے، دو دوسرے افراد معاون ہوں گے۔ صدر کو شاہ نامزد کریں گے جب کہ دوسرے افراد کو مستقل ارکان دو سال کے لیے منتخب کریں گے اور اس ضمن میں قوانین وضع کیے جائیں گے۔

شق ہشتم: فرہنگستان کا ایک مشیر قانونی بھی ہوگا۔

شق نہم: فرہنگستان کا وزارت تعلیم کے مامور افراد پر مشتمل ایک دفتر کار ہوگا۔

شق دہم: فرہنگستان کے وابستہ ارکان، ادبا، اور دانش وروں میں سے ہوں گے۔ خواہ وہ ملک کے اندر ہوں یا باہر اور پیوستہ ارکان کی مانند ان کی رکنیت بھی تاحیات ہو سکتی ہے۔

شق یازدہم: فرہنگستان کے اجلاس تہران میں ہوں گے اور کورم ۵۰ جز سے ایک فرد زیادہ ہونے سے پورا ہوگا۔

شق دوازدہم: ضرورت پڑنے پر ارکانِ فرہنگستان کی کمیٹیاں تشکیل دی جا سکتی ہیں۔ اور دیگر افراد کو بھی مشورے کی خاطر بلایا

جا سکتا ہے۔

شق سیزدہم: فرہنگستان کے کھلے اجلاس بھی ہو سکتے ہیں جن کی کارروائی لوگ دیکھ سکتے ہیں۔

شق چہاردہم: فرہنگستان کے ارکان کے مخصوص گاؤن ہو سکتے ہیں۔

شق پانزدہم: فرہنگستان کے ارکان اعزازی ہوں گے مگر اس کا بجٹ وزارتِ تعلیم کے بجٹ کا حصہ ہوگا۔

شق شانزدہم: فرہنگستان کے طریق کار کے متعلق نئے قوانین وضع ہو کر وزارتِ تعلیم کے ذریعے کابینہ کی منظوری کے لیے پیش ہوتے رہیں گے۔"

اپریل ۱۹۳۸ء میں شاہی حکم کے بموجب فرہنگستان نے، کمیٹیاں تشکیل دیں۔ اس وقت مستقل ارکان میں ایک ارکان کا اضافہ کیا گیا۔ یہ کمیٹیاں ہر ہفتہ اجلاس کرتی تھیں یہ کمیٹیاں دفتری، عدالتی، سائنسی، جغرافیائی اور طبی اصطلاحات، لغت اور علاقائی زبانوں پر الگ الگ کام کرتی رہی ہیں۔

"فرہنگستان" ۶ سال کے بعد ۱۹۴۱ء میں عملاً تعطل کا شکار ہو گیا گو رسمی طور پر اس کا انصرام ۱۹۴۴ء میں ہوا۔ اس کی شائع کردہ پانچ کتابیں، واژہ ہائے نو (نئے الفاظ) کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں۔ کوئی تین دہائی کا عرصہ گزر جانے کے بعد ۱۹۷۰ء میں دوسری بار ایسا ہی ادارہ قائم ہوا اور اس دفعہ اس کا نام "فرہنگستان زبانِ ایران" رکھا گیا۔ پہلے کی طرح فرہنگستان کے صدر با عتبار عہدہ وزیر تعلیم ہی ہے مگر نئے ادارے کی صدارت ڈاکٹر محمد صادق کیا کے سپرد ہوئی جو کئی یورپی زبانوں، علاقائی بولیوں، ایران کی قدیم زبانوں اور ترکی و عربی میں خوب دسترس

رکھتے تھے ۔ یہ فرہنگستان ۱۹۷۹ء میں انقلاب اسلامی برپا ہونے تک کام کرتا رہا۔ اس نے گزشتہ فرہنگستان کی فراموش شدہ کتابوں کی از سر نو طباعت کرائی اور کئی مفید کتابیں شائع کیں ۔

۱۔ کاشان اور اس کے نواح کی بولیوں کی تحقیق (نوشتہ محمد رضا مجیدی) ۱۹۷۵ء، صفحات ۶۶

۲۔ ثانوی مدارس کے طلبا کی مستعمل لغت پر تحقیق از ڈاکٹر فریدون بدرہ ای ۱۹۷۵ء، صفحات ۷۰۰۔

۳۔ مقدمۂ شاہنامہ (ابومنصوری) کے کلمات کا تعدد صفحات ۵۴۔

۴۔ معیار العقول (ابن سینا) کے کلمات، صفحات ۶۴۔

۵۔ منتہی العرب کے معرب کلمات کا تعدد ۔ صفحات ۶۴۔

۶۔ الصراح، من الصحاح کے معرب کلمات، صفحات ۶۴۔

۷۔ فارسی مترادفات۔

دونوں فرہنگستان الفاظ کی جمع آوری اور ان پر بحث وتمحیص کر کے ان کی فہرست اور جدول تیار کرتے رہے اور اس کے بعد شاہ کے قلم سے ان کی منظوری لیتے رہے ۔ دوسرے فرہنگستان والوں نے وضع اصطلاحات میں عام اہل علم کو شامل کرنے کے لیے ایک جدت دکھائی وہ اصطلاحات کی فہرستیں تفصیل و بحث کے ساتھ "پیش نہاد ِ شماجیست" کے نام سے شائع کرتے رہے اور لوگوں کی آرا و تجاویز ایک معینہ مدت میں مل جانے پر نتائج شاہ سے منظور کروا کے تشہیر کرتے رہے۔ "پیش نہاد ِ" کی ۸ جلدیں شائع ہوئی ہیں، فرہنگستان زبان ایران، کی ہیئت تشکیلی کم و بیش پہلے فرہنگستان کی سی تھی ۔ البتہ اس کی ترجیحات مختلف تھیں ۔ اس نے ہر شعبہ کے دو یا تین متخصص لوگوں کی خدمات مستعار لیں جو زبان شناسوں کے ایک گروہ کے ساتھ ہفتے میں دو گھنٹے بیٹھتے اور وضع اصطلاحات کا کام کرتے

اس طرح تیرہ گروپ بنائے گئے جن میں ۱۰۰ کے لگ بھگ زبان شناس شامل تھے اور انہوں نے ۱۹۷۴ء کے آخر تک چھ ہزار سے زائد فنی اور تکنیکی یورپی الفاظ کے فارسی مترادفات وضع کر لیے تھے۔ اس کے بعد ہر فن اور ہر موضوع پر اصطلاحات کی فہرست بندی کر کے انہیں شائع کیا جاتا رہا اور لوگوں کی آراء و تجاویز کی روشنی میں شاہ سے منظوری لی جاتی رہی۔ اس کے بعد انہیں معیاری صورت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی جو ایک حد تک کامیاب ثابت ہوئی۔ حالیہ انقلاب ایران کے بعد مختلف علمی و تحقیقی اداروں کو باہم ضم کر کے "مؤسسہ مطالعات فرہنگی بنایا گیا ہے جو "فرہنگستان زبانِ ایران" کی علمی خدمات بھی انجام دیتا رہے گا۔

○
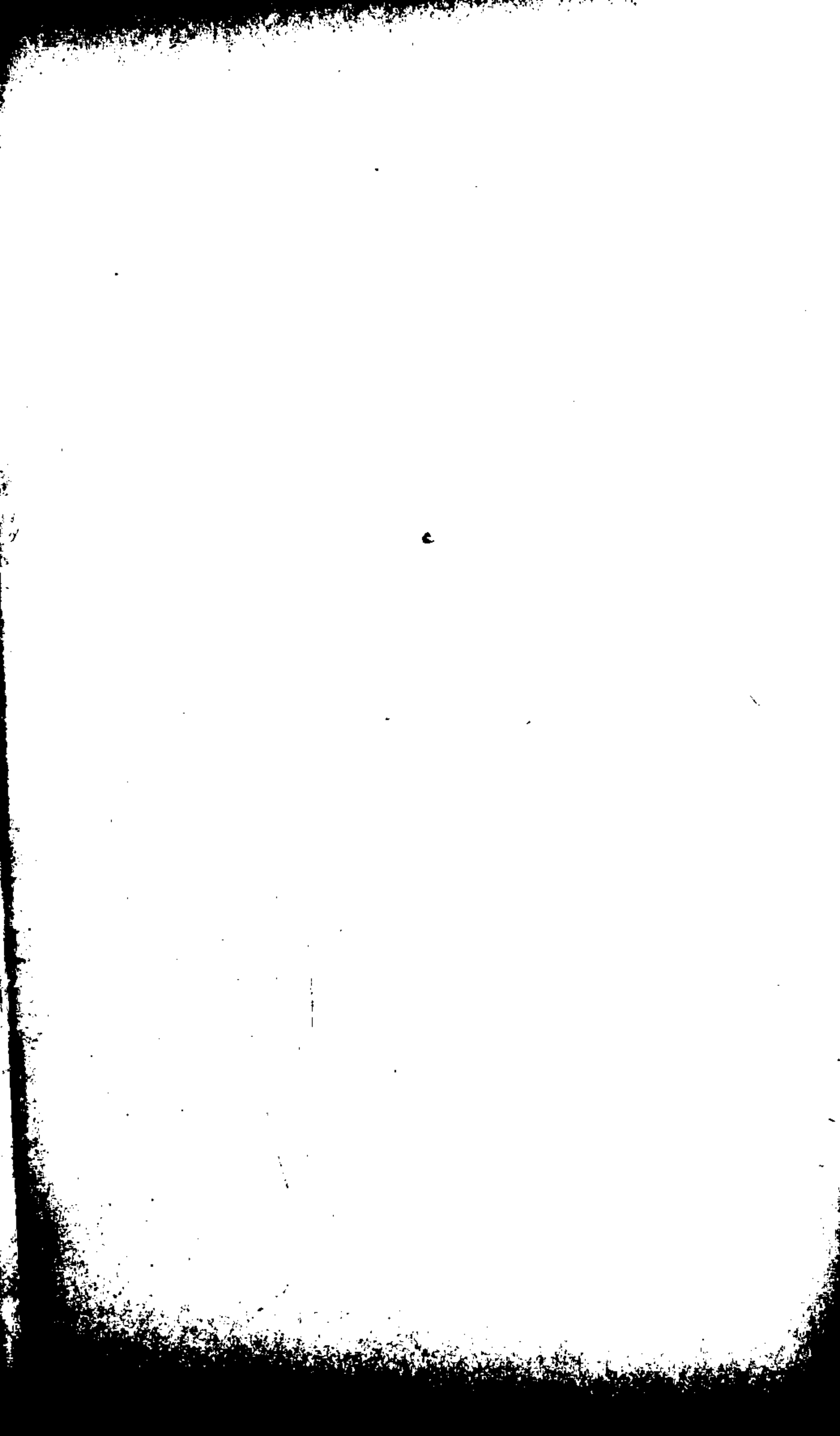
دارالترجمہ ۔ جامعہ عثمانیہ

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

دارالترجمہ (حیدر آباد دکن)

اعلیٰ حضرت حضور نظام کے فرمان کی تعمیل میں محکمۂ تعلیمات نے قیام جامعہ عثمانیہ کے منصوبے کو عملی شکل دینے کے اقدامات شروع کر دیے۔ اردو زبان میں اعلیٰ تعلیم و تدریس کے سلسلے میں سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ انٹرمیڈیٹ کلاس کے آغاز سے پہلے اردو میں درسی کتابوں کی کافی تعداد فراہم کرلی جائے۔ اس کام کے لیے دو سال کی مدت رکھی گئی۔

۱۴ راگست ۱۹۱۷ء کو شعبۂ تالیف و ترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔ مولوی عبدالحق (جو آگے چل کر بابائے اردو کے لقب سے ملقب ہوئے) اس شعبے کے سربراہ مقرر ہوئے مولوی صاحب مملکت حیدر آباد کی سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے اور اورنگ آباد میں مہتمم تعلیمات Inspector of Schools کے عہدہ پر فائز تھے۔ انجمن ترقیٔ

اردو کے معتمد اور اردو ادب کی تاریخ و تنقید پر متعدد کتابیں کے مصنف کی حیثیت سے ملک گیر شہرت حاصل کر چکے تھے۔

شعبۂ تالیف و ترجمہ نے طے کیا کہ اولین اقدام کے طور پر جامعہ میں پڑھائے جانے والے مضامین کی چند معیاری درسی کتابوں کا ایسے صاحبانِ علم سے اردو میں ترجمہ کرایا جائے جو متعلقہ مضمون میں مناسب قابلیت کے ساتھ ساتھ اردو زبان پر بھی عبور رکھتے ہوں۔

یہ ایک نہایت ہی معقول اور مناسب فیصلہ تھا جس کی تکمیل کے لیے چند نہایت ہی باصلاحیت اور قابل علماء کا تقرر عمل میں آیا جن کے ذریعے کتابوں کے ترجمے کا کام کیا گیا۔ ان ماہرین میں جو لوگ شامل تھے ان کے نام اور متعلقہ مضامین درج ذیل ہیں :۔

۱۔ قاضی محمد حسین ایم۔ اے (کینٹب) ریاضی

۲۔ چوہدری برکت علی ایم۔ اے (علیگ) کیمیا

۳۔ سید ہاشمی فرید آبادی تاریخ

۴۔ جناب الیاس برنی ایم۔ اے (علیگ) معاشیات

۵۔ قاضی تلمذ حسین تاریخ

۶۔ مولانا ظفر علی خان

۷۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نفسیات

۸۔ مولانا عبدالحلیم شرر

۹۔ علامہ عبداللہ العمادی

۱۰۔ سید علی رضا

۱۱۔ خلیفہ عبدالحکیم فلسفہ

یہ مترجمین کی پہلی جماعت تھی جس کا تقرر عمل میں آیا۔ بعد میں جوں جوں مزید
مضامین کی کتابوں کے ترجمے کی ضرورت پیش آتی گئی دیگر مترجمین کا تقرر بھی
ہوتا گیا۔ اس طرح ۱۹۵۰ء تک شعبہ تالیف و ترجمہ نے ۱۳۰ مترجم بھرتی کیے اور
اس مدت میں کل وقتی اور جز وقتی مترجمین نے چار سو کتابوں کے ترجمے مکمل
کیے۔ ۱۵

عثمانیہ یونیورسٹی کالج میں ۱۹۱۹ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۲۱ء میں بی۔ اے اور
۱۹۲۳ء میں ایم۔ اے کی کلاسوں کا آغاز ہوا۔ تدریس کے لیے مناسب اور موزوں
اساتذہ مقرر کیے گئے۔ ان اساتذہ سے بھی مختلف کتابوں کے ترجمے کروائے گئے
جس کا معاوضہ فی صفحہ کے نرخ سے دیا جاتا تھا۔ اس طرح قریب قریب ہر استاد
نے ترجمے کے اس کام میں حصہ لیا۔ جب میں اور میرے بعض ساتھی تعلیم مکمل کر کے
جامعہ میں بحیثیت استاد مقرر ہوئے تو میں نے محسوس کیا کہ صرف ترجمہ ہی پر اکتفا
کرنے سے شعبہ تصنیف و تالیف کے بانیوں کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے
ضرورت ہے کہ شعبے کی سرگرمی میں کچھ درسی کتابیں تالیف بھی کی جائیں۔ میں نے جامعہ
کے ارباب اختیار کو راضی کر لیا کہ مجھے اور میرے معزز اساتذہ پروفیسر قاضی محمد حسین
اور پروفیسر کشن چند کو باہمی اشتراک سے دو کتابیں لکھنے کی اجازت دی جائے ان
میں سے ایک محددوں کا ہندسہ Co-ordinate Geometry اور دوسری
احصاء Calculas پر تھی۔ یہ کتابیں ۱۹۲۳-۲۴ء میں لکھی گئیں اور
۱۹۲۴ء میں شعبہ تالیف و ترجمہ نے انہیں شائع کیا۔ سال یا دو سال بعد میں نے
"قدریہ میکانیات" Quantum Mechanic پر ایک کتاب لکھی جو جامعہ کی طرف
سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔

ارباب اختیار نے شعبۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کے وقت ہی شعبے میں ایک ناظر مذہبی کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا جو ترجمہ شدہ کتابوں کی طباعت سے پہلے ان کی اس نظر سے تنقیح کر لیں کہ کتاب میں کوئی ایسی بات شامل نہ ہو جائے جو لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والی ہو۔ مولوی صفی الدین صاحب (جو حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے معتمد مولوی سید مرتضیٰ صاحب کے خسر تھے) پہلے ناظر مذہبی مقرر ہوئے۔ مگر مولوی صاحب نے بہت قلیل عرصے تک کام کیا اور ان کی سبکدوشی کے بعد علامہ عبداللہ العمادی ناظر مذہبی امور مقرر ہوئے اور طویل عرصے تک کارگزار رہے۔

شعبۂ تالیف و ترجمہ کے ساتھ ایک ناظر ادبی بھی ہوتا جس کا کام ترجمے یا وضع کردہ اصطلاحات کے ادبی اور لسانی نقائص کی جانچ پڑتال ہوتا تھا۔ مولانا علی حیدر نظم طباطبائی (حیدر یار جنگ) پہلے ناظر ادبی تھے۔ ان کے بعد جوش ملیح آبادی اس خدمت پر مامور ہوئے۔ مگر شعبے میں مولوی عبدالحق اور پروفیسر وحید الدین سلیم کی موجودگی ترجمے کی ادبی خوبیوں کی بذاتِ خود ایک ضمانت تھی اور ناظر ادبی کی ذمہ داریاں بہت کم رہ گئی تھیں۔

اردو میں کتابوں کی اشاعت کی اس داستان کو مسلسل اور مربوط رکھنے کے لیے میں نے بعض امور کا تذکرہ نہیں کیا۔ واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے اب ان کی طرف آتا ہوں۔

مترجمین کے تقرر کے ساتھ ہی اصطلاحات کے مسئلے کا حل بھی ضروری تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہر مترجم کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ اپنے طور پر اصطلاحیں بھی وضع کرلے اور انہیں اپنے ترجموں میں استعمال کرتا جائے۔ اس سلسلے میں بھی اربابِ جامعہ نے ایک منضبط اور منظم طریقہ کار اختیار کیا۔ ہر اہم مضمون مثلاً ریاضی

طبیعیات، کیمیا اور معاشیات وغیرہ کے لیے الگ الگ "مجالس وضع اصطلاحات" مقرر کی گئیں۔ ہر مجلس میں دو قسم کے ارکان ہوتے تھے۔ متعلقہ مضمون کے ماہر، اور زبان کے ماہر، دو ایک ارکان ایسے بھی ہوتے جو متعلقہ مضمون میں مہارت کے ساتھ ساتھ زبان کا علم بھی رکھتے تھے اور یہ دونوں قسم کے ارکان کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتے تھے۔

مترجم یا متعلقہ مضمون کے اساتذہ ان اصطلاحات کی فہرست مرتب کرتے جن کا ترجمہ مقصود ہوتا تھا اور اس سلسلے میں اپنے مشورے بھی پیش کرتے۔ مجلس میں ہر اصطلاح پر بحث ہوتی۔ اردو میں اصطلاح وضع کرتے وقت زیر ترجمہ انگریزی اصطلاح کی یونانی یا لاطینی اصل پر غور کیا جاتا اور اس کی مناسبت سے عربی، فارسی یا سنسکرت کا کوئی لفظ منتخب کیا جاتا۔ اس موقع پر زبان کے ماہرین سے مشورہ کیا جاتا جن میں مولوی عبدالحق، پروفیسر وحید الدین سلیم اور علامہ علی حیدر نظم طباطبائی شامل تھے۔ ان ماہرین کی رائے سے سارے مضامین کی "مجالس وضع اصطلاحات" استفادہ کرتیں۔ پروفیسر سلیم نے تو وضع اصطلاحات پر ایک مکمل کتاب تصنیف کر دی جسے آج تک سند کا درجہ حاصل ہے۔

وضع کردہ اصطلاحات پر نظر ثانی اور غور کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور تجربے کی روشنی میں انہیں سہل بنانے کا کام بھی ہوتا رہتا۔ ابتدا میں کیمیاوی عناصر اور مرکبات کے ناموں کا بھی ترجمہ کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ابتدا میں چودھری برکت علی صاحب نے اس قسم کی اصطلاحیں بھی استعمال کیں جیسے:

ہائیڈروجن کے لیے	مائین
آکسیجن کے لیے	حمضین
نائٹروجن کے لیے	ترشین

اور جامعہ کے پہلے انٹرمیڈیٹ امتحان میں شریک طلبار کو ایسی اصطلاحیں رائج کرنی پڑیں۔ مگر ایسی اصطلاحیں رائج اور مقبول نہ ہو سکیں۔ ۱۱ فروری اور ۱۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو وضع اصطلاحات کی مجلس کے دو اجلاس ہوئے۔ نواب عماد الملک (سید حسین بلگرامی) ان کے صدر تھے۔ ان اجلاسوں میں اس قسم کی اصطلاحوں کے مسئلے پر تفصیلی مباحث ہوئے اور طے پایا کہ صرف انھی الفاظ کا ترجمہ کیا جائے جو تعاملات Processes اور عام استعمال میں آنے والے مادوں جیسے لوہا، چاندی وغیرہ کے نام ہوں اور کیمیاوی عناصر اور مرکبات کے ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں قطعی فیصلہ تکنیکی اصطلاحات کی مجلس کے اجلاس منعقدہ ۱۲ مئی ۱۹۲۰ء کو ہوا۔ امیر جامعہ (چانسلر) سر علی امام اس اجلاس کے صدر تھے اور سر اکبر حیدری، سر آر گلینی، پروفیسر عبد الرحمان خان اور دیگر حضرات اس میں شریک تھے۔ اس طریقۂ کار سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سائنسی اصطلاحات کے ترجمے کے سلسلے میں جامعہ عثمانیہ کا رویہ شدت پسندانہ کبھی نہ رہا اور ہمیشہ زبان کو سہل بنانے اور اسے ترقی دینے کی طرف توجہ رہی۔

وضع اصطلاحات کا کام بڑا ہی تفصیلی اور طویل ہوتا تھا۔ ہر اصطلاح پر مفصل بحث ہوتی جس میں نہ صرف وضع کردہ اصطلاح کی تکنیکی خوبیوں اور خصوصیات پر غور کیا جاتا بلکہ متعلقہ انگریزی اصطلاح کی یونانی یا لاطینی اصل اور اس کے ہم معنی عربی، فارسی یا سنسکرت اصل پر بھی بحث ہوتی۔ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ آیا یہ اصطلاح عربی فارسی یا دیگر زبانوں کے علمار اپنی تحریروں میں اسی طرح اور انھی معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی کہ اردو میں بھی اس کو اسی صورت میں اختیار کر لیا جائے یا اس میں مناسب تبدیلی ضروری ہے اور پھر یہ بھی کہ یہ اصطلاح

اردو زبان کے مزاج سے مطابقت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ ایک اور اہم بات جو زیر بحث آتی وہ یہ ہوتی کہ منتخب اصطلاح مختلف ترکیبوں، مشتقات اور جمع یا واحد کی شکل میں بھی بآسانی ڈھالی جاسکتی ہے یا نہیں۔ ان تفصیلات کے پیش نظر یہ بات چنداں تعجب خیز نہیں کہ ایک ایک اصطلاح کے بنانے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ وضع اصطلاحات کا یہ کام ۱۹۱۷ء سے ۱۹۵۰ء یعنی قریباً ایک تہائی صدی تک جاری رہا۔

رائے جانکی پرشاد لکھتے ہیں کہ مجلس وضع اصطلاحات ۱۹۲۹ء تک تقریباً ۵۵ ہزار اصطلاحات وضع کرلی تھیں[۲]۔ جامعہ نے مختلف مضامین کی جو کتابیں شائع کیں ان کی تفصیل یہ ہے[۳]:-

۱ - اخلاقی علوم	منطق، فلسفہ، نفسیات اور	۹۲
	اخلاقیات	۹۲
۲ - تاریخ وجغرافیہ	بشمول تاریخ اسلام، تاریخ ہند	
	تاریخ یونان، تاریخ روما،	
	تاریخ یورپ	۱۲۳
۳ - عمرانیات	سیاسیات ومعاشیات	۳۰
۴ - قانون	فلسفۂ قانون اور دیگر متعلقہ	
	موضوعات	۵۹
۵ - ریاضی	اطلاقی ریاضی اور فلکیات	۴۳
۶ - سائنس	علوم فطرت اور انجینئرنگ	۷۰
۷ - طب		۳۱

[جامعہ عثمانیہ،
بہادر یار جنگ اکادمی کراچی، ۱۹۸۴ء (ص ۲۲ تا ۲۷)]

فارسی میں علمی اور فنی اصطلاحات پر کتب

زیر نظر سطروں میں اصطلاحات کی ان فرہنگوں کی موضوع وار فہرست دی جا رہی ہے جو انفرادی کوششوں کے نتیجے میں مرتب ہوئی ہے۔

یہ فہرست ایران کے معروف فہرست نگار خان بابا مشار (مرحوم) کی تالیف "فہرست کتابہای چاپی فارسی" جلد سوم [تہران: ۱۳۵۲ھ شمسی] سے مرتب کی گئی ہے۔ فہرست کی ۲۴ کتابوں میں سے صرف ایک کتاب "فرہنگ اصطلاحات فرہنگ" ایران سے باہر روس میں چھپی ہے۔ باقی تمام کتابیں ایران سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کے مصنفین یا مترجمین ایرانی ہیں۔ گویا اس فہرست کا دائرہ صرف ایران میں مرتبہ اور مطبوعہ کتابوں تک محدود ہے اور فارسی زبان کی قلمرو میں شامل دیگر علاقوں بالخصوص افغانستان میں ہونے والے علمی کام کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔

عمومی کتب اصطلاحات

۱۔ فرہنگ اصطلاحات انگلیسی و امریکائی (انگریزی۔ فارسی) یوسف جمشیدی پور فریدی [تہران: فروغی (۱۳۳۷۔ ۱۳۴۰ھ شمسی)]۔ ۱۰۷۴ ص

۲۔ فرہنگ اصطلاحات جاری انگلیسی
شاہپور اردشیر جی [تہران: ۱۳۳۳ھ شمسی)] ۲۷۴ ص

۳۔ فرہنگ اصطلاحات خارجی در زبان فارسی
ہاشم رضی [تہران: (۱۳۴۰ھ شمسی]۔ ۱۱۹ ص

۴۔ فرہنگ اصطلاحات علمی با تعریف علمی و معادل اصطلاح بدو زبان

فرانسوی و انگلیسی
بنیاد فرہنگ ایران [تہران : بنیاد فرہنگ ایران بہ اشتراک فرینکلن (۱۳۴۹ھ شمسی)] - ۶۱۳ + ۱۶۳ ص
اس لغت میں کیمیا، طبیعیات، نجوم، نباتات، ارضیات، معدنیات حیوانیات، عمرانیات کی اصطلاحات کی تشریح اور ان کے فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں مترادفات دیے گئے ہیں۔

۵۔ فرہنگ اصطلاحات فارسی بہ انگلیسی
اردشیر جی [تہران: دانش گاہ تہران (۱۳۲۷ھ شمسی)] - ۵۳۷ ص

۶۔ فرہنگ اصطلاحات (فارسی - عربی)
ڈاکٹر محمد غفرانی / ڈاکٹر آیت اللہ زادہ شیرازی [تہران : امیر کبیر]

۷۔ فرہنگِ پیشہ وران
ادارہ کل آمار [تہران : ادارہ کل آمار (۱۳۱۸ھ شمسی)]

۸۔ فرہنگِ علمی و فنی (انگریزی - فارسی)
رابرٹ قوطانیاں [ایران : حکمت] - ۲۱۲ + ۳۷ + ۱۸۴ + ۱۱۱ ص

۹۔ فرہنگِ علمی و فنی (انگریزی - فارسی)
علی گیہانی [تہران : پیروز (۱۳۴۷ھ شمسی)] ۳۶۷ ص

۱۰۔ فرہنگ فنی و علمی
ناصر سلحشور [تہران : کتاب فروشی کندی (۱۳۴۷ھ شمسی)] - ۵۰۰ ص

طب

۱ - فرہنگِ پزشکی (انگریزی - فارسی)
دورلنڈ، مترجم۔ ڈاکٹر یعقوب احدوت [تہران: ۱۳۴۷ھ شمسی)]۔
۳ جلدیں، ۵۲۷ ص۔

۲ - فرہنگِ اصطلاحات پروستودونتک (انگریزی - فارسی)
مترجم حسین نواب بہ اشتراک جعفر دادمنش [تہران: جامعہ دندان پزشکان (۱۳۴۲ھ شمسی)]۔ ۱۶۸ ص
دانتوں کی طب سے متعلق اصطلاحات کی فرہنگ ہے۔

۳ - فرہنگِ دندان پزشکی (انگریزی - فارسی)
فاولر، جنیفر، مترجم۔ پرویز سیّدی [تہران (۱۳۵۱ھ شمسی)]
۲۶۴ ص۔

۴ - فرہنگ کوچک پزشکی
ڈاکٹر حسن مرندی [تہران: کتاب فروشی تہران (۱۳۴۴ھ شمسی)]۔ ۵۶۸ ص

۵ - فرہنگ مفرداتِ طبّی و داروئی (فرانسیسی - فارسی)
یوہان شلیمر [تہران: دانش گاہ تہران]

ریاضی و محاسبی

۱ - فرہنگِ ریاضیات (انگریزی - فارسی)
د - ن - ملاحد [تہران کتاب فروشی تہران (۱۳۴۹ھ شمسی)]۔

۲۱۶ ص

۲۔ فرہنگِ اصطلاحات حساب داری
حبیب اللہ رضازادہ قشقائی/ احمد زینی [تہران : بنیاد فرہنگ ایران (۱۳۴۹ھ شمسی)]۔ ۱۵۲ + ۱۷ ص

۳۔ فرہنگ اصطلاحات ماشینہای محاسبات
آرشں [تہران : مؤسسہ عالی حساب داری (۱۳۴۷ھ شمسی)]

۸۶ ص

۴۔ فرہنگ حساب داران
کوہلر۔ اریک ایل۔ مترجم۔ ڈاکٹر عزیز اللہ نبوی (۱۳۴۴ھ شمسی)]۔ ۸ + ۵۲۳ ص

تجارت و اقتصادیات

۱۔ فرہنگِ اصطلاحات بانکی (فارسی۔ انگریزی)
غلام حسین معنوی [تہران : مؤسسہ علوم بانکی ایران (۱۳۵۰ھ شمسی)]

۶۷ + ۶۳ ص

۲۔ فرہنگ بازرگانی
ن۔ راست [تہران (۱۳۲۳ھ شمسی)]۔ ۱۲۶ ص
بازرگانی یعنی تجارت سے متعلق فرہنگ ہے۔

۳۔ فرہنگ جیبی بازرگانی (انگریزی۔ فارسی)
اردشیر پرتوی [تہران : ابن سینا]۔ ۳۸۶ ص

۴۔ فرہنگ حسابداری، بازرگانی، اقتصادی (انگریزی۔ فارسی)

سیروس ملک زادہ [تہران : کتاب فروشی دانش جو ۱۳۴۷ھ شمسی)] - ۵۰۰ ص

۵ - فرہنگ اصطلاحات ولغات علم اقتصاد

پرویز لارین [تہران : اکانومسٹ تہران] - ۶۹۸ ص

نباتیات

۱ - فرہنگ اسامی علمی گیاہان (انگریزی - فارسی)

ڈاکٹر جواد میمندی نژاد [تہران : دانش گاہ تہران (۱۳۴۶ھ شمسی)] د + ۷۵ + ۱۳۱ ص -

۲ - فرہنگ گیاہی

ڈاکٹر حسین علی بہرامی [ایران] ۵۴۱ + ۱۷۹ص

جلد اول حروف " H " تک ہے - نباتیات کی فرانسیسی اصطلاحات کے مقابل فارسی ، عربی، سُریانی، ہندی، بربری ، سامی اور ترکی مترادف الفاظ دیے گئے ہیں -

قانون

۱ - فرہنگ حقوق (فرانسیسی - فارسی)

حسین قلی کاتبی [تہران : مطبوعات چہر (۱۳۳۷ھ شمسی)] - ۳۴۹ ص

۲ - فرہنگ حقوق (فرانسیسی - فارسی)

سید محمد رضا بن محمد حسن طباطبائی جلالی نائینی [تہران : ۱۳۴۲ھ

شمسی)] ۷۶۶ص

۳ ۔ فرہنگ حقوقی

ابوالمعالی ڈاکٹر جعفر جعفری لنگرودی [تہران : کانون معرفت (۱۳۳۵ھ شمسی)] ۔ ۳۱ + ۲۸۴ ص

طبیعیات

۱ ۔ فرہنگِ اصطلاحات فزیک (فارسی ۔ روسی)

آ ۔ گ ۔ آرند [لینن گراڈ (۱۹۲۸ء)] ۳۵ ص

۲ ۔ فرہنگ الکترونیک، ارتباط و برق

گودتہ، مترجم، شکری ہراتی [تہران (۱۳۵۰ھ شمسی)] ۔ ۵۳۶ ص

بجلی سے متعلق اصطلاحات کا لغت ہے ۔

۳ ۔ فرہنگ مکانیک اتومبیل

پرویز قوامی [تہران (۱۳۵۱ھ شمسی)] ۳۰۴ + ۲۳ ص

آٹوموبائل کی صنعت سے متعلق فرہنگ ہے ۔

نفتیات

۱ ۔ فرہنگِ اصطلاحات صنعت نفت بزبان فارسی، روسی، انگلیسی

ڈاکٹر سید جلال الدین توانا [تہران : بنیادِ فرہنگِ ایران (۱۳۴۴ھ شمسی)] ۔ ۲۷۵ + ۷۳ ص

۲ - فرہنگ فنی نفت (انگریزی، فرانسیسی، جرمن، فارسی)
ڈاکٹر سید جلال الدین توانا [تہران: دانشگاہ تہران (۴۷-۱۳۴۶ھ شمسی)] ۲ جلدیں

نفسیات

۱ - فرہنگ روان پزشکی
احمد اُردوبادی [تہران: (۱۳۴۷ھ شمسی)] - ۱۰۶ ص
نفسی طب کا لغت ہے -

۲ - فرہنگ روان شناسی
فرید جواہر کلام [تہران]

معاشرتی علوم

۱ - فرہنگِ اصطلاحات تربیتی، جامعہ شناسی، روانکاوی فلسفی
علی اکبر شعاری نژاد [تبریز: (۱۳۴۴ھ شمسی)]
تربیت، معاشرتی علوم اور فلسفہ کی اصطلاحات کی فرہنگ ہے۔

کیمیا

۱ - فرہنگِ شیمی (انگریزی - فارسی)
ر - ن - سلامد [تہران: کتاب فروشی تہران (۱۳۵۰ھ شمسی)]
۳۸۲ ص

جغرافیہ

۱ - فرہنگِ اصطلاحات جغرافیائی
احمد آرام / صفی اصفیاء / حسین گل گلاب / غلام حسین / مصاحب
مصطفیٰ مقربی
[تہران : (۱۳۳۸ھ شمسی)] - ۱۲ + ۵۹ + ۱۵ص

علم کتب خانہ

۱ - فرہنگِ اصطلاحات کتابداری
وزارت سائنس واعلیٰ تعلیم [تہران : (۱۳۵۰ھ شمسی)] - ۶۳ + ۴۴ + ۵۸ ص.

زراعت

۱ - فرہنگِ اصطلاحات کشاورزی (انگریزی - فارسی)
ابوالحسن کوثیلی [تہران : دانش گاہ تہران (۱۳۴۷ھ شمسی)] - ۴۵۹ ص -

ارضیات

۱ - فرہنگِ زمین شناسی وعلوم وابستہ (انگریزی - فارسی)
فریدون ملکیان [تہران : کتابفروشی تہران (۱۳۵۱ھ شمسی)] - ۲۸۰ ص

- ○ -

حواشی

۱۔ مجید بیدار ۔ ڈائمنڈ جوبلی یادگاری مجلہ اردو ۱۹۷۹ء صفحات ۲۲۱، ۲۲۸۔

۲۔ ایضاً ص ۲۲۵

۳۔ ایضاً ص ۲۲۷

ڈاکٹر مجیب الاسلام

جامعہ عثمانیہ میں وضع اصطلاحات

نئے خیال کو ادا کرنے کے لیے نئے الفاظ ایجاد کیے جاتے ہیں۔ الفاظ ہی وہ ذریعہ ہیں جن کے سہارے ہم اپنا مطلب دوسروں تک پہنچاتے ہیں یہ الفاظ مختصر مفہوم یا خیال کی وضاحت کے لیے تو مددگار ثابت ہوتے ہیں لیکن طویل مفہوم یا خیال کو واضح کرنے میں معاون نہیں ہوتے۔ اس لیے طویل مفہوم یا مخصوص خیال کو کم سے کم الفاظ میں ادا کرنے کے لیے جو نئے نئے لفظ بنائے جاتے ہیں انہیں اصطلاح کہتے ہیں۔ جس طرح الفاظ اپنی ایک علیحدہ حیثیت اور تاریخ رکھتے ہیں اسی طرح اصطلاحوں کی بھی اپنی ایک تاریخی حیثیت ہوتی ہے۔ عوام اور خواص کے روزمرہ میں جو الفاظ زبان سے بار بار ادا ہوتے ہیں وہ سکۂ رائج الوقت ہو جاتے ہیں اور اپنی پوری توانائی کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو الفاظ استعمال میں نہیں آتے وہ اپنی توانائی اور حیثیت کھو کر بے جان اور

متروک ہو جاتے ہیں۔ الفاظوں کی طرح اصطلاحوں کو بھی اسی صورت حال سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہر زبان کی وہ اصطلاحیں جو زبان زد عام ہو جاتی ہیں وہ طلباء اور عوام میں مقبول ہوتی ہیں۔ ان کے کثرت استعمال سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ زبان سے بنائی ہوئی کوئی اصطلاح ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اصطلاحیں ترقی یافتہ زبان کا سرمایہ بن جاتی ہیں۔ ادبیات کی اصطلاحوں سے قطع نظر علوم و فنون کی علمی اصطلاحیں وضع کرنے میں زیادہ دشواریاں ہوتی ہیں کیونکہ علمی اصطلاحوں کا تعلق محدود رہتا ہے ان کا راست تعلق زندگی اور ضروریات کے تمام شعبوں سے نہیں ہوتا۔ علمی اصطلاحیں صرف ان مضامین کا احاطہ کرتی ہیں جن کے لیے وضع کی جاتی ہیں ان اصطلاحوں کی بھی ایک تاریخی اہمیت ہوتی ہے۔

ہندوستانی زبانوں میں خاص کر اردو میں تقریباً پونے دو سو سال سے علمی اصطلاحیں وضع کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ ۱۸۳۴ء میں اس کی اولین کوشش شمس الامراء کے دارالترجمہ میں کی گئی تھی۔ نواب شمس الامراء کے ذاتی شوق کی بدولت سائنس میں جن رسائل کا ترجمہ کیا گیا ان کے لیے علمی اصطلاحیں بھی وضع کی گئیں۔ شمس الامراء کے شوق کی بدولت جو علمی اصطلاحیں وجود میں آئیں ان میں سے چند ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

شورے کا کھٹا	Nitric Acid
موسمی پون	Monsoon
متوازی شعاعیں	Parallel Rays
تھرمامیٹر	Thermometer

دارالترجمہ شمس الامراء کی اصطلاحوں کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں

اصطلاحوں کے مترادفات وضع کرنے کے ساتھ ساتھ بعض اسمار کو برقرار بھی رکھا گیا ہے۔ ویسے بھی یہ علمی اصطلاحیں اولیت کی حامل ہیں ان میں تنقید کی گنجائش کم ہے۔

اردو میں علمی اصطلاحیں بنانے کا دوسرا ادارہ ۱۸۴۳ء میں "دلی ٹرانسلیشن سوسائٹی کے نام سے دہلی کالج میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ سوسائٹی درس و تدریس کی ضرورت کے پیش نظر قائم کی گئی تھی۔ اس ضرورت نے مختلف علوم کی اصطلاحیں وضع کرنے کے لیے اصطلاح سازی کے اصولوں کی جانب بھی توجہ دی۔ ان اصولوں کی روشنی میں جو اصطلاحیں بنائی گئیں ان میں سے کچھ یہاں تحریر کی جاتی ہیں:

قوت در مقناطیس	Strong Magnet
جذب و اندفاع	Dip and Inflation
تجربہ	Experiment
الیکٹرسٹی	Electricity

دارالترجمہ شمس الامرار کے مقابلے میں دلی ٹرانسلیشن سوسائٹی کی اصطلاحیں عام فہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں بعض اصطلاحیں آج بھی رائج ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں ذاتی شوق کے لیے نہیں بلکہ طلبار کو پڑھانے کے لیے اصطلاحیں بنائی گئی تھیں۔ دوسرے یہاں انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر ترجمہ کا کام کیا گیا تھا۔ سوسائٹی کے مترجمین نے صرف وقتی ضرورت کو سامنے نہیں رکھا بلکہ اس بات کی کوشش کی کہ جدید علوم کو اردو میں منتقل کرنے کی اس باضابطہ اولیں اور اجتماعی کوشش کو فروغ حاصل ہو۔ مترجمین کے پیش نظر شمالی ہند کی عام زندگی اور تہذیب تھی علاوہ ازیں دہلی میں عوام کا تعلق انگریزوں سے تھا۔ اس وجہ سے دونوں قوموں کے درمیان میل جول بڑھا جس سے ایسے مفید نتائج سامنے آئے جنہوں نے اصطلاح

سازی میں غیر شعوری طور پر مدد بہم پہنچائی۔

۱۸۵۷ء کے بعد ریاست جموں وکشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے نام سے ایک دارالترجمہ قائم کیا۔ یہ انفرادی کوشش درباری شان و شوکت کو اجاگر کرنے کی غرض سے کی گئی تھی۔ یہاں علم طب، انجینئری اور فنِ حرب وغیرہ کی چند مغربی تصانیف کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ کام ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہاں اردو، ہندی، ڈوگری اور پنجابی ان چاروں زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور انگریزی اصطلاحوں کو بجنسہٖ اردو میں تحریر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر :

سبلی میشن	Sublimation
ڈی کاک شن	Dicoction

وغیرہ' ان کے ساتھ ہی الفاظ کی شرح بھی اردو میں تحریر کی گئی تھی اور اسما کو بجنسہٖ استعمال کیا گیا تھا جیسے Spirit. سپرٹ وغیرہ۔

۱۸۶۴ء میں اصطلاحیں وضع کرنے کی ایک اجتماعی کوشش سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اثر کی گئی تھی۔ یہاں جو اصطلاحیں وضع کی گئیں ان میں سے چند نمونے کے طور پر ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں :

لوازم پیدائش	Factor of Production
صَرف	Consumption
سامان عیش وعشرت	Luxuries
تبادلہ [۳]	Exchange

سائنٹفک سوسائٹی کی کئی اصطلاحیں کئی خصوصیات کی حامل ہیں اول عام فہم ہیں دوم مرکب اور مفرد اصطلاحوں میں ان اصطلاحوں کو ترجیح دی گئی ہے جن سے کان آشنا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بعض اصطلاحیں آج بھی مستعمل ہیں۔

اصطلاح سازی کے اصول و قواعد

بیسویں صدی کے شروع میں بنگال کی حکومت نے دیسی زبانوں میں علمی رسائل کی تالیف کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی اور کلکتہ میں اردو ذریعۂ تعلیم کا ایک کالج بھی قائم کیا۔ کمیٹی کے ممتاز اراکین بابو راجندر لال مترا اور مولوی تمیز الدین خان نے انفرادی طور پر اصطلاحیں وضع کرنے کے اصول مرتب کیے اور اسی عہد میں انگریزی زبان کے اسکالر سید حسین بلگرامی نے بھی ترجمہ نگاری اور اصطلاح سازی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کچھ اصول متعین کیے۔ ان اصولوں کی روشنی میں اصطلاحیں بنائی بھی گئی تھیں لیکن کلکتہ کالج چند دن قائم رہ کر بند ہو گیا۔ کلکتہ کمیٹی اور سید حسین بلگرامی کے خیالات کو واضح کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"کوئی ۷۰ سال کا عرصہ ہوا مولوی سید حسین بلگرامی (نواب عماد الملک مرحوم) نے ایک نہایت عالمانہ اور ناقدانہ مقالہ اس موضوع پر لکھا۔ اس مقالے کی تحریر کا باعث یہ ہوا کہ اس زمانے میں حکومتِ بنگال نے دیسی زبانوں میں علمی رسائل کی تالیف کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ کمیٹی کے دو ارکان نے اپنی تجویزیں پیش کیں۔"[۲۱]

سید حسین بلگرامی مرحوم نے ان تجویزوں کا مطالعہ کیا اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وضع اصطلاحات کے اصول قائم کیے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۰ مغربی اصطلاحات کو بجنسہٖ قائم رکھ کر انہیں املا کے

وقت طلب طریقے کے مطابق دیسی زبانوں میں منتقل
کرنا چاہیے اس خزانہ الفاظ کو جو عربی فارسی میں مدفون
ہے۔ فراخ دستی اور کشادہ دلی کے ساتھ صرف کر کے
ان اصطلاحات کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کرنا چاہیے۔
بعض مغربی اصطلاحات بجنسہ قائم رکھنے اور بعض کا
ترجمہ کرنے سے ان دونوں طریقوں کو مخلوط کر دینا
چاہیے "[۵]

دارالترجمہ شمس الامراء سے کلکتہ کالج تک ترجمہ نگاری کے مراکز میں بہت سی علمی اصطلاحات وضع کی جا چکی تھیں، ان میں سے بعض مقبول بھی ہوئیں بعض جگہ اصطلاح سازی کے اصول بھی متعین کیے گئے اور بعض اہلِ علم نے بھی اپنی طرف سے اصول مرتب کیے۔ جن افراد نے اصطلاحیں بنائیں ان میں عربی، فارسی، اردو ہندی، بنگالی، انگریزی اور فرانسیسی کے عالم اور انشاپرداز شامل تھے یہ اصطلاحیں وضع کرنے کے مسائل سے آگاہ تھے اور ان میں سے بعض اصطلاح سازی کا شوق و ذوق بھی رکھتے تھے۔ لیکن ان افراد اور بعض اداروں کو وہ مراعات نہیں مل سکیں جو ترجمہ نگاری اور وضع اصطلاحات کے لیے ضروری اور درکار ہوتی ہیں اس لیے ان تمام اداروں میں عارضی اور محدود طور پر کام ہوا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دارالترجمہ عثمانیہ کے لیے وضع اصطلاحات کے اصول اور اصطلاحوں کے نمونے مل گئے۔ ان اداروں نے اصطلاحیں بنا کر دارالترجمہ عثمانیہ کے مترجمین کے لیے اساسی کام انجام دیا۔ ان اداروں کے کام سے دوسرا نہایت اہم اور بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دارالترجمہ کے مترجمین اور اراکین وضع اصطلاحات کمیٹی کو یہ معلوم ہو گیا کہ اصطلاحیں بنانے میں جو پریشانیاں اور پیچیدگیاں آتی ہیں انہیں کیسے دور

جائے۔

دارالترجمہ عثمانیہ کے لیے ہندوستان کے کونے کونے سے مختلف مضامین میں مہارت رکھنے والے افراد کو بحیثیت مترجم حیدر آباد بلایا گیا اور انھیں وہ تمام مراعات دی گئیں جو ایسے کام کرنے والوں کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں میں ریاست حیدر آباد میں دولت کی فراوانی تھی۔ دارالترجمہ کے لیے جن حضرات کو مدعو کیا گیا انہیں معاشی فکر سے آزاد رکھا گیا لہذا انھوں نے اپنے کام میں دل چسپی کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے سب سے پہلے دکن کی تہذیب اور تعلیم کا مطالعہ کیا، مترجمین کو دکن کے تہذیبی اثرات نے متاثر کیا اور اس کا خاص اثر اصطلاحات پر ہوا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ترجمہ کے کام کو صحیح ڈھنگ سے انجام دینے کے لیے پہلا مسئلہ ان اصطلاحات کا پیش کرنا جن کے مترادفات اردو میں نہیں تھے اس مسئلہ پر "اصطلاح ساز" دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نے یہ مشورہ دیا کہ انگریزی اصطلاحات کو خصوصاً سائنسی مضامین میں بجنسہٖ قبول کر لیا جائے۔ دوسرے نے اعتراض کیا کہ وہ ان اصطلاحوں کو بجنسہٖ اس لیے استعمال نہیں کر سکتے کہ یہ اردو کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> "ان کتابوں اور خاص کر سائنس کی کتابوں کے لیے وہی پرانی بحث اصطلاحات کی پیش آئی۔ اس مسئلے پر بہت بحث رہی اس میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک جماعت کا خیال تھا کہ انگریزی الفاظ اصطلاحات بجنسہٖ اردو

ہیں اختیار کر لی جائیں دوسری جماعت کی رائے تھی
کہ ہمیں خود اپنی اصطلاحیں وضع کرنی چاہئیں" ۱۵

ان مسائل کے حل کے لیے وضع اصطلاحات کمیٹی بنائی گئی اس کمیٹی میں جن ماہرین وضع اصطلاحات کو شامل کیا گیا ان میں وحید الدین سلیم کا نام سرفہرست ہے۔ ماہرین زبان کی حیثیت سے جن افراد کو شامل کیا گیا۔ ان میں بابائے اردو مولوی عبدالحق، نظم طباطبائی، عبداللہ عمادی اور مرزا محمد ہادی رسوا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وضع اصطلاحات نے سب سے پہلے متفقہ طور پر انگریزی اصطلاحات کو اردو میں اصطلاحوں میں وضع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے سے یہ بات سامنے آئی کہ اصطلاحیں بنانے کے لیے کس زبان سے مترادفات لیے جائیں چنانچہ اس مسئلے پر بحث ہوئی اور ماہرین (اراکین وضع اصطلاحات کمیٹی) پھر دو حصوں میں بٹ گئے۔ نظم طباطبائی اور ان کے ہم نوا یہ چاہتے تھے کہ مترادفات عربی زبان سے لیے جائیں جبکہ وحید الدین سلیم اور مولوی عبدالحق کا یہ اصرار تھا کہ ہمیں اصطلاح سازی کے لیے ہندوستانی زبان اختیار کرنی چاہیے۔ ان دونوں نے اپنے خیالات اور نظریات کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ان کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے وحید الدین سلیم لکھتے ہیں:

"پہلا گروہ اپنے نظریے کی تائید میں حسبِ ذیل دلائل پیش کرتا ہے۔

اول: عربی مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور اسی سبب وہ تمام قومیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہیں اس زبان سے یکساں طور پر مانوس ہیں۔ اگر اس زبان کے الفاظ سے اس زبان کے قواعد کے مطابق اصطلاحیں

بنائی گئیں تو دنیا کے تمام مسلمان ان کو آسانی اور دل چسپی کے ساتھ قبول کرلیں گے اور جس طرح یورپ کے لیے ایک بین قومی زبان ہے اسی طرح ہماری علمی زبان بھی تمام بلادِ اسلامیہ کے لیے ایک بین قومی زبان ہوگی۔

دوم: عربی زبان پہلے سے علمی زبان ہے مسلمانوں کے تمام علمی کارنامے جو انہوں نے زمانہ سابق میں سرانجام دیے ہیں اس زبان میں جمع ہیں اگر جدید علمی اصطلاحات بھی اسی زبان کے الفاظ سے اور اسی زبان کے قواعد کے مطابق وضع کیے جائیں تو اس میں کافی قابلیت اس امر کی موجود ہے۔[۱]

گروہِ ثانی کے دلائل:۔

۱۔ کسی زبان کی ترقی کے یہ معنی ہیں کہ اس زبان میں غیر زبانوں کے بے شمار الفاظ بجنسہٖ مابعد التصرف کے داخل کرلیے جائیں تو زبان کی ترقی اس حالت میں ترقی کہلاسکتی ہے جبکہ وہ اکثر الفاظ جو اس میں بڑھائے جائیں اس زبان کی قدرتی ساخت اور اس کی اصل گرامر کے مطابق بنائے گئے ہوں اور ان الفاظ کے مادے ان زبانوں سے لیے گئے ہوں جو اس زبان کی بناوٹ اور ترکیب میں قدرتی طور سے داخل ہوں۔

۲۔ عربی زبان میں بلاشبہ مفرد مادوں کی افراط ہے اس لحاظ سے یہ زبان اعلیٰ درجہ کی زبان ہے جبکہ اردو کے قدرتی عنصر عربی فارسی اور ہندی ہیں ان میں سے کسی ایک زبان پر قناعت کرلینا اپنے لیے تنگی پیدا کرنا اور ترقی کے دائرے کو محدود کر لینا ہے۔

۳۔ اردو زبان ہندوستان کے مختلف گروہوں نے مل کر بنائی ہے اور فہم وتفہیم کی آسانی کے لیے ہر گروہ نے اپنی زبان کے الفاظ اس میں شامل کیے ہیں اور اس طرح یہ زبان ان تمام گروہوں کے لیے ذریعۂ فہم وتفہیم بن گئی ہے اگر ہم کسی ایک گروہ کی زبان مثلاً عربی کے الفاظ اس میں کثرت سے شامل کریں گے تو دوسرے گروہوں کے لیے وہ ذریعۂ فہم وتفہیم نہیں رہے گی۔

۴۔ ہندوستان میں مدت دراز سے دو زبانیں ذریعۂ تعلیم رہی ہیں ہندوؤں کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی۔ اسی سبب دو مختلف قسم کی علمی اصطلاحیں اب تک اس ملک میں مستعمل ہوتی رہی ہیں۔۔۔ مگر اب ہم اردو کو ذریعۂ تعلیم ٹھہرانا چاہتے ہیں اسی بناپر نہ تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ سنسکرت کی اصطلاحوں سے اپنی زبان کالا بد جل کریں اور مسلمانوں کے لیے

مشکلات پیدا کریں اور نہ اس بات کو مناسب
سمجھتے ہیں کہ تنہا عربی سے اصطلاحیں لے کر دوسرے
گروہوں کے لیے اپنی زبان کو نامانوس اور اجنبی ہونے
دیں۔ ہمارے نزدیک مناسب طریقہ یہی ہے کہ
اصطلاحیں وضع کرنے میں ان تمام زبانوں سے کام
لیا جائے جو اس زبان کی ترکیب میں طبعی طور پر
شامل ہیں۔" ۵۴

مندرجہ بالا دلیلوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ گروہ ثانی کے دلائل قابلِ
قبول ہیں کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا مقصد اردو ذریعۂ تعلیم سے طلباء کو مستفید کرانا تھا۔
لہٰذا جامعہ عثمانیہ کی جنرل کمیٹی جس میں زبان اور قدیم و جدید علوم کے ماہرین شامل
تھے۔ انہوں نے دکن کے تہذیبی اور سیاسی اثرات کے پیشِ نظر غور و خوض کے بعد
یہ فیصلہ کیا کہ اصطلاحیں بنانے کے لیے عربی، فارسی، اور ہندی زبانوں سے مترادفات
لے کر اردو زبان کی گرامر کا خیال رکھتے ہوئے اصطلاحیں وضع کی جائیں اس فیصلے
کی وضاحت کرتے ہوئے وحید الدین سلیم لکھتے ہیں :

"نہایت خوشی کی بات ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی اس کمیٹی
نے جس میں دونوں گروہوں کے اصحاب الرائے موجود
تھے کافی غور اور مباحثہ کے بعد کثرتِ رائے سے دوسرے
گروہ کے اس نظریے کو پاس کر دیا کہ اردو زبان میں
جو اصطلاحیں وضع کی جائیں ان کے الفاظ عربی، فارسی
اور ہندی سے بے تکلف لیے جائیں مگر الفاظ کی ترکیب
دینے کے وقت صرف اردو زبان کی گرامر کا لحاظ رکھا

جائے"۔[1]

عثمانیہ یونیورسٹی کی جنرل کمیٹی کے فیصلے اور سفارشات نیز وضع اصطلاحات کمیٹی کے اراکین کی بحث اور وحید الدین سلیم کے دلائل کی روشنی میں اصطلاح سازی کے لیے مندرجہ ذیل اصول قرار دیے گئے :۔

۱۔ " اصطلاحیں وضع کرنے کے لیے ماہرانِ زبان اور ماہران فن دونوں کا یکجا ہونا ضروری ہے۔ اصطلاحات بنانے میں دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا لازم ہے تاکہ جو اصطلاح بنائی جائے وہ زبان کے سانچے میں ڈھلی ہو اور فن کے اعتبار سے ناموزوں نہ ہو۔

۲۔ اصطلاحات بنانے کے لیے عربی، فارسی، ہندی میں سے کسی زبان کا بھی ایسا مادہ لے سکتے ہیں جو سہل ہو جو مروج ہو اور جو موزوں ہو۔ الفاظ دوسری زبان سے لے سکتے ہیں لیکن اس کے نحوی قاعدے نہیں لے سکتے۔

۳۔ جس طرح اگلے زمانے میں اپنی زبان یا غیر زبانوں کے اسماء سے مصادر بنائے جاتے تھے مثلاً بولنا، قبولنا، بخشنا وغیرہ۔ اسی طرح اب بھی حسب ضرورت اسماء سے افعال بنائے جائیں۔

۴۔ حتی الامکان مختصر لفظ وضع کیے جائیں جو اصل مفہوم یا اس کے قریبی معنوں کو ادا کر سکیں۔

۵۔ ترکیب میں بھی انہی اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے

جو اب تک ہماری زبان میں مستعمل ہیں مثلاً ہندی لفظ
کے ساتھ فارسی عربی کا جوڑ اور عربی فارسی سابقوں اور
خصوصاً لاحقوں کا میل ہندی الفاظ کے ساتھ مثلاً دھڑے
بندی، اگال دان، بے کل وغیرہ یا عربی قاعدے سے
فارسی ہندی الفاظ کے اسم کیفیت جیسے رنگت، نزاکت
کے طرز پر مزاجیت وغیرہ۔

۶۔ ہماری زبان کی ایسی اصطلاحیں جو قدیم سے رائج تھیں
اور اب بھی اسی طرح کار آمد ہیں انہیں برقرار رکھا جائے
البتہ بعض اصطلاحیں جو صحیح نہیں اور رائج ہو گئی ہیں، یا
جن سے اشتقاق وترکیب کی رو سے آگے لفظ نہیں
بن سکتے انہیں ترک کر کے ان کے بجائے دوسرے مناسب
الفاظ وضع کر لیے جائیں۔

۷۔ بعض انگریزی اصطلاحیں جو پہلے زمانے میں اس وقت
کی معلومات کی رو سے تجویز کی گئی تھیں اور حال کی تحقیق
سے صحیح نہیں رہیں ان کے بجائے ایسے لفظ تجویز کیے
جائیں جو جدید تحقیق کی رو سے صحیح مفہوم ادا کرسکیں اس
میں انگریزی الفاظ کی تقلید نہ کی جائے۔"[۱]

ماہرین زبان اور ماہرین فن دونوں کی موجودگی میں اصطلاحیں وضع کرنے
کا یہ سائنٹفک طریقہ تھا۔ تمام مضامین کے مترجمین اپنے اپنے مضمون کے ان الفاظ
کی فہرست جن کے مترادفات اردو میں نہیں تھے یا جن الفاظ کی اصطلاحیں وضع
کرنی مقصود ہوتی تھیں وہ وضع اصطلاحات کمیٹی میں روانہ کر دیتے تھے مترجم کی

پہلے یہ کوشش ہوتی کہ وہ خود اصطلاح وضع کرے یا مترادف لفظ تحریر کر کے کمیٹی میں پیش کیا جاتا تھا۔ اس مضمون کے ماہر اور اراکین وضع اصطلاحات مترادفات پر غور کر کے اصطلاح بناتے تھے۔ اصطلاحیں بناتے وقت ایک ایک لفظ پر گھنٹوں بحث ہوتی تھی۔ اس بحث سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ایک لفظ کے مترادفات کے لیے کئی عربی، فارسی اور ہندی کے الفاظ سامنے آجاتے تھے ان میں سے کسی ایک لفظ کو جو مفہوم کی بھرپور وضاحت کرتا اسے منتخب کرلیا جاتا تھا۔ اصطلاحیں بنانے کے دوران جو بحث ہوتی اس کی معلومات بڑی دل چسپ ہیں۔ جب مولانا سلیم کوئی نیا لفظ وضع کرتے تو نظم طباطبائی کہتے تھے:

"اجی حضرت یہ کس زبان کا لفظ ہے آج تک کسی نے اس کو باندھا بھی ہے۔ سلیم جواب دیتے اجی جناب غالب اور آتش نے باندھا ہے۔ طباطبائی اس پر خوب ہنستے اور کہتے غالب اور آتش کیا آپ کے پیٹ سے نکلے ہیں۔"[۱۱۱]

اس طرح بے شمار لطیفے روز ہوا کرتے تھے کیونکہ وضع اصطلاحات کمیٹی کی ہر روز نشست ہوتی تھی روزانہ کسی نہ کسی مضمون کے ماہرین کمیٹی میں شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اصطلاحیں وضع کی جاتی تھیں۔ بعض اوقات بحث اتنی طویل ہو جاتی تھی کہ دوسرے دن تک ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ بحث کے طویل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مترادفات بنانے کے بعد انہیں اردو زبان کے مزاج کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی تھی اور یہ دیکھا جاتا تھا کہ بنائی گئی اصطلاح اردو زبان کی ساخت کے مطابق ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر دو مفرد

انگریزی اصطلاحوں Anarchy اور Institution کے مترادفات پر خوب بحث ہوئی ان دونوں اصطلاحوں کے ذکر میں پروفیسر ہارون خان شروانی کہتے ہیں :

"انارکی لفظ پر دو روز تک بحث ہوتی رہی سلیم اور نظم میں خوب بحث ہوتی تھی اس وقت مولوی عنایت اللہ بھی موجود تھے ویسے بھی عنایت اللہ میرے ساتھ رہتے تھے اکثر شام میں مولوی عنایت اللہ، خلیفہ عبدالحکیم اور فدا علی مختلف موضوعات پر بحث کرتے تھے جب ایک روز انارکی کی اردو اصطلاح نہیں بنی تو ہم سب نے اس روز شام کو اس پر بحث کی۔ دوسرے دن کمیٹی میں پھر انارکی پر بحث چھڑ گئی۔ شام کو کہیں جاکر انارکی کا ترجمہ اَنجل ہوا میں نے سلیم سے کہا نراج لگایے سلیم نے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے لفظ Institution کے لیے عنایت اللہ کہتے تھے انگریزی لفظ استعمال کیا جائے۔ پھر عنایت اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ پختہ کیا اس پر چھ گھنٹے بحث رہی تب جاکر ادارے کا لفظ آیا۔ اس طرح ہزاروں لفظ کمیٹی نے طے کیے۔" [۱۲]

پروفیسر ہارون خان شروانی کا بیان نہ صرف دل چسپ ہے بلکہ معلوماتی ہے۔ بہرکیف اصطلاح بناتے وقت ہر لفظ کو مختلف طریقوں سے پرکھا جاتا تھا اصطلاح کی بناوٹ اور اس کے حسن پر خاص توجہ دیتے تھے جو اصطلاح

اردو زبان کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی تھی اس کو یا تو خارج کر دیا جاتا تھا یا اس
یں ترمیم کر کے اسے زبان کی ساخت کے مطابق بنایا جاتا تھا۔ اس طرح جو اصطلا
مفہوم کی وضاحت کے ساتھ زبان کی ہیئت کے مطابق ہوتی وضع اصطلاحا
کمیٹی اسے اصطلاح کی سند دے دیتی تھی۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دارالتر
عثمانیہ میں سائنٹفک طریقے پر اصطلاحیں بنائی گئیں۔

ماہرین فن، ماہرین زبان، اصطلاح سازی کے اصول و قواعد اور جدید
رکھنے والے مترجمین کے باہمی ربط سے آرٹس، سائنس، سوشل سائنس، میڈیسن
انجینئرنگ اور قانون میں جو اصطلاحیں وضع کی گئیں ان کی نوعیت اور افادیت
کو دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف مضامین کی کچھ اصطلاحیں نمونے کے طور پر پیش
کی جائیں اور تنقیدی نقطۂ نظر سے ان کی خوبیوں اور خامیوں کو واضح کیا جائے
سب سے پہلے آرٹس کے مضامین میں تاریخ کی اصطلاحیں تحریر کی جاتی ہیں۔

مختلف علوم و فنون کی اصطلاحوں کا جائزہ

تاریخ

Offensive Alliance ــــــ کی اصطلاح "جراحی مخالفہ" وضع
کی گئی یہ مرکب عربی آمیز اصطلاح بنائی گئی ہے۔ پہلا انگریزی لفظ Offence
سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں جارحانہ، حملہ آور وغیرہ [A] یہاں لفظ جارح
سے جراحی بنایا گیا ہے۔ لفظ جراحی سنتے ہی ذہن ایک خاص پیشے کی
مائل ہو جاتا ہے کیونکہ جراحی کے معنی ہیں "زخم کے علاج کا پیشہ" [B]
عام شخص لفظ جراحی سے یہی مطلب اخذ کرتا ہے۔ لیکن یہاں تاریخ
اصطلاح بنانے کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس کی

کوئی دوسرا مترادف لفظ یہاں استعمال نہیں کیا جاسکتا اگر کوئی دوسرا لفظ استعمال بھی کر لیا جائے، تو یہ معنی ادا نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ معنوی اعتبار سے لفظ جراحی اپنی جگہ مکمل ہے، دوسرے انگریزی لفظ Alliance کے لیے عربی لفظ محالفہ استعمال کیا ہے انگریزی لفظ کے معنی ہیں اتحاد، پیوندشادی، رشتہ، قرابت[8] یہاں خالص عربی لفظ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرکب اصطلاح کی خوب صورتی اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب ایک ہی زبان کے دونوں لفظ استعمال کیے جائیں حالانکہ یہاں "جراحی اتحاد" یہ اصطلاح بھی بنائی جاسکتی تھی لیکن یہ اصطلاح بھر پور نہیں ہوتی جتنی کہ جراحی محالفہ۔ عربی آمیز ہونے کی وجہ سے کچھ مشکل ضرور ہے لیکن اصل انگریزی اصطلاح کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر رہی ہیں۔

Registration کی اصطلاح "تسجیل" وضع کی گئی ہے یہ عربی آمیز اصطلاح دکن کے کلچر کی نمائندگی کرتی ہے کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی میں Registrar کے لیے "مسجل" کی اصطلاح رائج تھی جبکہ شمالی ہندوستان اور دوسرے مقامات پر Registration کے لیے لفظ اندراج رائج تھا اور آج بھی ہے لیکن حیدرآباد اور اس کے قرب وجوار میں آج بھی لفظ تسجیل ہی استعمال کیا جاتا ہے ایسی ہی چند اور عربی آمیز اصطلاحیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

میر عدل	Chief Justice
دولت عامہ	Common Wealth
ماموریہ	Commission
ناظم امن	Justice of Peace

ہجرتِ اقوام	Migration of People
تعاون	Co-operation

اوپر تحریر کی گئی اصطلاحیں عربی الفاظ کی مدد سے بنائی گئی ہیں ان میں اکثریت ایسی اصطلاحوں کی ہے جو آج رائج ہیں۔ ان کے مقابلے میں تاریخ کی بے شمار فارسی آمیز اصطلاحوں میں سے چند یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔

مثلاً Crown Colony کی اصطلاح "شاہی نوآبادی" وضع کی گئی ہے۔ یہ اصطلاح نہ صرف لغوی طور پر اصل اصطلاح کی وضاحت کر رہی ہے بلکہ سلیس اور اچھی علامتوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔

مثلاً Domination کی اصطلاح "قلمرو" بنائی گئی ہے یہ اصطلاح بھی دکن کی تہذیبی روایات کی آئینہ دار ہے کیوں کہ ریاست حیدرآباد کو "قلمرو آصفیہ" کہا جاتا تھا۔

تاریخ میں بعض انگریزی اصطلاحوں کے اردو مترادفات عربی فارسی کے اختلاط سے بنائے گئے ہیں۔ ذیل میں چند عربی فارسی الفاظ پر مشتمل اصطلاحیں پیش کی جاتی ہیں:

مثبت کاری	Relief
معاون دریا	Tributary River
پہلو منظر	Side Scene
پس منظر	Back Ground

عربی فارسی الفاظ کے علاوہ بعض دوسری زبانوں کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مثال کے طور پر Sacred Bond کی اصطلاح "قشون مقدس" بنائی گئی ہے یہاں Sacred کے لیے عربی لفظ مقدس اور Bond کے لیے

لفظ قشون استعمال کیا ہے کیونکہ مرکب اصطلاح کے دونوں لفظ ایک زبان سے نہیں لیے گئے، اس لیے وضع کی گئی اصطلاح میں اجنبیت صاف جھلکتی ہے۔

تاریخ کی بعض اصطلاحیں لفظی ترجمے کی مدد سے بھی بنائی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر International Exhibition کی اصطلاح "نمائش بین الاقوامی"[19] Conscription — کی اصطلاح "جبری فوجی حکومت"[20] "تاریخ کی بے شمار اصطلاحوں کو دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں اکثریت عربی آمیز اصطلاحوں کی ہے عربی الفاظ کو ترجیح دینے کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف حسین خاں مرحوم کہتے ہیں:

"تاریخ کی اصطلاحوں پر بھی وہی بات صادق آتی ہے کہ اس میں عربی الفاظ کی بھرمار ہے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ عربی الفاظ دوسری زبانوں کے مقابلے میں واضح اور حاوی ہیں یہی وجہ ہے کہ عربی الفاظ پر خاص توجہ دی گئی"[21]

○

حواشی

۱۔ اردو اصطلاحات اہمیت اور مسائل ۔ میر حسن ۔ ضمیمہ اردو آج کل نمبر ۱۹۷۳ء نئی دہلی ۔

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ ۔ مولوی عبدالحق ص ۔ ۶ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۴۹ء ۔

۵۔ ایضاً ، ص ۱۲

۶۔ ایضاً ، ص ۲۸

۷۔ گروہ اول کے دلائل ۔ وضع اصطلاحات ۔ وحید الدین سلیم ص ۸ ۔

۸۔ ایضاً ص ۱۲

۹۔ ایضاً ص ۱۴ ۔ ۱۵ ۔

۱۰۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ ۔ مولوی عبدالحق ۔ ص ۳۹ ۔ ۴۲ ۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۴۹ء ۔

۱۱۔ پروفیسر ہارون خان شروانی سے انٹرویو۔مجیب الاسلام ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۷۶ء ۔ حیدرآباد

۱۲ ۔ ایضاً ۱۷ جولائی

مختلف علوم وفنون کی اصطلاحوں کا جائزہ

تاریخ

۱ ۔ اصطلاحِ تاریخ ۔ فہرست اصطلاحات ۔ تاریخ یونان جلد چہارم ۔ مترجم پروفیسر ہارون خان شروانی دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۶ء ۔

ماخذ A ۔ The Standard English Urdu Dictionary.
Edited by Abdul Haq J.S Sant Sing and Sons
Churi Walan Delhi - 110006

ماخذ B ۔ فرہنگ آصفیہ۔ مولف خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی ۔ شعبۂ طباعت واشاعت ترقی اردو بورڈ دہلی ۱۹۷۴ء ۔

ماخذ A ۔ The Standard English Urdu Dictionary
Edited by Abdul Haq

اصطلاح تاریخ ۲ ۔ فہرست اصطلاحات ۔ تاریخ یونان جلد چہارم ۔ مترجم پروفیسر ہارون خان شروانی ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۶ء ۔

اصطلاحات تاریخ ۳ تا ۸ ۔ فہرست اصطلاحات ۔ تاریخ یونان جلد چہارم ۔ مترجم پروفیسر ہارون خان شروانی ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۶ء ۔

اصطلاحاتِ تاریخ ۹ ، ۱۰ ۔ فہرست اصطلاحات ۔ تاریخ یونان جلد سوم ۔ مترجم پروفیسر ہارون خان شروانی ۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۱ء ۔

اصطلاحات تاریخ ۱۱ تا ۱۴ ۔ فہرست اصطلاحات ۔ تاریخ یونان جلد چہارم ۔ مترجم

پروفیسر ہارون خان شروانی۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۱ء۔

اصطلاحات تاریخ ۱۵ تا ۱۷۔ حکومت ہائے یورپ۔ حصہ دوم۔ مترجم قاضی تلمذ حسین دارالطبع جامعہ عثمانیہ ۱۹۳۷ء۔

○

مجید بیدار

دارالترجمہ میں اصطلاح سازی کے معرکے

علوم و فنون کی حیات میں طوالت ، قوت حصول اور طلب و رسد سے
سے پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی زبان علوم و فنون کی جزئیات کو اپنے ادب میں
سمیٹنے کی کوشش کرتی ہے تو سب سے پہلے خود میں حصول کی کیفیات کو پروان
چڑھانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ دنیا کی علمی زبانوں نے ان ہی بنیادوں سے
ترقی کے زینے طے کیے ۔ چنانچہ مولانا وحید الدین سلیم مرحوم فرماتے ہیں :

"یورپ کی جدید زبانوں میں علمی اصطلاحات نہیں تھیں
اس لیے لاطینی اور یونانی سے جن کے مادوں سے یورپ
کی زبانیں مرکب ہیں اور جن کی صرف و نحو یورپ کی
جدید زبانوں کی صرف و نحو سے ملتی جلتی ہیں ۔ علمی
اصطلاحات تیار کر لی گئیں۔ ہماری اردو زبان عربی

اور فارسی سے مرکب ہے اور اس کی صرف و نحو آرین
زبانوں کی صرف و نحو سے ملتی جلتی ہے۔ پس اگر اس
اصول کے لحاظ سے ہم علمی الفاظ تیار کریں کہ ان کے الفاظ
کے اجزار عربی اور فارسی زبانوں سے لیں اور ان کی
ساخت ہماری زبان کی صرف و نحو کے مطابق ہو تو اس
میں کیا مضائقہ ہے۔ کیوں ہم اپنی زبان کو ایسے نامانوس
اور ثقیل الفاظ سے بھریں جن کا زبان پر چڑھنا دشوار ہے۔"[1]

اردو زبان کو یورپی زبانوں کی طرح علمی اصطلاحات وضع کرنے کے لیے دیگر زبانوں سے استفادہ کا رجحان پیش کر کے مولانا سلیم نے اصطلاحات سازی کی تحریک کو تقویت پہنچائی ورنہ مولانا ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ

"عربی زبان جوام اللغات اسلامیہ ہے۔ زندہ ہے
اور اپنے بچوں کی پرورش کے لیے کافی اسباب و سامان
اپنے اندر رکھتی ہے۔"[2]

زمانہ قیام دارالترجمہ کے بیانات اور اخبارات کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عربی زبان سے اصطلاحات بنانے کے اصول کو عام تائید حاصل ہو رہی تھی۔ چنانچہ محمد سلیم عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ :

"وضع اصطلاحات علمیہ کے لیے عربی سے زیادہ جامع اور
موزوں کوئی زبان نہیں ہو سکتی ہے۔"[3]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری جس طرح انگریزی زبان کی اصطلاحات کو بجنسہٖ اردو زبان میں اختیار کرنے کے مخالف تھے۔ اس طرح وہ ہندی اصطلاحات کو بھی اردو کے لیے پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ

"عربی اور فارسی کے علمی خزانوں سے پوری طرح مدد لی
جانی چاہیے اور جو مترادفات اصطلاحات ان زبانوں میں
نہ مل سکیں وہ وضع کی جائیں۔"[۲]

خیالات و بیانات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دارالترجمہ سے قبل اہلِ اردو اس زبان کی تنگ دامانی کے شاکی تھے۔ چنانچہ انہوں نے عربی زبان کی اصطلاحات کو اردو میں رواج دینے پر زور دیا۔ بعض دانش وروں نے فارسی کے علمی ذخیروں سے استفادہ پر زور دیا۔ تاہم دارالترجمہ نے ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں خود اتنی استطاعت ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات آپ وضع کر سکتی ہے۔

ضرورتِ اصطلاحات

کسی زبان کی ترقی اور اس میں علمی ادبی اور فنی علوم کے ذخیرہ کے لیے الفاظ کی کثرت اور موزوں مفہوم کی ادائیگی کے لیے نئے موزوں وضع کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ جس کی پابجائی کے لیے اہلِ زبان دیگر زبانوں کی لفظی ترکیب پر خاص لحاظ رکھ کر نئے الفاظ وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اصطلاحات اور ان کی افادیت سے متعلق ڈاکٹر منظر عباسی نقوی تحریر کرتے ہیں:

"اصطلاحات سے مراد وہ الفاظ ہیں جو کسی مخصوص شعبۂ
علم مثلاً جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، لغیات، ریاضیات،
طبیعیات یا علم الحیوانیات وغیرہ کے معین مطالب کو
ادا کرنے کے لیے استعمال کیے جائیں۔ ترقی یافتہ ممالک
میں علوم و فنون علوم و فنون میں تحقیقات ہوتی رہتی

ہیں۔ آئے دن لوگ نئی نئی باتیں دریافت کرتے رہتے ہیں ۔ اور ایجادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ اس طرح ضرورت کی بنا پر خود نئے نئے الفاظ اور اصطلاحیں بنتی اور رواج پاتی رہتی ہیں ۔ پہلے یہ اصطلاحات کتابوں میں آتی ہیں اور جب کتابوں سے چل کر لوگوں کی زبان پر جاری ہو جاتی ہیں۔ بعد میں ان زبانوں کے لغات تیار ہونے ہیں ۔ تو ان میں ان علمی اصطلاحات کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے ۔ علم لسانیات کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ پہلے کوئی زبان بنتی ہے اور بعد میں اس کی لغت ۔ اس کلیہ کی رو سے جب تک کسی قوم میں علوم کی ترقی نہ ہو اصطلاحات کا پایا جانا ممکن نہیں "[۵]

اقوام کی ترقی اور زبان کی وسعت کے ہمراہ علوم وفنون کی رفتار سے ہمقدمی کے لیے اصطلاحات کی ضرورت لاحق ہو جاتی ہے اور اقوام میں اس کے رواج کے لیے جن ادوار سے گزرنا پڑتا ہے ۔ اس کے متعلق ڈاکٹر رائے جانکی پرشاد نے اظہار خیال کیا ہے :

"دنیا میں آج تک کسی قوم نے یہ نہیں کیا کہ پہلے تمام اصطلاحیں وضع کر لی ہوں۔ چلنے نہ چلنے کے قطعی اصول بنا لیے ہوں۔ فرہنگیں مدون کر لی ہوں اور پھر علوم و فنون کی طرف توجہ کی ہو۔ زبان کی ارتقائی تاریخیں بتاتی ہیں کہ ہر جگہ پہلے تصنیف و تالیف کا کام ہوا ہے پھر اصطلاحیں مدون کی گئی ہیں اور سب سے آخر

میں ان پر بحث و مباحثہ ہوا ہے۔" [۹]

اردو زبان میں اصطلاحیں وضع کر کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کا رجحان ہندوستان میں سب سے پہلے حیدر آباد میں محسوس کیا جانے لگا۔ جس کی نمائندہ مثال "مجلس وضع اصطلاحات" کا قیام ہے۔ دارالترجمہ سے منسلک اس مجلس نے اردو ادب میں نئے نئے الفاظ کو داخل کرنے کی کوشش کی اور ان خدشات کا بھی ازالہ کیا جس کے پیش نظر اردو میں سائنسی علوم کی تعلیم کو دشوار سمجھا جاتا تھا۔ اس خصوص میں سید ہاشمی فرید آبادی رقمطراز ہیں:

"اردو میں اعلیٰ مغربی تعلیم دلانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں سائنس کی جدید اصطلاحات موجود نہیں ہیں۔ حالاں کہ جب کسی زبان میں تعلیم دینے کا ارادہ کیا گیا تو کتابوں کے ترجمے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات کا عقدہ بھی کسی نہ کسی طرح حل ہو جاتا ہے۔ ہماری زبان میں ایک صدی سے پہلے اردو کالج دہلی میں یہ تجربہ کیا گیا تھا۔ قرن حاضر میں اس سے بھی زیادہ بڑے پیمانے پر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد نے ان مشکلات سے عہدہ برآ ہو کر دکھا دیا۔ وہاں یورپ کے اعلیٰ تعلیم یافتوں کی متعدد جماعتیں مامور تھیں کہ اپنے اپنے علوم کی مغربی اصطلاحات کی تشریح اور ماہرین زبان کی مدد سے ان کے مترادفات فراہم یا نئے وضع کریں۔ چنانچہ ہزاروں اصطلاحیں منظور کی گئیں اور درسی کتابوں میں استعمال ہونے لگیں۔" [۱۰]

زبان میں علوم و فنون کی ترقی و ترویج کے لیے اصطلاحات اسی اہمیت کے حامل رہتی ہیں جس طرح انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہوتی ہے۔ اسی سبب سے ان کی اہمیت و افادیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حیدر آباد نے اہلِ اردو کی خواہش کی نمائندگی کی اور اصطلاحات وضع کرنے کی بنا ڈالی۔

اصطلاح سازی کا طریقہ :

اصطلاح وضع کرنے اور اس کا علمی مرتبہ برقرار رکھنے کے لیے "مجلس وضع اصطلاحات" جس لائحہ عمل کو اپناتی تھی۔ اس سے متعلق محمد نصیر احمد عثمانی بیان کرتے ہیں :

"مجلس وضع اصطلاحات کا طریقہ کار یہی تھا کہ الفاظ کی فہرست پہلے سے تیار ہو کر ہر ایک رکن کے پاس بھیج دی جاتی تھی۔ لہذا جب وہ لفظ پیش کیا جاتا تو اس کا ترجمہ بھی پیش کیا جاتا۔ اس ضمن میں اگر کسی کو اعتراض نہ ہوتا تو وہ لفظ مع ترجمہ صدر نشین مجلس ایک رجسٹر میں درج کر لیتے اور دوسرے لفظ کو لیتے۔ پھر کوئی لفظ ایسا آتا تو مختلف ترجمے پیش ہوتے۔ ان پر بحث ہوتی اور جو طے پاتا اسے درج کر لیا جاتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی لفظ نے طول پکڑا تو ایک گھنٹے سے زیادہ صرف ہو جاتا گو اس کے بعد کوئی نہ کوئی لفظ طے کر لیا جاتا صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ لفظی بحث میں تلخی پیدا ہو گئی۔ اس وقت ایک طرف

وحید الدین سلیم تھے اور دوسری طرف طباطبائی اور
رسوا۔ گو انجام اس تلخی کا بھی شیریں رہا۔ ان مباحث
میں لطیفے بھی چلتے رہتے تھے جو مجلس کو خوش گوار بنا
دیتے تھے۔"[۸]

موزوں اور مترادف معنی والا لفظ انگریزی زبان کے مماثل وضع کرنے کے
لیے دارالترجمہ کی اس مجلس نے صوتی، لسانی اور ادبی خصوصیات کو پیش نظر
رکھا اور ایسے لفظ ہی وضع کیے جو اردو کے ذہن اور لہجہ سے مطابقت رکھتے
تھے۔ اصطلاحات کو اردو کے فطری پہلو سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش
درحقیقت دارالترجمہ کے مترجمین کا ہی کارنامہ تھی۔ وضع شدہ لفظ کو اردو
کا فطری جامہ پہنانے کے لیے جو جدوجہد ہوتی اس کے متعلق رائے جانکی پرشاد
تحریر کرتے ہیں:

"سررشتہ تالیف و ترجمہ میں ہر علم وفن کے لیے وضع
اصطلاحات کی ایک مجلس مقرر کی تھی۔ مختلف علوم و
فنون کے واسطے بارہ مجلسیں اپنے اجلاس منعقد کرتی
رہیں۔ ہر مجلس ایسی بنائی گئی جس میں متعلقہ فن اور
لسانیات کے ماہر پورے غور و خوض بحث و مباحثہ
کے بعد اصطلاحی الفاظ وضع کرتے تھے۔ ہر مجلس کا
اصول وضع یہ رہا کہ تمام اصطلاحیں اردو میں وضع
کی جائیں۔ وہ کسی زبان کا کوئی لفظ جو اردو کی فطرت
کے مطابق نہ ہو اس کی اصلی صورت میں نہیں لیتی۔

> وضع کرنے والے ہر لفظ کو مختلف حیثیتوں سے دیکھتے۔
> سب سے پہلے ان کی نظر لفظ کی ساخت پر جاتی۔
> غیر زبانوں کے لفظوں کو جو اردو کی ساخت کے مطابق
> نہ ہوں اردو کی خراد پر چڑھا کر موقع محل کے سانچوں
> میں ڈھالتے اور مشتقات بنا کر ترکیب استعمال کے
> ادبی پہلوؤں کو دیکھیے ان کے پیش نظر ہر انگریزی اصطلاح
> کا صرف عام مفہوم ہی ادا کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس
> سے بھی زیادہ اس بات کی کوشش کرتے کہ اصل اصطلاح
> کی طرح اردو اصطلاح بھی مطالب کی تمام پرچھائیوں
> پر چھا جائے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ان کی آنکھوں سے
> اوجھل نہیں ہونے پاتی کہ جس طرح انگریزوں کی بعض
> اصطلاحیں کئی کئی فنون میں استعمال کی گئی ہیں۔ اسی
> طرح اردو اصطلاحیں بھی جامع ہوں اور التباس
> پیدا کیے بغیر ہر جگہ اپنے مخصوص مطالب ادا کرتی ہوں۔
> ان مراحل سے گزرنے کے بعد وہ مثالوں کی کسوٹی پر
> پرکھتے اور ہر نئے لفظ کو اس وقت منظور کرتے
> جب وہ اس کسوٹی پر کھرا اُترے؛ [۹]

اصطلاح سازی کے دوران جس نزاکت اور صحت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا اس کی مثال حسب ذیل بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔ درحقیقت وضع اصطلاحات کے لیے جو اراکین منتخب تھے۔ انہوں نے نہ صرف زبان اور بیان کی چاشنی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی بلکہ وضع اصطلاحات کے دوران ایسے الفا[ظ]

اردو کے ادب میں جگہ دی۔ جو عام فہم سادہ اور معنوی اعتبار سے بلند تر تھے۔ اس کے علاوہ الفاظ کو وضع کرتے وقت زبان کے ماحول اور اس سے ہم رشتہ زبانوں سے استفادہ کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ ایسے الفاظ جو غیر مانوس تھے اور جن کا سننا کانوں کے لیے بُرا لگتا تھا۔ انہیں اصطلاحات کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ تاکہ اردو کی اصطلاحات اردو کی فطرت سے مطابقت کھانے والے ہوں اور عام فرد کی زبان سے بھی بآسانی ادا ہو سکیں۔ اصطلاحات کے دوران جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اظہار ناظم دارالترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> "جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے طلبہ کے لیے شعبہ تالیف و ترجمہ میں جو علمی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہو رہی ہیں ان میں ایسی اصطلاحات بکثرت آتی ہیں۔ جن کے لیے اردو زبان میں مترادف الفاظ موجود نہیں ہوتے اور مترجموں کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ان مشکلوں کو رفع کرنے کے لیے شعبہ تالیف و ترجمہ کے ساتھ ایک کمیٹی "مجلس وضع اصطلاحات" کے نام سے قائم ہے۔ طریقہ کار اس مجلس کا یہ ہے کہ جس مترجم کو ترجمہ کرنے کے دوران کسی انگریزی اصطلاح کے لیے اس کے مساوی المعنی لفظ کی ضرورت ہوتی ہے اور جو لفظ اس کے لیے وہ خود تجویز کرتا ہے اس پر کما حقّہ اطمینان نہیں ہوتا تو مجلس وضع اصطلاحات کے سامنے اس انگریزی اصطلاح کے سامنے اس انگریزی اصطلاح

کو مع اپنے ترجمے کے پیش کرتا ہے اور مجلس غور و خوض
کے بعد یا تو مترجم کی بنائی ہوئی اصطلاح کو منظور کر
لیتی ہے یا اس کی جگہ بکثرت آرا ء ایک اصطلاح کو
وضع کر لیتی ہے اور مجلس کی روئیدادوں میں ایسی تمام
اصطلاحات بیان کر دی جاتی ہیں۔ ؎

محمد عنایت اللہ دہلوی کے اس بیان میں وضع اصطلاحات کو جمہوری اصولوں پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی مجلس وضع اصطلاحات میں نئی اصطلاح وضع کرنے کے لیے جمہوری طرز کو اپنایا جاتا تھا۔ جس کا لازمًا نتیجہ یہی ہوتا کہ صرف ایسے الفاظ ہی اصطلاح قرار پاتے جن پر اکثریت متفق ہوتی۔ اس لحاظ سے مجلس وضع اصطلاحات کی اختراع کی ہوئی اصطلاحات پر تنقید قطعی غیر اصولی قرار پاتی ہے۔ چونکہ کثرت آراء سے انجام پانے والا کام حقیقت میں بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ دارالترجمہ نے جس طریقہ کو اپنایا تھا وہ جمہوری طریقہ تھا۔ اس لیے اس سے انجام دیے جانے والے تمام کام اصول پسندی اور اہمیت کے حامل کہے جا سکتے ہیں اور جس کی بنیاد پر دارالترجمہ کی اصطلاحیں اردو کی فطرت سے مطابقت نہ رکھنے کے خیال کی نفی ہوتی ہے۔

وضع اصطلاحات کی مجلسیں

اصطلاحات میں متعلقہ فنون کی نمائندگی اور نفس موضوع کی برقراری کے لیے مجلس وضع اصطلاحات نے علیحدہ علیحدہ کئی مجلسیں مقرر کی تھیں۔ تاکہ ہر مضمون سے متعلق اور دلچسپی رکھنے والے مترجم اصطلاح کے وضع کرتے وقت اس کا نقش

اور موضوع سے مطابقت کو پیش نظر رکھ سکے۔ وضع اصطلاحات کی مجلسیں صرف اس بنیاد پر قائم کی گئی تھیں کہ جس علم و فن پر اصطلاح وضع کی جارہی ہو وہ صرف لفظ اور زبان کی خوب صورتی کا نمونہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ اس میں اتنی جاذبیت ہو کہ وہ نفسِ مضمون اور موضوع سخن کی پوری لطافت کو اپنے اندر سمیٹ سکے۔ اس طرح سے مجلس وضع اصطلاحات ایک جانب تو عام اور سلیس الفاظ وضع کرنے کی جانب کوشاں تھی تو دوسری جانب الفاظ کو متعلقہ علوم و فنون کے خیالات کی نمائندگی بخشنے کی آرزومند۔ اسی سبب مختصر سے عرصے میں اس مجلس نے ایسے کارنامے انجام دیے کہ جس کی تکمیل شاید صدیوں میں بھی نہ ہوسکتی۔ مجلس وضع اصطلاحات میں مختلف علوم سے متعلقہ جو مجلسیں مقرر تھیں اس کا اظہار محمد نصیر احمد عثمانی نے کیا ہے:

"اصطلاحات وضع کرنے کے لیے مجلس وضع اصطلاحات قائم کی گئی۔ طبیعیات، کیمیا، ریاضیات کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی اور فنون کے لیے دوسری۔ آگے چل کر جب حیاتیات طب اور انجینئری کے شعبے کھولے گئے تو ان کے لیے علیحدہ مجلسیں قائم کی گئیں۔ ہر مجلس میں فن کے ماہر رہتے تھے۔ زبان کے نمائندوں میں مولوی وحید الدین سلیم، نواب حیدر یار جنگ علی حیدر طباطبائی اور مرزا محمد ہادی رسوا شریک رہتے تھے۔ مولوی عبداللہ عمادی ناظر امور مذہبی تھے اور کبھی کبھی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔"[۱۱]

اصطلاحات کے وضع کرنے کے لیے دارالترجمہ نے جس اہتمام کو پیش نظر

رکھا اس کا اظہار حسب بالا بیان میں پوری طرح واضح ہے۔ مترجمین کا انہماک اور مجلسوں کے قیام کے ذریعہ دارالترجمہ نے مکمل کوشش کی کہ ایسی ہی اصطلاحات وضع کی جائیں جو عام فہم اور فن کے نمائندہ ہوں۔ جس کے لیے مجلس وضع اصطلاحات کی مجلسوں میں زبان اور فن کی نمائندگی کے لیے اردو زبان اور فنون کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں تاکہ اصطلاحات میں زبان اور فن کا نکھار پوری طرح واضح رہے۔ دارالترجمہ کی کوشش اور مترجمین و اراکین مجلس وضع اصطلاحات کی تگ و دو سے ایسے مستند اصطلاحات وضع ہوئے کہ جن کی بازگشت آج بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اصطلاحات کو فن اور زبان سے یکسانیت پیدا کرنے کے لیے وضع اصطلاحات کی جن مجلسوں نے جن اراکین کو منتخب کیا ان کو ذیل کے دو شعبوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

زبان کی نمائندگی

وضع اصطلاحات کی نشستوں میں اصطلاحات کو زبان کی چاشنی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ایسے نمائندوں کا انتخاب کیا گیا تھا جو زبان پر کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اس خصوص میں وحید الدین سلیم، علی حیدر طباطبائی، مرزا محمد ہادی رسوا کی خدمات کو اردو داں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جن کی بدولت اصطلاحات میں زبان کا حسن اور ہندوستانی زبان کا انداز شامل کیا گیا۔

اصطلاحات کو لفظی اور زبان دانی کے اعتبار سے معیاری بنانے کے لیے اور اردو زبان کو انگریزی کے سائنسی اصطلاحات کا بوجھ سنبھالنے کا اہل بنانے کے لیے زبان کے نمائندوں کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دارالترجمہ میں ایسے خاص

لوگوں کی خدمات سے استفادہ کیا گیا جن کا نہ صرف اردو ادب میں بلند مقام تھا بلکہ تراجم کے دور میں اردو مترجمین ان کی رہنمائی کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے عبداللہ عمادی نے اصطلاحات کو عربی آمیز بنانے کی کوشش کی۔ لیکن نظم طباطبائی نے اپنی بروقت تنقید کے ذریعہ فارسی سے استفادہ کا رجحان پیدا کیا۔ لیکن وضع اصطلاحات کے اراکین نے ہندوستانی زبانوں کے استفادے سے گریز برتا۔ چنانچہ اصطلاحوں کی زبان خالص فارسی اور عربی نما ہو کر رہ گئی تھیں

دارالترجمہ کی اصطلاحات پر تنقید کے تیر برسائے جانے لگے لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ اصطلاحات سے متعلق غلط نظریہ قائم ہو گیا تھا جس کا نتیجہ اختلافات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ محمد نصیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

> "یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا کہ دارالترجمہ کی اصطلاحیں سرکاری ملک ہیں اور کسی کو بلا اجازت استعمال کا حق نہیں۔ حالانکہ وہ وضع اس لیے کی گئی تھیں کہ ان کا رواج ہو۔ اصطلاحات پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ اصطلاحات بھاری بھرکم ہیں۔ یہ اعتراض سائنسی اصطلاحات پر اتنا نہ تھا جتنا کہ فلسفہ وغیرہ کی اصطلاحات پر۔ لیکن فلسفہ چونکہ قدیم سے چلا آرہا ہے اس لیے اس کی اصطلاحیں بھی زیادہ تر قدیم رہیں۔ اور یہی حال منطق کا ہے۔ خود فلسفہ اور منطق دونوں مشکل فن ہیں۔ اس کی باریک باتوں کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس لیے ان اصطلاحات پر اعتراض کا بھی حق نہیں۔"[۱۶۱]

اصطلاحات کا بھاری بھرکم ہونا یہاں ہر زبان کا طرز قدیم ہونے کی جانب نمائندگی کرتا ہے ۔ لیکن وہ عثمانی صاحب نے زبان کی نمائندگی سے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ درحقیقت اصطلاحات بے ہنگام نہیں تھیں ۔ بلکہ فنون کی پیچیدگی اور علوم کی وسعت کے باعث ایسا احساس پیدا ہوا اور نہ اصطلاحوں کے وضع کرنے میں زبان اور بیان کے خوش سلیقہ اور خوب صورتی کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ۔ اس کے باوجود اصطلاحات کی زبان دقیق ہونے کا ادعا آج تک بھی ہوتا ہے ۔ جو شمال اور جنوب کی چشمک کا نتیجہ ہے ۔ شمالی ہند کے مفکرین جنوبی ہند کے کارناموں اور دکنی مفکرین اور ان کے کارناموں کو کمتر نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ چنانچہ دارالترجمہ کی اصطلاحات سے متعلق بھی ان کا یہی رویہ قائم ہے ۔ البتہ جنوبی ہند میں ان اصطلاحوں کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے ۔ عبدالحق ایک ایسے انشاپرداز تھے جنہوں نے اپنی تحریر میں دارالترجمہ کی اصطلاحوں کو فروغ دینے کی کوشش کی ۔ باقی تمام شمالی ہند کے ادیبوں نے اختلاف کرنے کو ہی اپنی بڑائی تصور کیا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالترجمہ کی اصطلاحیں جنوبی ہند تک محدود ہوکر رہ گئیں ۔

فن کی نمائندگی

دارالترجمہ سے شائع شدہ کتب میں اصطلاحات وضع کرنے کے لیے جو مجلسیں مقرر کی گئی تھیں ان میں دوسری مجلس فن کے نمائندوں کی تھی ۔ جو پہلی مجلس یعنی زبان کے نمائندوں کی طرح اہمیت رکھتی تھی ۔ چونکہ سائنس اور دیگر علمی فنون کی اصطلاحات کو نفس مضمون کے مطابق بنانے کے لیے لفظ اور بیان کا احترام

دیکھنا ضروری تھا۔ جن کی نمائندگی فنون کے علمبردار کے سوا مزید دوسرے افراد نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وضع اصطلاحات کی مجلس نے ایسے افراد اور مترجمین کو دارالترجمہ میں بھیجا گیا جو مختلف فنون میں دست گاہ رکھتے ہوں۔ اس خصوص میں جو افراد فن کی نمائندگی کی حیثیت سے وضع اصطلاحات کی مجلس میں شرکت کرتے تھے ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

طبیعیات کی نمائندگی کے لیے محمد نصیر احمد عثمانی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں جو کافی قابل ہونے کے علاوہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اسی سبب یہ ممکنات میں سے تھا کہ ان کا مباحث میں حصہ لینا اصطلاحات کو ایک نیا موڑ دے سکتا تھا۔ اسی سبب انہیں یو پی سے حیدرآباد بلایا گیا اور ان کی خدمات کو دارالترجمہ اور جامعہ عثمانیہ کے لیے مختص کر دیا گیا۔

کیمیا کے نمائندے کی حیثیت سے چودھری برکت علی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں لیکن ان کا انتقال جلد ہو جانے کی وجہ سے محمود احمد خان کو شرکت کا موقع دیا گیا۔ اس طرح فنون کی نمائندگی کے ذریعہ اصطلاحات کو موزوں اور معنی دار مفہوم ادا کرنے والے بنانے کی کوشش کی گئی۔

وضع اصطلاحات کمیٹی کو مختلف مجلسوں میں تقسیم کر دینے کا مقصد صرف یہی تھا کہ وضع ہونے والا لفظ نہ صرف معنی دار ہو بلکہ اس مفہوم کو بھی ادا کرے۔ جو انگریزی لفظ کی خصوصیت ہے۔ دارالترجمہ نے ممکنہ کوشش کی کہ اردو میں ایسے الفاظ ہی وضع کیے جائیں جو معنی اور مفہوم کی پوری نمائندگی کرتے ہوں۔ اس کے علاوہ ایسے انگریزی الفاظ جو زبان زد خاص و عام ہو گئے تھے۔ انہیں ویسا ہی رکھا گیا جیسے سائیکل ٹائر وغیرہ۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مترجمین نے اصطلاحات کے وضع کرنے میں زبان اور فن کی نمائندگی کے ساتھ

ساتھ انسانی فطرت کو بھی ملحوظ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصطلاحات سے بے تعلقی کا خاتمہ ہوا اور ایسی ہی اصطلاحات وضع ہونے لگیں جو زبان فن کی خوبصورتی کا مرقع ہونے کے علاوہ فطرت انسانی سے مطابقت کھانے والی ہوتی تھیں۔ اس لیے دارالترجمہ کی اصطلاحیں بکثرت رواج پانے لگیں۔

اصطلاحات کی اشاعت

دارالترجمہ میں وضع کی ہوئی اصطلاحات کو عام کرنے اور ان سے استفادہ کے لیے اشاعت کا مسئلہ درپیش تھا۔ مجلس وضع اصطلاحات سے انجمن ترقی اردو نے تعاون کیا اور اصطلاحات کی اشاعت کا کام شروع ہوا۔ بقول نصیر احمد عثمانی:

> "انجمن ترقی اردو نے اصطلاحات پر نظر ثانی کا کام انجام دیا۔ سابق میں فرہنگ اصطلاحات میں متعدد علوم و فنون کی اصطلاحیں شائع کی گئی تھیں۔ لیکن اب یہ طے ہوا کہ ہر مضمون کی اصطلاحیں الگ شائع کی جائیں۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۰ء میں کیمیا اور طبیعیات کی اصطلاحوں کی دو جلدیں شائع کی گئیں۔ اس کے لیے جو مجلس مقرر کی گئی تھی۔ اس میں مولوی عبدالحق صاحب کے علاوہ سید ہاشمی فرید آبادی (جو اس وقت مددگار معتمد سرکار عالی تھے) ڈاکٹر مظفر الدین قریشی (صدر شعبہ کیمیا) ڈاکٹر سید حسین (پروفیسر کیمیا) محمود احمد خان (ریڈر کیمیا) اور محمد نصیر احمد عثمانی (ریڈر طبیعیات) شریک تھے۔ معاشیات کی علیحدہ مجلس تھی اس میں وہاج الدین شمیم

صاحب شریک تھے۔ کبھی یہ مجلسیں الگ الگ ہوتیں کبھی
یکے بعد دیگرے ہوتیں۔ ۱۳۵۶ف میں دارالترجمہ
کی اصطلاحیں" نشری اصطلاحیں" کے عنوان سے سررشتہ
نشریات لاسلکی سرکار عالی کی طرف سے شائع
کی گئیں۔[۱۳]

دارالترجمہ نے اصطلاحات علیہ کو فروغ دینے کے لیے اشاعت کی ذمہ داری بھی قبول کی اور ایسی تمام اصطلاحیں جو دارالترجمہ کی مجلس وضع اصطلاحات کی جانب سے اختراع پائی تھیں۔ انہیں کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا، ویسے رسالوں اور خصوصاً مجلہ عثمانیہ کی بدولت بہت سی اصطلاحیں رواج پا گیئں۔[۱۴]

ان تمام کے باوجود ایسی اصطلاحیں جو کارآمد تھیں۔ " دفریت " کا شکار ہو کر رہ گیئں: نتیجہ یہ ہوا کہ جب دارالترجمہ کی عمارت کو آگ کی لپیٹوں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تو اس وقت ریکارڈ اور کئی قابل قدر کتابوں کے ہمراہ یہ نایاب ذخیرۂ اصطلاحات بھی تلف ہو گیا اور دارالترجمہ کے کارنامے شہرت عامہ حاصل نہ کر سکے۔ اس کے باوجود جو اصطلاحیں محفوظ طور پر موجود ہیں ان کا مطالعہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اصطلاحات کی کمیٹیوں نے اپنا خون و پسینہ ایک کر کے کافی جانفشانی سے جو کام انجام دیا اس کی بدولت اردو میں اتنی قوت پیدا ہوئی کہ وہ سائنس اور دیگر علوم و فنون کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اصطلاحات کی اشاعت اگرچہ مکمل نہ ہو سکی لیکن جو اصطلاحات رائج ہو گیئں ان سے ہی دارالترجمہ کے کارنامے واضح ہوتے ہیں۔

اصطلاحات کا شمار

مجلس وضع اصطلاحات کے مباحث اور اس کے دوران چشمک سے متعلقہ مواد فراہم

کرنا جتنا دشوار مسئلہ ہے تقریباً اتنا ہی دشوار اصطلاحات کی صحیح تعداد کا تعین کرنا ہے۔ چونکہ اکثر اصطلاحات اور اہم کاغذات تلف ہو گئے ہیں اس لیے صحیح تعداد کا لحاظ کرنا مشکل ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دارالترجمہ میں تقریباً تیس سال تک اصطلاح سازی کا کام جاری رہا۔ اس تیس سال کے دوران جتنی بھی اصطلاحیں وضع ہوئیں اس سے متعلق رائے جانکی پرشاد تحریر کرتے ہیں کہ:

"جامع عثمانیہ میں وضع اصطلاحات کی مجلسوں نے ۱۹۳۹ء
تک مختلف علوم و فنون کی ۵۵ ہزار اصطلاحیں تیار کر
لی تھیں اور بعد میں بھی کوئی دس سال تک یہ کام
جاری رہا مگر افسوس ہے کہ ان کی وضع کی ہوئی ساری
اصطلاحوں کو یکجا نہیں کیا گیا"۔[۱۵]

مجلس وضع اصطلاحات نے ۲۲ سال کے عرصے میں ۵۵ ہزار اصطلاحیں وضع کیں اور مزید دس سال بعد کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دارالترجمہ میں اصطلاحات کے وضع کرنے کے لیے جو کمیٹیاں مقرر تھیں وہ پورے انہماک سے اردو کے الفاظ میں اضافہ کرنے میں مصروف تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو زبان میں ایسے بامعنی اور بہترین الفاظ شامل ہو گئے، جن کا اظہار زبان اور بیان کو فرحت بخشنے کا باعث ہوتا ہے۔

۵۵ ہزار سے زیادہ تعداد میں اصطلاحات ہونے کے باوجود دارالترجمہ کی یہ کوشش اتنی وسیع پیمانے پر مقبول نہ ہو سکی جتنا کہ اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس کا دارومدار دارالترجمہ پر نہیں بلکہ اس زبان کے جاننے والوں پر ہے۔ چونکہ اردو داں طبقہ علاقہ واریت کا شکار تھا۔ اسی سبب اصطلاحات کا چرچا عام نہ ہو سکا شمالی ہند میں دارالترجمہ کے کارناموں کو "سرکاری ملک" سمجھا جاتا تھا۔ جنوبی ہند میں اگر

یہ اصطلاحات کتابوں اور زبانوں پر رائج ہوگئیں۔ لیکن دارالترجمہ کے کارناموں کی وسعت محدود ہوگئی اور وسیع کارناموں کے باوجود دارالترجمہ کی اصطلاحات کو فروغ عامہ حاصل نہ ہوسکا۔ اس لیے ان کا شمار خالص ادبی اور فنی اعتبار کا حامل ہونے کے باوجود اردو ادب میں اضافہ نہیں کیا گیا اور دارالترجمہ و مجلس وضع اصطلاحات اپنے وسیع کارناموں کے باوجود زوال پذیر ہوگئے۔

وضع اصطلاحات کی ابتدائی مجلیس ۱۹۱۸ء سے شروع ہوئیں اور سب سے آخری مجلس ۱۹ شہریور ۱۳۵۵ ف مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوئی۔ آخری مجلس وضع اصطلاحات میں شرکت کرنے والے افراد میں ڈاکٹر نظام الدین ناظم دارالترجمہ، مولوی عبداللہ عمادی ناظر مذہبی، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، ڈاکٹر حاجی غلام محمد، مولوی عاقل علی خان، محمد نصیر احمد عثمانی اور مولوی اشفاق حسین نمائندہ دفتر لاسلکی قابل ذکر ہیں۔ ابتدائی مجلسوں میں مولوی وحید الدین سلیم، مولوی عبدالحق، مرزا رسوا، اور نظم طباطبائی، مہدی خان کوکب، حمید الدین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح مجلس وضع اصطلاحات نے اپنا کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

ناظر مذہبی و ادبی

دارالترجمہ میں مجلس وضع اصطلاحات کے ہمراہ مزید دو عہدہ دار مخصوص تھے۔ ناظر مذہبی اور ناظر ادبی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ترجمہ شدہ کتب کی مذہبی اور ادبی جانچ کے لیے ان عہدوں کو مختص کیا گیا تھا تاکہ مغربی کتب میں جو سقم مذہبی یا ادبی اعتبار سے فسط تحریر میں آچکا ہے اس پر تنقید کر کے صحیح نقطۂ نظر کا تعین کیا جا سکے۔ چنانچہ دارالترجمہ کی متعدد کتابوں میں ناظر مذہبی کے نوٹس موجود ہیں جس سے مذہب اور

عقیدہ کو برقرار رکھنے کے لیے کی گئی کوشش کا پتہ چلتا ہے ان ناظرین کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی مذہبی اور ادبی نقطہ نظر سے جانچ پڑتال کر لیں تاکہ کوئی خامی باقی نہ رہ جائے۔ ناظر مذہبی کی حیثیت سے دارالترجمہ کے قیام کے ساتھ ہی مولوی حاجی صفی الدین صاحب کا تقرر عمل میں آیا اور بعد میں اس عہدہ پر مولوی عبداللہ عمادی صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ناظر ادبی کا عہدہ ابتدا میں نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی کے تحت رہا۔ پھر شبیر حسین خان جوش ملیح آبادی اس عہدہ پر فائز رہے۔ جوش کے بعد یہ عہدہ شامل دارالترجمہ نہ رہا۔ چونکہ ادبی اعتبار سے متعدد شخصیتیں نامور ہو چکی تھیں۔ اس لیے اس عہدے پر دوبارہ تقرر نہ ہوا۔

مذہبی اور ادبی ناظرین کے تقرر سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ دارالترجمہ اصطلاحات کے وضع کرنے اور ترجمے کو عام فہم بنانے کے علاوہ اردو زبان کی ہندوستانی نہج سے واقف تھا۔ اسی سبب اس نے مذہبی و ادبی بے راہ روی کے اختتام کے لیے ان عہدوں کو شامل کیا۔ چونکہ یورپی مفکرین اور ہندوستانی مفکرین کے خیالات احساسات اور جذبات میں فرق تھا اور ان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت بھی علیحدہ تھی۔ اس لیے دارالترجمہ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان دو عہدوں کو قائم کیا جائے تاکہ مغربی ممالک کے بعض ایسے خیالات جو قابل سرزنشت ہیں اہل ہند میں فروغ نہ پا سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اشاعت سے قبل ادبی اور مذہبی تنقیدیں ضروری سمجھی جاتی ہیں اور جہاں بھی قابل اعتراض بیان ہوتا اس پر ناظر ادبی و مذہبی تنقید کر کے پیش لفظ کے ہمراہ شامل کتاب کر دیے اور طلبا و قارئین کو انتباہ دیا جاتا کہ مغربی ادب کے قابل اعتناع نظریات سے بے پرواہی کیوں برتی گئی۔ دارالترجمہ نے ہندوستانی عناصر کو تراجم میں پیش کرنے کی کامل کوشش کی۔ جس کی مثال ناظر مذہبی ادب کی خدمات سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔

طریقِ کار

اصطلاحات وضع کرنے کے لیے دارالترجمہ نے جو طریقۂ کار اپنایا اس میں پارلیمنٹ کی خصوصیات موجود تھیں۔ وضع اصطلاحات کے اراکین دو قسم کی مجلسوں پر مشتمل تھے۔ کچھ اراکین ایسے تھے جو زبان کی نمائندگی کرتے اور چند اراکین فن کی نمائندگی کا کام انجام دیتے تھے۔ یہ دو قسم کے اراکین پارلیمنٹ کے دو ایوانوں کے ممبروں کے مماثل کیے جا سکتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے دو شعبہ جات یعنی ایوان بالا (لوک سبھا) ایوان زیریں (راجیہ سبھا) میں دو طریق کار سے نمائندے منتخب کیے جاتے ہیں، جو قوم ملک اور سماج کی ترقی سے متعلق مباحث میں حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح مجلس وضع اصطلاحات میں دو قسم کے مترجمین زبان، ادب اور الفاظ کی ترقی کے لیے مباحث سے دل چسپی کا اظہار کرتے تھے۔ درحقیقت مجلس وضع اصطلاحات اردو زبان و ادب کی ترقی کو بڑھاوا دینے کے لیے ایک ایسا پارلیمنٹری نظام تھا جس کی مثال آج کے موجودہ دور میں ہمیں پارلیمنٹ میں نظر آتی ہے۔ اصطلاحات کی وضع داری اور انتخاب کے لیے مجلس وضع اصطلاحات نے مباحث کے دوران جو طریقہ اپنایا تھا اس کا نہج، انداز اور طرز موجودہ دور کی پارلیمنٹ کے مماثل تھا۔ جس طرح آج کے دور میں کسی ایک مسئلہ پر پارلیمنٹ میں گرما گرم مباحث ہوتے ہیں۔ اسی طرح مجلس وضع اصطلاحات میں بھی ماحول کو گرما گرم دینے والے مباحث ہوا کرتے تھے جس طرح پارلیمنٹ میں حزب مخالف کی چشمک سے محفل زعفران زار بن جاتی ہے اسی طرح دارالترجمہ کے وضع اصطلاحات کی کمیٹی میں بھی الفاظ اور اصطلاح کی نشست کے بارے میں مباحث کا طویل سلسلہ چشمک کی صورت بھی اختیار کرتا۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر دارالترجمہ کی اصطلاحات وضع کرنے کے طریقہ کو پارلیمنٹری طریقہ کار قرار دینا حق بات کی عکاسی [illegible] ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دارالترجمہ نے خالص جمہوری اصولوں

پر دارالترجمہ کے کاروبار چلانے کی سعی کی اور بادشاہ وقت کی سرپرستی میں بھی اس ادارہ کی جمہوریت قائم رہی۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ عوام کو جمہوریت مل جانے کے بعد اس جمہوریت پسند ادارہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا جس کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اہلِ اردو کی بدقسمتی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

○

حواشی

۱۔ "اداریہ" علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مؤرخہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۹ء۔

۲۔ "الہلال" (۱۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

۳۔ "الناظر" (جون ۱۹۱۴ء)

۴۔ "رسالہ اردو" (جون ۱۹۲۳ء)

۵۔ "حیات وادبی خدمات" وحید الدین سلیم

۶۔ "جامعہ عثمانیہ اور اردو اصطلاحیں" ماخوذ مجلہ عثمانیہ ۱۹۶۰ء

۷۔ "تاریخ انجمن ترقی اردو پاکستان" ص (۲۷۰)

۸۔ "مجلہ عثمانیہ" ۱۹۶۰ء ص (۴۶)

۹۔ "جامعہ عثمانیہ اور اردو اصطلاحیں" ماخوذ از مجلہ عثمانیہ بابت ۱۹۶۰ء ص (۴۱)

۱۰۔ "مجموعہ وضع اصطلاحات" ماخوذ از موضوعہ مجلس وضع اصطلاحات

اداریہ بابتہ ۱۹۲۶ء

۱۱۔ [illegible] عثمانیہ" ۱۹۶۰ء ص (۴۴)

۱۲۔ "دارالترجمہ کی مجالس وضع اصطلاحات" ماخوذ از مجلہ عثمانیہ ۱۹۶۰ء ص (۴۵)

۱۳۔ ایضاً ص ۴۷

۱۴۔ ایضاً ص ۴۸

۱۵۔ "جامعہ عثمانیہ اور اردو اصطلاحیں" ماخوذ مجلہ عثمانیہ ۱۹۶۰ء ص (۴۳)

سید داوٗد الحسن گیلانی

حیدرآباد دکن میں

انگریزی الفاظ و اصطلاحات کا دفتری اُردو میں استعمال

حیدرآباد دکن کو یہ شرف حاصل ہے کہ اردو زبان کو سب سے پہلے اسی سرزمین میں دفتری زبان قرار دیا گیا۔ دکن میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے جو کوششیں کی گئیں اگرچہ وہ ہمارے موضوع میں شامل نہیں لیکن یہاں ان کا سرسری سا جائزہ بے جا نہ ہوگا۔ دکن میں بہمن خاندان کے بانی ظفر خان نے غالباً پہلی بار اردو کو اپنی قلمرو میں سرکاری زبان کی حیثیت سے نافذ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب سلاطینِ دہلی کی درباری زبان فارسی تھی۔ یہ اردو زبان کی خوش بختی تھی کہ والیانِ دکن ہر دور میں اس کی سرپرستی کرتے رہے۔ رام بابو سکسینہ کے مطابق اردو شاعری کا [illegible] دکن [illegible] سے ہوا۔ اور اس سرزمین کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اردو

شاعری کا باوا آدم ولی دکن کا باشندہ تھا۔ دہلی کی ویرانی کے بعد اس کے ارباب علم و کمال نے ایک طرف لکھنؤ کا رُخ کیا تو دوسری طرف انہیں دکن میں پذیرائی نصیب ہوئی۔ داغ، حالی، شبلی نعمانی، نذیر احمد، سرشار اور شرر ایسی یکتا کے روزگار شخصیت بھی سلطنتِ آصفیہ کے زیرِ سرپرستی اپنی قلم کے جوہر دکھاتی رہیں اور اسی دور میں انہوں نے اپنے یادگار ادبی شاہکار تخلیق کیے۔

سرزمین دکن میں اردو زبان میں علمی و ادبی سرگرمیوں کا آغاز نثر کی تراجم سے ہوا۔ نصیر الدین ہاشمی رقم طراز ہیں:

"یہاں نظم کی ابتدا نثر کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تحریر کی ابتدا چونکہ ترجمہ سے ہوئی ہے اور نظم کی بہ نسبت نثر میں ترجمہ کرنا آسان اور سہل تھا۔ اس لیے غالباً نظم کی ابتدا نہیں ہوئی بلکہ نثر کی ابتدا کی گئی۔"

چنانچہ آصف جاہ ثالث کے دور میں شمس الامرا امیر کبیر نے تراجم کی ابتدا کی۔ شمس الامرا علوم کے قدردان اور اہلِ علم کے مربی و محسن تھے۔ انہی نے سب سے پہلے مغربی زبانوں سے سائنسی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ شمس الامرا کا نام تراجم کی ابتدا کے لیے دکن کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھا جائے گا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ نہ تو علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی قائم ہوئی تھی اور نہ ہی کسی اور نے اس طرف توجہ دی تھی۔ امیر کبیر نے اپنے عظیم کارنامے سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ اردو زبان اعلیٰ علمی موضوعات کے اظہار و بیان کا وسیلہ بن سکتی ہے۔

دکن میں اردو اس وقت بام عروج پر پہنچی۔ جب ۱۹۱۸ء میں میر عثمان علی نے عثمانیہ یونیورسٹی قائم کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام اردو کی تاریخ میں ایک

کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے قیام کا مقصد ہی جدید علوم کی اردو زبان میں تدریس تھا۔ یونیورسٹی کے قیام کے بعد سب سے اہم مرحلہ اردو میں کتابوں کی فراہمی تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عظیم الشان دارالترجمہ وجود میں آیا۔ باوجود ان مشکلات کے جو ترجمہ کرتے ہوئے وضع اصطلاحات میں پیش آتی ہیں۔ دارالترجمہ نے فلسفہ، سائنس، طب، قانون، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات اور انجینئری جیسے موضوعات پر طلباء کو کتابیں فراہم کیں۔ بلاشبہ دارالترجمہ نے اردو کے لیے ایک عہد ساز کردار انجام دیا۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہوتی ہے کہ اہلِ دکن نے اردو کی ترقی و ترویج کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ انہیں یہ قابلِ فخر امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے دربار سے بازار اور گھر سے دفتر تک غرض زندگی کے ہر شعبے میں اردو کو وسیلۂ اظہار بنانے میں پہل کی، لیکن ہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اردو کو اپناتے ہوئے اہلِ دکن نے انگریزی کی ضرورت و افادیت کو یکسر فراموش نہیں کر دیا تھا۔ چنانچہ دکن کے تراجم و تالیفات میں انگریزی اصطلاحات اور تراکیب جابجا ہماری نظر سے گزرتی ہیں۔ بالخصوص دفتری خط و کتابت میں ہمیں ایسے بے شمار الفاظ و اصطلاحات ملتی ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دکن کے اربابِ علم و فن انگریزی کو شجرِ ممنوعہ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے موزوں اردو متبادلات دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ناگزیر طور پر انگریزی الفاظ استعمال کیے یا انگریزی الفاظ کے امتزاج سے نئی تراکیب وضع کیں۔ اس ضمن میں دکن کی مندرجہ ذیل سرکاری کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ جن میں دفتری اردو کا استعمال ہوا ہے :۔

۱۔ ضابطۂ تالیف حساب سرکاری

۲۔ مجموعۂ گشتیات متموی سررشتۂ مالگزاری سرکار عالی (جلد اول دوم، سوم)

۳۔ دستورالعمل امانت و مبادلہ۔ مرتبہ دفتر صدر محاسب سرکار عالی۔

یہ تمام کتابیں دارالطبع سرکارِ عالی حیدرآباد دکن کی مطبوعات ہیں۔ ایسے موضوع کے لیے ہم نے ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان کا ابتدائیہ نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوا ہے۔

ذیل میں ان کتابوں میں موجود ایسے الفاظ اصطلاحات اور ترکیبیں پیش کی گئیں جو یا تو بعینہٖ انگریزی سے لے لیں یا پھر اردو کے ساتھ ملاکر ترکیب بنا لی گئی سب سے پہلے مفرد الفاظ اور تراکیب ملاحظہ ہوں جو بعینہٖ استعمال کی گئیں: ۔

۱۔ لوکل فنڈ	۲۔ ریلوے
۳۔ میونسپالٹی	۴۔ ڈیبنچر
۵۔ کارپوریشن	۶۔ ٹرسٹ
۷۔ پرامیسری	۸۔ نوٹ
۹۔ نوٹس	۱۰۔ اسٹاک سرٹیفکیٹس
۱۱۔ سنگل انٹری	۱۲ پاس بک
۱۳۔ چالان	۱۴۔ چک
۱۵۔ کیش اکاؤنٹ	۱۶۔ ٹیلی فون
۱۷۔ ڈریس فنڈ	۱۸۔ رجسٹر
۱۹۔ پرنس باڈی گارڈز	۲۰۔ کیولری یونٹس
۲۱۔ براڈشیٹ	۲۲۔ [illegible] فنڈ

۲۳ - راشن الاؤنس
۲۴ - کلودنگ فنڈ
۲۵ - مونٹڈ یونٹس
۲۶ - اینمبل ٹرانسپورٹ یونٹس
۲۷ - کیولری برگیڈ
۲۸ - ڈویژن ہیڈ کوارٹرز
۲۹ - ملٹری وٹرنری سروس
۳۰ - رجمنٹ
۳۱ - رکروٹ الیشو فنڈ
۳۲ - کمانڈر رکروٹس
۳۳ - انسپکٹر ٹیلیفون
۳۴ - ولیونگ انسٹی ٹیوٹ
۳۵ - کنٹرولر براڈ کاسٹنگ
۳۶ - مارکیٹ کمیٹی
۳۷ - وارڈ
۳۸ - اگزیکٹو انجینئر ریلوے
۳۹ - بورڈ آف گورنرس
۴۰ - کیش اکونٹ
۴۱ - روڈ فنڈ
۴۲ - سیونگس بنک
۴۳ - اسکالرشپ کمیٹی
۴۴ - کمیشن
۴۵ - وارلون فنڈ
۴۶ - جنرل لیجر
۴۷ - سنٹرل بنک
۴۸ - اکونٹنٹ جنرل سنٹرل ریونیوز
۴۹ - انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ
۵۰ - بک کیپنگ
۵۱ - اسکیل
۵۲ - سنٹرل بنک
۵۳ - ڈبل لاک
۵۴ - سروس ٹکٹ
۵۵ - برٹش انڈیا
۵۶ - فیلڈ ورک
۵۷ - رپورٹ
۵۸ - ڈسپلن
۵۹ - لائسنس
۶۰ - سروے پارٹی
۶۱ - لائن
۶۲ - اسپیشل آفیسر
۶۳ - پراگرس رپورٹ
۶۴ - کانفرنس

۶۵۔ ڈائرکٹر جنرل	۶۶۔ ہال ٹکٹ
۶۷۔ سیول سرجن	۶۸۔ کیبنٹ کونسل
۶۹۔ موٹر	۷۰۔ ڈسٹرکٹ بورڈ
۷۱۔ جرنل	۷۲۔ گورنمنٹ ریلوے آڈیٹر
۷۳۔ ریذیڈنسی	۷۴۔ سپلائی بلز
۷۵۔ رسٹ ہاؤس	۷۶۔ انسپکشن ہاؤس
۷۷۔ پراجیکٹ	۷۸۔ کیپٹیلائنز ڈویلو

مذکورہ بالا الفاظ و اصطلاحات اس قدر عام و مستعمل و مروج تھیں کہ دکنی مترجمین نے ان کے متبادلات تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان الفاظ و اصطلاحات میں سے اکثر آج بھی ہماری تحریر و تقریر میں بے ساختہ و بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں۔

پھر ہمارے سامنے وہ تراکیب یا مرکب اصطلاحات آتی ہیں جو انگریزی، عربی، فارسی اور اردو الفاظ کی آمیزش سے وضع کی گئیں۔ اس ضمن میں ہم انہیں مختلف عنوانات کے تحت درج کرتے ہیں:

۱۔ قوانین و قانونی امور

۱۔ قانون پیٹرولیم

۲۔ قانون صحرا فلنگ اسکیم و ورکنگ پلان

۳۔ قانون تحفظ ریلوے و ذرائع آبپاشی

۴۔ دستور العمل لوکل فنڈ بابت ۱۳۰۰ھ

۵۔ ضابطہ فینانس و حساب سرکار عالی

۶ ۔ عدالتی ڈگریات

۷ ۔ ٹکٹ طلبانہ

۸ ۔ قواعد کلوونگ فنڈ

۹ ۔ قانون متعلقہ بائلرز و مشینری

ب۔ سرکاری عہدہ داران

۱ ۔ ڈویژن افسرپال

۲ ۔ انچارج عہدہ دار

۳ ۔ صدر محاسب سنٹرل ریونیوز

۴ ۔ گزیٹڈ عہدہ دار

۵ ۔ عہدیداران ڈویژن

۶ ۔ اگزامزان سول و فوج

۷ ۔ ایگزامنران حسابات تعمیرات و تجارت

۸ ۔ پرنسپل میڈیکل افسر

۹ ۔ نان کمیشنڈ افسران

۱۰ ۔ اسپیشل انجینئر تار برقی

۱۱ ۔ اسپیشل انجینئر روشنی برقی

۱۲ ۔ انسپکٹر شہری بنک

۱۳ ۔ مہتمم ڈیری فارم

۱۴ ۔ اہل کار کورٹ

۱۵ ۔ ناظم کورٹ آف وارڈز

۱۶ - میر مجلس لوکل فنڈ

ج ۔ سرکاری دفاتر و محکمہ جات

۱ - دفتر پولٹیکل سیکرٹری
۲ - تعلقہ لورڈ
۳ - سررشتہ پولیس
۴ - معتمد فینانس
۵ - معتمدی ریلوے
۶ - سررشتہ فینانس
۷ - مسلمہ بنک
۸ - محکمہ فینانس
۹ - مجلس لوکل فنڈ
۱۰ - دفتر چیف اکونٹنٹ واڈیٹر
۱۱ - نظامت کورٹ آف وارڈز
۱۲ - صیغہ لینڈ ریکارڈز
۱۳ - عدالت سیشن
۱۴ - دفاتر تنقیح سیول
۱۵ - سررشتہ ریلوے

د ۔ مالیات

۱ - ٹیکس دار الاقامہ

۲۔ محفوظات فنڈ

۳۔ سود متعلقہ فنڈ ہائے سرکاری

۴۔ امانت ہائے سیونگ بینک

۵۔ سلف کنٹر بیوشن تنقیح حسابات ریلوے

۶۔ مدات لیجر

۷۔ امانت ہائے لوکل فنڈ

۸۔ سودی ٹرسٹ فنڈ

۹۔ سال زیر ریویو

۱۰۔ انتظامی حسابات پراجکٹ ہائے آب پاشی

۱۱۔ بیمہ فنڈ

۱۲۔ سرکاری بک کیپنگ

۱۳۔ واپسی رقوم پالیسیز

۱۴۔ امانت سیونگس پٹہ خانہ

۱۵۔ سود بر امانت گیارنٹی

۱۶۔ امانت ریلوے بلاسودی

۱۷۔ لائن کنٹنجنٹ فنڈ رسالہ جات

۱۸۔ ہاسپٹل راشن فنڈ وغیرہ

۱۹۔ امانت مارکٹ کمیٹی

۲۰۔ بلا پاسس بک

۲۱۔ فروخت بیانڈرولز

۲۲۔ امانت پٹرول سس

۲۳ - امانت منی آرڈر

۲۴ - رجسٹر مبادلہ

۲۵ - رسید خریدی موٹر کار

۲۶ - بنک آرڈر اجرا شدنی

۲۷ - بنک آرڈر ادا شدنی

۲۸ - فنڈ برائے انسداد و مصائب قحط۔

۲۹ - فنڈ فرسودگی آب پاشی

۳۰ - کاپی تقاوی گیرندہ

ر - متفرق

۱ - عثمانیہ یونیورسٹی لون فنڈ

۲ - فنڈ قرضہ تعلیمی

۳ - رجسٹر اعتراض

۴ - عطائے لائسنس

۵ - مقامی انسپکشن

۶ - بروئے روزلیوشن

۷ - رسالہ فورکاسٹ

۸ - گشتیات فینانس و صدر محاسبی

۹ - حدود ریلوے سٹیشن

۱۰ - بقدر اسکیل

۱۱ - مارکٹ ہائے زراعتی

۱۲ - یورپین اشخاص

۱۳ - ڈیپارٹمنٹل امتحان

۱۴ - پروفارما حسابات آبپاشی

۱۵ - رائل کاغذ

۱۶ - باغات ڈیفنس کورٹ

دکنی مترجمین نے مرکب اصطلاحات وضع کر کے اردو زبان میں اصطلاح سازی کا میدان وسیع کر دیا اور اس طرح نئی تراکیب وضع کرنے کے لیے ایک آسان راستے کی نشان دہی کر دی۔ چنانچہ موجودہ دور میں بھی انگریزی، اردو، فارسی اور عربی کے امتزاج سے حسبِ ضرورت نئی نئی ترکیبیں بنتی رہتی ہیں جس سے اردو کا دامن وسیع ہوتا رہتا ہے۔

تاہم کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں دکنی مترجمین نے وضاحت کی غرض سے اردو اصطلاحات کے ساتھ ان کے انگریزی مترادفات بھی درج کیے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصطلاحات ترجمہ تو کی گئیں لیکن مروج نہ تھیں مثلاً :-

۱ - تبصرہ سلکھا (ریویو آف بیلنس)

۲ - ورکنگ کیپٹل (کاروباری سرمایا)

۳ - سود یا منافع (ڈوائڈنڈ)

۴ - ایٹ پار (مساوی)

۵ - مالیت ناصیہ (فیس ویلیو)

۶ - یادداشت (کونٹر فائل)

۷۔ تختۂ واصل باقی (بیلنس شیٹ)

۸۔ تختۂ جھڑتی (براڈ شیٹ)

۹۔ خزانۂ عامرہ (امپیریل بنک)

۱۰۔ براڈ شیٹ (تختۂ مطابقت)

۱۱۔ لوائح عمل (ورکنگ پلان)

۱۲۔ عملۂ صحتِ عامہ (پبلک ہیلتھ سٹاف)

متذکرہ بالا مثالوں سے ممکن ہے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جائے کہ دکنی مؤلفین و مترجمین انگریزی سے مرعوب ہونے کی وجہ سے جا بجا انگریزی الفاظ استعمال کرتے تھے یا ان کی راہ میں اردو کی تنگ دامانی حائل تھی یہ مفروضہ ان کی غلط فہمی پر مبنی ہوگا۔ امر واقع یہ ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اہلِ دکن کے پیش نظر یہ حقیقت تھی کہ اردو زبان مختلف زبانوں کا مرکب ہے جن میں انگریزی بھی شامل رہ سکتی ہے۔ چنانچہ ترجمہ کرتے وقت انھوں نے ایسے انگریزی الفاظ بلا تامل استعمال کیے جن کے متبادلات ابھی ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ یا ان انگریزی الفاظ کو ترجیح دی جو عام فہم یا مروج تھے۔ علاوہ ازیں وہ اس امر سے بھی باخبر تھے کہ اردو کو ایک "مجرد" زبان بنا کے اسے وسعت نہیں بخشی جا سکتی اور ایسا کرنا اس کی ترویج و ترقی کو مسدود کرنے کے مترادف تھا۔ لاریب ان کا دل اردو دوستی سے سرشار تھا۔ وہ صدقِ دل سے اس پر ایک بدیسی زبان کی بالادستی کے خاتمے اور علمی و عملی دنیا میں اس کے فروغ کے خواہاں تھے۔

اہلِ دکن نے اردو زبان کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں قابلِ فخر مقام

دلانے اور اس کی پیش رفت کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ اس کے
قدر دانوں سے ہمیشہ دادِ تحسین پاتی رہیں گی۔

○

ادارے

میجر (ریٹائرڈ) آفتاب حسن

کراچی یونیورسٹی اور اصطلاح سازی کے اصول

کراچی یونیورسٹی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ابتدا ہی سے اردو کو متبادل ذریعہ تعلیم و امتحان قرار دیا گیا ہے۔ امتحانوں کے پرچے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھپتے ہیں۔ ممتحن دونوں زبانوں سے واقف ہوتا ہے۔ طالب علم کو اس وقت اجازت ہے کہ وہ چاہے اردو، چاہے انگریزی میں جواب دے لیکن آگے چل کر یونیورسٹی مکمل طور پر اردو کو ذریعہ تعلیم بنا دے گی۔ اس پروگرام پر درجہ بہ درجہ عمل ہونا شروع ہو گیا ہے۔

جامعاتی اور ملکی ضروریات کے مدنظر شعبۂ تالیف و ترجمہ نے اپنے ذمہ سب سے اہم کام یہ لیا ہے کہ تمام درسیات کے لیے اردو کتابیں مہیا کرنے کا انتظام اور اہتمام کرے۔ ظاہر ہے کہ درسی کتابوں کی تیاری میں خاص کر آج کل کی علمیات میں مخصوص اصطلاحوں کی موجودگی اور ان کا استعمال ناگزیر ہے۔ اس لیے اس شعبہ

کے اہم فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ اب تک تمام علوم میں جس قدر اصطلاحیں
بن چکی ہیں اور جہاں بھی بنی ہیں ان سب کو جمع کیا جائے، جو کمی ہے اس کو
پورا کیا جائے اور جہاں ضروری ہو اصلاح اور ترمیم کی جائے۔ تمام اصطلاحوں کو
معیاری بنایا جائے، ہر مضمون کی فرہنگ اصطلاحات الگ الگ شائع کی جائیں
اس کے بعد ان تمام اصطلاحوں کو یکجا کر کے ایک مکمل اور جامع اردو انگریزی لغت
تیار کی جائے جس میں ادبی الفاظ کے ساتھ ساتھ اصطلاحی الفاظ بھی ہوں اور یہ
صحیح معنوں میں مترجمین کی لغت ہو۔

اصطلاح سازی کے لیے دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ، جامعۂ عثمانیہ
انجمن ترقی اردو وغیرہ کے علاوہ نواب عماد الملک اور مولانا وحید الدین سلیم جیسے ماہرین
فن اور ماہرین السنہ نے بھی جن اصولوں پر اتفاق کیا تھا اور جن پر اب تک کامیابی
کے ساتھ کام ہوتا چلا آیا ہے انہیں کو شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے بھی
درست تسلیم کیا ہے اور انہیں اصولوں پر شعبے کی مختلف مجالسِ اصطلاحات
کام کر رہی ہیں۔

یہ اصول حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اصطلاح ایسی بنائی جائے جو زبان کے سانچے میں بھی ڈھلی ہو اور فن
کے اعتبار سے بھی ناموزوں نہ ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب
اصطلاح سازی صرف سائنس دانوں ہی پر چھوڑ نہ دی جائے۔ اس
کام کے لیے ماہرین زبان اور ماہرین فن دونوں کا یکجا ہونا ضروری
ہے، ماہر فن اصطلاحات کا مطلب سمجھاتا ہے اور ماہر زبان اس کے
مترادف کی موزونیت پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ یہی طریقہ کار

کے ساتھ کام کرنے کا ہے۔

۲۔ بین الاقوامی اصطلاحات کا یعنی ان اصطلاعات کا جو دنیا کی تمام زبانوں میں بجنسہٖ استعمال ہو رہی ہیں ترجمہ نہ کیا جائے۔

یہاں پر یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحوں کے معنی انگریزی اصطلاحیں نہیں ہیں۔ یعنی انگریزی کتابوں میں جو علمی اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں وہ دنیا کی ساری زبانوں میں من وعن استعمال نہیں ہوتیں۔۔۔۔ اس کی شہادت وہ تمام اصطلاحی لغات دیتی ہیں جو انگریزی فرانسیسی، انگریزی جرمنی، انگریزی اطالوی وغیرہ وغیرہ ناموں سے عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں۔ اگر سائنس کے سارے الفاظ تمام زبانوں یا کم از کم مغربی زبانوں میں ایک ہی ہوتے تو ان لغات کی ضرورت کیا تھی؟

ان کی وضاحت حسب ذیل مثالوں سے بخوبی ہو جائے گی۔

انگریزی	جرمن	روسی (اردو میں املا)	فرانسیسی	ہسپانوی
Aberration	Abweichung Abirrung	اک لاپے نی یے		
Acceleration	Beschleunigung	اس کارے نی یے	Acceleration	Acceleracion
Acid	Saure	کیس لی یے	Acide	Acido
Angle	Winkel	اوگول	Angle	Angulo
Area	Flachenraum	پرااسترانست و	Superficie	Area
Arc	Kreisbogen	آرکا	Arc	Arco
Cricle	Kreis	کروژوک	Circle	Circulo
Circuit	Stromkreis	اک روک :	Circuit	Circuito

Conduction	Leitung	اک روڑنی یے پراوودنیک		
Density	Dichte	پلوپ نست	Densite	Densidad
Equation	Gleichung	راوے نستوا	Equation	
Focus	Brennpunkt	فوکوس	Foyer	Foco
Gravity	Schwere Schwerkraft	سبر نوزنست	Gravite	Gravedad
Gravitation	Massenanziehung	تیاگونین یے	Gravitation	Gravitation
Hydrogen	Wasserstoff	گیدرودین	Hydrogene	Hydrogeno
Nitrogen	Stickstoff	نیتروگین	Azote	Nitrogeno
Oxygen	Sauerstoff	کیسلورود	Oxygene	Oxigeno
Radiation	Strahlung	لوچے زارنست	Rayonnement	Radiation
Valve	Klappe ventil	کالاپان	Soupape	Valvula

نوٹ :۔

چونکہ روسی حروف کی طباعت کا انتظام مشکل تھا اس لیے اردو املا ہی میں اس کو پیش کیا جا رہا ہے۔

اصطلاحات کی یہ تقابلی فہرست مختصر ہے۔ اس میں اطالوی، فینی، ولندیزی ناروی وغیرہ وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ (بھی) کیا جا سکتا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ انگریزی اور جرمن زبانیں اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی خاندان یعنی ٹیوٹانی سے (جس کو المانی یا Germanic بھی کہتے ہیں) تعلق رکھتی ہیں، لیکن مختلف اسباب کی کارفرمائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی اور جرمن ایک دوسرے سے اس قدر بے تعلق ہو چکی ہیں کہ ان کے الفاظ اور اصطلاحات کے درمیان نہ کوئی شکلی مشابہت پائی جاتی ہے نہ صوتی مماثلت۔ دوسری طرف یہ سانحہ قابل دید ہے کہ ٹیوٹانی خاندان کی یہ چہیتی بولی جب "اینگلو سیکسن" اور "مڈل انگلش" کے مرحلے طے کرنے لگی تو فرانسیسی، ہسپانوی اور اطالوی زبان کے الفاظ اس بولی میں اتنی سرعت اور اس کثرت کے ساتھ نفوذ کر گئے کہ انگریزی، ہسپانوی، فرانسیسی، اصطلاحات میں شکلی اور صوتی اعتبار سے فرق کرنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے اور بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک خاندان کی زبانیں ہیں، حالاں کہ اطالوی اور پرتگال کی طرح فرانسیسی اور ہسپانوی زبانیں اس گروہ سے تعلق رکھتی ہیں جو رومانی زبانیں Romance Languages کہلاتی ہیں اور لاطینی سے مشتق ہیں۔ رہی روسی زبان تو اس کی انفرادیت کی شان یہ ہے کہ اکا دکا دخیل الفاظ کو چھوڑ کر انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور ہسپانوی کسی زبان سے میل نہیں کھاتی۔

سوال یہ ہے کہ آخر انگریزی جو جرمن کی ہم اصل ہے جرمن سے اس قدر مختلف اور جرمن انگریزی سے اس قدر بیگانہ کیوں ہے؟ اسی سوال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انگریزی

فرانسیسی اور ہسپانوی الفاظ اور اصطلاحات میں اتنی مماثلت کیوں پائی جاتی ہے ؟
من جملہ دوسرے اسباب کے جن سے یہاں بحث کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش
اس صورت حال کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ جرمن بولنے والوں نے اپنے تاریخی امتیاز
اور ثقافتی انفرادیت کے شعور کو ہمیشہ بیدار رکھا اور اس بیدار مغزی کے وسیلہ اظہار
کے طور پر انھوں نے اپنی زبان کی داشت و پرداخت کی ، اپنی فکری کاوشوں اور
مسلسل لسانیاتی اجتہاد کے ذریعے اپنی زبان کو فروغ دیا ۔ جغرافیائی قربت اور سیاسی
معاشی اور معاشرتی رزم و بزم کے طویل مدوجزر کے باوجود انھوں نے ہمسایہ فرانسیسی
یا روسی زبان کو جرمن زبان پر فاتحانہ یلغار کرنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ایسے فتوے
دیے گئے کہ جرمن بولنے والے فرانسیسی یا روسی الفاظ اور اصطلاحات کو نعمت غیر مترقبہ
سمجھ کر بے چون و چرا قبول کر لیتے ۔ اس کے برعکس انگریزی نے لاطینی کی باقیات الصالحات
رومانی زبانوں (فرانسیسی، ہسپانوی، وغیرہ) کے آگے سپر ڈال دی ۔ ۔ ۔

برسبیل تذکرہ ایسے علاقوں کی ایک دو مثال پر بھی ذرا نظر ڈالتے چلیے جہاں کے
باشندوں نے طویل مدت تک انگریز اور انگریزی کے سامراجی تسلط کے باوجود اپنی
قومی انفرادیت اور تاریخی و ثقافتی شعور کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اولین موقع
ملتے ہی اپنی بیدار مغزی ، بالغ نظری اور سربلندی کا ثبوت احساس کمتری کی ندامت
یا معذرت کے بغیر فراہم کرنا شروع کر دیا ۔ قریب ترین مثال لنکا کی ہے ۔ دوسری
مثال ملایا کی ۔ ہمارے یہاں کے ارباب سائنس کو ۔ ۔ ۔ یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ملایا
میں سائنس اور فنیات کی بیشتر انگریزی اصطلاحوں کو نہ صرف یہ کہ بڑی خوش اسلوبی
کے ساتھ ترجمہ کیا جا چکا ہے بلکہ ان اصطلاحوں کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف
میں نہایت سہولت اور کامیابی کے ساتھ استعمال بھی کیا جا رہا ہے (نمونے کے طور پر)
مندرجہ ذیل انگریزی اصطلاحوں کے "ملایو" ترجمے ملاحظہ فرمایئے :

ENGLISH	MELAYU
Atmospheric Pressure	Takanan Udara
Axillary bud	Tunas Chelah
Cam	Sesandal
Chemical Elements	Unsor Kimia
Chemical Equation	Persamaan Kimia
Chemical Properties	Sifat Kimia
Centrifugal Force	Daya Empar
Circuit	Litar
Co efficient	Angkali
Crystallization	Habloran
Density	Ketumpatan
Detergent	Pembersch
detonation	Letusan
Energy	Tenaga
Electrode	Leterode
Galvanometer	Jang Kagalvani
Hydrocotyle	Pegaga
Harmonic Balancer	Penimbal Getar
Interia	Kuasal
Insulation	Tabatan

Integral	Tapok
Mass	Jisim
Matter	Jisim
Micrometer Screw Guage	Jangkalus Tolok Sekeru
Mechanical equivalent of heat	Kerja selara habe
Modulation	Menala
Molecule	Kusatom
Momentum	Lajak
Oxidation	Pengoksaidan
Polarity	Perkutupan
Radiation	Bahangan
Reaction	Tindakabalas
Scientific Method	Kaedah Sains
Scientific names	Istilah Sains
Structure	Binaan
Valve	Injap
Viscosity	Kelikatan
Volumetric Effeciency	Nisbahpadu
Zones	Wilayah

انگریزی اصطلاحوں کے ملایو مترادفات کی اس میں ظالموں نے عربی، فارسی بلکہ "اردو" تک کے الفاظ دیے ہیں! Chemical Elements کے لیے ترجمہ نہیں سوجھا تو Unsor Kemia "عنصر کیمیا" کر دیا! Properties کے لیے Sifat "صفات"، Mass کے لیے Jism "جسم" اور Zones کے لیے Wilayah "ولایات" ! حد یہ ہے کہ Scientific Method کے لیے "قاعدہ سائنس" اور Scientific Names کے لیے "اصطلاح سائنس" جیسے اردو کے بٹے پٹائے الفاظ ملایو میں بے تکلف اختیار کر لیے گئے۔

ضروری ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحات کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اس نکتہ کی وضاحت صرف مثالوں سے ہی ہو سکتی ہے مثلاً

الف : کیمیا میں عناصر کی علامتوں کو جو دنیا کی ہر زبان میں ایک ہی طرح رکھی جاتی ہیں حسب حال رہنا دیا جائے یعنی :

آکسیجن کے لیے O

نائٹروجن کے لیے N

یورنیم کے لیے U وغیرہ وغیرہ۔

ب : حیوانیات میں فیصلہ Order جنس Genus اور نوع Species کے لاطینی ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے مثلاً معمولی مکھی کا اصطلاحی لاطینی نام Musca Domestica ہے۔ اردو میں بھی اس کو "مسکا ڈومیسٹکا" ہی کہیں گے۔ اسی طرح گلاب کے پھول کو "روز انڈیکا" اور نیم کے پودے کو "اینا ڈکٹا انڈیکا" کہا جائے گا۔

ج : اشیاء اور ادویات کے ناموں کا ترجمہ ضروری نہیں ہے مثلاً پنسلین کا

مائی سین، کونین وغیرہ وغیرہ برقرار رکھیں گے۔

د : کیمیا میں جن عناصر کے پہلے سے نام موجود ہیں یعنی لوہا، پارا، گندھک سونا، چاندی وغیرہ وغیرہ قائم رہیں گے لیکن بدید عناصر کے نام مثلاً یورنیم، الومینیم، منڈلیویم، ہیلیم، زرکونیم وغیرہ بدلے نہیں جائیں گے۔ گو یہ تمام نام یورپی زبانوں میں مستعمل نہیں ہیں لیکن اردو میں ان کے انگریزی ناموں ہی کو اختیار کر لیا جائے گا۔

ھ : کیمیاوی مرکبات کے انگریزی نام برقرار رہیں گے مثلاً پوٹاشیم پرمیگنیٹ، سوڈیم کلورائیڈ کاپر کاربونیٹ، یورنیم آکسائڈ وغیرہ وغیرہ۔

و : جن مرکبات کے نام پہلے سے موجود ہیں وہ بھی برقرار رہیں گے مثلاً Ferrous Sulphate کو عام زبان میں سبز توتیا کہا جائے گا۔ اس کا علمی نام فیرس سلفیٹ بھی قائم رہے گا۔ اسی طرح سوڈیم کلورائیڈ کو اصطلاحاً سوڈیم کلورائیڈ کہیں گے، عام زبان میں اس کو معمولی نمک کہا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ز : ریاضیات میں علامات کو بدلا نہیں جائے گا مثلاً —، +، X، =، ≠، >، <، وغیرہ۔

متذکرہ بالا کے سوا باقی تمام اصطلاحوں کا ترجمہ کیا جائے گا یا ان کے مترادفات تیار کیے جائیں گے۔ جس میں حسب ذیل اصول مدنظر ہوں گے :۔

۱۔ اصطلاح فن اور زبان کے لحاظ سے موزوں ہو، مختصر ہو اور حتی الوسع اپنے معنی کے کل یا جزو کی اس میں نمائندگی ہو۔ مثلاً کیمیائی اصطلاح Valency کا اردو مترادف "گرفت" ہے جو اس اصطلاح کے

کے مفہوم کو بخوبی واضح کرتا ہے اس طرح :

Osmosis کے لیے سرایت

Diffusion کے لیے نفوذ

Cell کے لیے خلیہ

X-Rays کے لیے لاشعاعیں

Wireless کے لیے لاسلکی

Photosynthesis کے لیے ضیائی تالیف وغیرہ وغیرہ ۔

۲ ۔ اصطلاح سازی میں عربی، فارسی، ہندی اور ان تمام زبانوں سے مدد لی جائے جو ہماری زبان کا لازمی جزو ہیں۔ ان میں سے کسی زبان کا بھی مادہ لے سکتے ہیں جو سہل اور مروج ہو۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ عربی یا فارسی سنسکرت یا کسی دوسری زبان کا جو بھی لفظ استعمال ہو وہ بالکل غیر معروف نہ ہو۔

۳ ۔ حسب ضرورت ان بیرونی (یورپی) الفاظ کو بھی استعمال کیا جائے جو اردو زبان میں دخیل ہو گئے ہیں اور ان کے علاوہ ان نئے بیرونی الفاظ کو بھی اپنایا جا سکتا ہے جو اردو زبان کے مزاج کے مطابق ہوں اور اس میں آسانی سے کھپ سکیں۔ جب ایک بار کوئی بیرونی لفظ اردو کا لفظ بن جاتا ہے تو پھر وہ اردو کے قواعد کے تابع ہو جاتا ہے ۔

۴ ۔ عربی، فارسی ، اردو، ترکی، ہندی الفاظ جو یورپی زبانوں میں دخیل ہو گئے ہیں اور ان کی شکل بدل گئی ہے جب دوبارہ اختیار کیے جائیں تو ان کو بجنسہ نہیں لینا چاہیے بلکہ ان کی ان شکل کو اختیار کرنا چاہیے جو اصل زبان میں ہے، مثلاً :

Cable کے لیے حبل

Aludel کے لیے اصل

Betalgeuse کے لیے ابط الجوزا

Fomalhaut کے لیے فہم الحوت وغیرہ وغیرہ

۵۔ جو اصطلاحیں قدیم سے رائج ہیں اور مفید اور موزوں ہیں وہ برقرار رہیں گی۔ اسی طرح مختلف علوم کی جو اصطلاحیں تیار ہو چکی ہیں ان کو مد نظر رکھا جائے گا۔ نئی اصطلاح کی صورت میں بھی پرانی اصطلاحوں کو ساتھ ساتھ قائم رکھا جائے گا تاکہ پرانی کتابوں کے مطالعے میں الجھن نہ ہو۔ جو لفظ غیر زبانوں سے لے کر قدیم زمانے میں معرب کر لیے گئے ہیں یا جو دخیل ہیں اپنی حالت پر قائم رہیں۔ اصل کی طرف رجوع کرنا درست نہیں ہے۔

۶۔ جہاں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو ملا کر ایک مرکب لفظ بنانا ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دو ایک لفظ حذف کر کے اختصار پیدا کیا جائے تاکہ اصطلاحی صورت حاصل ہو جائے مثلاً برقی مقناطیس (برقناطیس)، خشت طلا (خشطلا)، ہوا آمیزہ (ہوامیزہ)، مثبت برقیرہ (مثبیرہ)، منفی برقیرہ (منفیرہ)

۷۔ اسماء سے افعال بلا تکلف بنائے جائیں۔ بدلنا، قبولنا، بخشنا، پتھرانا، وغیرہ وغیرہ پرانی مثالیں ہیں۔ اسی طرح قوم سے قومیانا، برق سے برقانا وغیرہ بنائے جانے ہر۔

۸۔ ضرورت ہو تو ہندی الفاظ کے ساتھ عربی فارسی کا جوڑ اور سابقے اور لاحقے لگائے جائیں۔ پرانے زمانے میں بے حد، با اثر، پنسوار، لاچار،

سمجھ دار، بے چین، اُگال دان جیسے مرکب الفاظ بنائے جا چکے ہیں۔

اسی طرح فارسی اور ہندی اسما یا صفات سے عربی کے قاعدے سے اسم کیفیت بنانا پرانا طریقہ ہے مثلاً یگانگت، رنگت وغیرہ۔ اسے جاری کیا جائے۔

۹۔ یونانی، لاطینی اور دوسرے سابقوں اور لاحقوں کے ترجمے یا مترادفات میں یکسانیت کو ملحوظ رکھا جائے مثلاً:

Meter کے لیے "پیما"

Scope کے لیے "نما" ہوگا۔ اسی طرح:

Graph کے لیے "نگار"

Logy کے لیے "یات"

Oid کے لیے "سا"

Ferous کے لیے "برادر"

Genous کے لیے "زا" استعمال ہوگا مثلاً:

Thermometer کے لیے "تپش پیما"

Electrometer کے لیے "برق پیما"

Barometer کے لیے "بار پیما"

Spectrometer کے لیے "طیف پیما"

Electroscope کے لیے "برق نما"

Spectroscope کے لیے "رطوبت نما"

Spectrograph کے لیے "طیف نما"

Hydroscope کے لیے "طیف نگار"

Oscillograph	کے لیے "ارتعاش نگار"
Seismograph	کے لیے "زلزلہ نگار"
Hydrology	کے لیے "آبیات"
Biology	کے لیے "حیاتیات"
Zoology	کے لیے "حیوانیات"
Climatology	کے لیے "موسمیات"
Alkaloid	کے لیے "قلیاسا"
Spheroid	کے لیے "کرہ سا"
Crystaloid	کے لیے "قلماسا"
Carboniferous	کے لیے "کاربن بردار"
Argentiferous	کے لیے "نقرہ بردار"
Fossiliferous	کے لیے "رکاز بردار"
Chromiferrous	کے لیے "لون بردار"
Autogenus	کے لیے "خودزا" وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں وہ اصول جن پر ابتدا سے کام ہوتا چلا آیا ہے اور آج ہو رہا ہے۔ ہزاروں اصطلاحیں ترجمہ یا وضع ہو چکی ہیں اور ان کو سینکڑوں، کتابوں، مقالوں اور مضامین میں استعمال کیا جا چکا ہے، اور کیا جا رہا ہے۔

(اردو ذریعۂ تعلیم اور اصطلاحات ص ۱ تا ۳۵)

شکیل منگلوری

مقتدرہ قومی زبان اور اصطلاح سازی

جدید علوم و فنون قومی زندگی کو ارتقا کی منازل کی طرف لے جانے کے لیے دروازوں پر دستکیں دے رہے ہیں۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی انکشافات کو قومی زندگی میں شامل کیے بغیر جدید زندگی کو شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کا تصور باطل ہو کر رہ گیا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی قوم من حیث المجموع کسی دوسری زبان پر تکیہ کر کے ان اہداف کو حاصل نہیں کر سکتی، جن کے ساتھ جدید دنیا کی ترقی و توقیر وابستہ ہے۔ ایسی اقوام کے لیے جو دورِ غلامی کے عمل سے گزرنے کے سبب اپنی تہذیب و ثقافت، علم و فضل اور زبان و ادب کی وسعت سے منقطع رہی ہوں جدید دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے ان کا کام دشوار اور دقت طلب ہو جاتا ہے۔ ہم بھی اپنی قومی زندگی میں اسی دور سے گزر رہے ہیں۔ جہاں قومی زبان کو سماجی زندگی میں جاری و ساری کرنے کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون اور نئے تقاضوں کو اس میں

سمونے کی کوششیں ایک ٹھوس فکری اور عملی منصوبہ بندی کا تقاضا کرتی ہیں۔

ہر وہ قوم جو آج کی ترقی یافتہ اقوام کے پہلو بہ پہلو آگے بڑھنا چاہتی ہے اور جدید سائنسی انکشافات اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے وسائل اور سہولتیں اپنانا چاہتی ہے۔ اس کے لیے یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ وہ ان علوم سے آگاہی حاصل کرے جو عصر حاضر کے لیے ضروری ہیں۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ وہ زبانیں سیکھی جائیں جن میں یہ انکشافات اور ٹیکنالوجی ترقی پا رہی ہے لیکن من حیث المجموع کسی بھی قوم کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی دوسری زبان پر مکمل دسترس حاصل کرے اور ان تمام مبادیات اور پیچیدگیوں کو سمجھ سکے جو دوسری زبانوں کے مخصوص حالات اور معاشرتی عوامل میں تربیت پاتی ہیں۔ پھر یوں بھی کلی طور پر کسی دوسری زبان کو اپنا لینا یا سمجھ لینا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمام علوم اپنی زبان میں منتقل کر لیے جائیں۔ یہ کام بھی اتنا آسان نہیں ہے بظاہر جتنا نظر آتا ہے، اس لیے کہ کسی دوسری زبان کی تحریر کا ترجمہ جتنا مشکل ہوتا ہے اس زبان میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا ترجمہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ پھر اس صورت میں جب کہ یہ زبان اپنی غلامی کے سبب اپنے منصب اور اپنے مقام سے ہٹ گئی ہو اس کے لیے مشکل تر ہو جاتا ہے لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کام ناممکنات میں سے نہیں ہے اور خاص طور پر زبان اردو کے لیے جس میں دوسری زبانوں سے اخذ و اکتساب کی صلاحیت بہت زیادہ ہے، یہ کام مشکل تو ہو سکتا ہے ناممکن نہیں۔

جس تیز رفتاری سے پوری دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے انکشافات ہو رہے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام علوم و فنون کو بھی اسی تیزی کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کیا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے کون سے اصول ہوں جو جدید علوم و فنون

اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں استعمال ہونے والی اصطلاحات وضع کرتے وقت رہنما ثابت ہوں۔ یہ سوال اہم ہے کہ کیا بین الاقوامی اصطلاحوں کو من وعن قبول کر لیا جائے یا ان کا ترجمہ کیا جائے؟ ان اصطلاحات کو بعض لوگ من وعن قبول کرنے کے حق میں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی کمی بھی نہیں جو بین الاقوامی اصطلاحات کے ترجمے کے حق میں ہیں۔ ایک طبقے کی رائے ہے کہ انگریزی کی وہ اصطلاحات جو اردو میں ہو چکی ہیں انہیں برقرار رکھا جائے جب کہ مشکل اور نامانوس اصطلاحات کا اردو ترجمہ کر دیا جائے مگر یہ تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی بات ہے ہمارے دفتروں میں تو دوسری زبان کے لیے بے شمار ایسے الفاظ اور اصطلاحات رائج ہیں جن کا آسانی سے ترجمہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں قومی زبان میں ترجمہ کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر وحید قریشی نے مقتدرہ قومی زبان کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سیمینار کی ایک نشست میں اس امر کی وضاحت کی کہ ہم قومی زبان کو نافذ کرنے کے لیے کسی دوسری زبان کی مخالفت پر اپنی بنیادیں استوار نہیں کرنا چاہتے یہاں تک کہ ہم انگریزی زبان کو بھی دیس نکالا دینے کی بجائے اسے برقرار رکھنے کے حق میں ہیں، مگر قومی زبان کی قیمت پر کسی دوسری زبان کو اولیت وفضیلت نہیں دی جا سکتی۔

اس حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی نے اصول وضع اصطلاحات کے سہ روزہ سیمینار کی کئی نشستوں میں اس امر کی وضاحت کی کہ مقتدرہ معاشرے کی حقیقی قدروں اور فطری عمل میں یقین رکھتا ہے۔ وہ کسی اصطلاح کو محض اس لیے ترجمہ کر کے رائج نہیں کرنا چاہتا کہ اسے انگریزی سے نفرت ہے اور نہ کسی ایسی اصطلاح ہی کو انگریزی سے لے کر برقرار رکھنے کے حق میں ہے جس کا ترجمہ آسانی سے ساتھ ہو کر روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن سکتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد بھی قابل غور ہے کہ اصطلاح ایسی ہونی

چاہیے جو آسانی سے قبول ہو جائے مگر ضروری نہیں کہ اصطلاح آسان بھی
ہو کیونکہ خود انگریزی میں تمام اصطلاحات اتنی آسان نہیں ہوتیں کہ ناخواندہ بھی
سمجھ سکے۔

بقول ایک اسکالر اصطلاح سازی کا فن چولی سے چولی ملانے کا فن ہے۔ ایک
زبان کی اصطلاح کو دوسری زبان میں اسی طرح منتقل کرنا کہ مفہوم و معنی کے ساتھ
اختصار بھی برقرار رہے۔ مکمل زبان، دونوں زبانوں پر مضبوط گرفت اور سماجی
عمل اور لسانی نفسیات سے کما حقہ آگاہی کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ شرف مقتدرہ ہی
کو حاصل ہے کہ اس نے زندگی سے مربوط اور معاشرتی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے
اصطلاح سازی کے عمل کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

کوئی قوم اس وقت تک ترقی کی منازل آسانی سے طے نہیں کر سکتی جب تک
اس کے افراد اپنی زبان میں سوچنے کی صلاحیت پیدا نہ کر سکیں اور اپنی زبان میں
سوچنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام علوم و فنون کا سرچشمہ اپنی زبان سے پھوٹ رہا
ہو تاکہ سوچ کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور ہوتی جائیں۔ تاریخ وضع اصطلاحات
اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ اصطلاح سازی کا ترقی کے ساتھ چولی دامن کا
ساتھ ہے۔ جب تک ہمیں اپنی قومی زبان میں اصطلاح سازی کا موقع نہیں ملے
گا، اس وقت تک ہمارے سوچنے کا عمل بھی بے سمت رہے گا۔ سوچ کو ایک
مثبت اور ٹھوس راہ عمل دینے کے لیے اصطلاح سازی ایک لازمی امر ہے۔

ہماری قومی زندگی میں ایک انقلاب آفرین تبدیلی ہمارے ذہنی دریچوں
پر برابر دستک دے رہی ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ قومی اور ذہنی ترقی کو
جدید علوم و فنون اور انکشافات سے مربوط رکھنے کے لیے اصطلاح سازی کے عمل کو
[illegible]

مقتدرہ قومی زبان اس اہم قومی ملکی اور عمومی ضرورت کو سائنسی نکتہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے اصطلاح سازی میں جو ترجیحات قائم کر رکھی ہیں ان میں نظام دفتری کو اردو میں منتقل کرنا سرفہرست ہے۔ دفتری نظام جو ایک صدی سے انگریزی میں انجام پا رہا ہے۔ اب تک ذہنی قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکا، لیکن معاشی مجبوریوں کی وجہ سے عادت کا حصہ بننے کے بعد اس کی تبدیلی میں بے شمار رکاوٹیں موجود ہیں۔

اس سلسلے میں مقتدرہ کے سامنے تین کام نہایت اہم ہیں:۔

ایک ـــــ قومی زبان کو دفتری نظام میں بدلنے کے لیے ذہنی آمادگی۔

دو ـــــ قومی زبان کا عملاً اطلاق۔

تین ـــــ نفاذ اردو کے ضمن میں حائل مشکلات اور رکاوٹوں کا سائنسی نقطۂ نظر سے انسداد۔

اس سمت مقتدرہ نے جو عملی اقدامات کیے وہ اس بات کی ضمانت فراہم کرتے ہیں کہ مقتدرہ جن مقاصد کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اس نے اس ہدف کو بطریق احسن پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو میں دفتری مراسلت کے راہنما نمونوں کی کمی تھی جو دفتری کام کرنے والوں کے لیے عملی دشواری کا سبب تھی۔ مقتدرہ نے دفتری مراسلت، مختصر اصطلاحات دفتری اور اس کے علاوہ اصطلاحات پر کتابیں شائع کر کے اس کمی کو کافی حد تک کم کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود دفتری نظام میں اصطلاح سازی کے مسائل اپنی جگہ موجود ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دفتری نظام کو اردو میں منتقل نہیں کیا گیا اور جب سارے نظام کو اردو میں بدل دیا جائے گا تو ترجمہ کرنے کے اسس

عمل میں جن دشواریوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، وہ فطری طور پر حل ہوتی چلی جائیں گی۔

اردو میں انگریزی اصطلاحات کے متبادل اکثر و بیشتر عربی و فارسی سے لیے جاتے ہیں، موجودہ دور میں ان زبانوں کے جاننے والوں کی تعداد بتدریج کم ہوتی رہی ہے۔ جب ان اصطلاحات سے لوگوں کا واسطہ پڑتا ہے تو وہ زبان کی ثقالت کی وجہ سے گھبرا جاتے ہیں۔

بعض اصطلاحات ایسی ہیں جن کے لیے انگریزی میں الگ الگ الفاظ موجود ہیں ان کے اردو متبادل موجود نہیں۔ جیسے اسسٹنٹ اور ڈپٹی بطور لاحقہ، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اول الذکر کے لیے معاون اور ثانی الذکر کے لیے ڈپٹی تجویز کر کے یہ مشکل حل کر دی ہے۔ لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک اصطلاح کا متبادل کون سا تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ بعض نے اسسٹنٹ کا ترجمہ مددگار اور ڈپٹی کا نائب کیا ہے۔ ایسے کئی الفاظ سے اصطلاح سازی کے دوران دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ترجمہ کے باعث ابہام یا غلط فہمی کے لیے گنجائش نکل آتی ہے اور مفہوم الٹ پلٹ کر رہ جاتا ہے، لیکن دفتری امور کے لیے ٹھوس معانی کو مدنظر رکھا جاتا ہے بعض اوقات اصل انگریزی لفظ کی معنوی فضا کسی ترجمہ میں نہیں ملتی۔ ایسے مقامات پر لفظی ترجمے کی کوشش ابلاغ کو موزوں و مکمل نہیں رہنے دیتی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انگریزی زبان نے لاطینی، فرانسیسی اور جرمن اصطلاحات پر اپنے دروازے بند نہیں کیے۔ اس وقت اردو میں جو اصطلاحات موجود ہیں ان سب پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ ان میں بے ضرورت اور ایک اصطلاح کے لیے متعدد اصطلاحات ہیں۔ عام طور پر ان کے استعمال میں عدم یکسانیت ہے اور کہیں کہیں غلط استعمال بھی ہوا ہے

پاکستان میں مختلف اداروں نے اصطلاحات سازی میں اپنے طور پر دل چسپی لی ہے اور خاصی اصطلاحات وضع کی ہیں لیکن تمام اداروں کی اصطلاحات میں یکسانیت نہیں ہے اور بالعموم ایک ادارہ دوسرے کی اصطلاحات کو تسلیم نہیں کرتا۔ مقتدرہ قومی زبان اور اس سے قبل ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے جو اصول دیے تھے انھی کی روشنی میں مقتدرہ نے اپنے کام نبھانے کی کوشش کی۔ ان میں چیدہ چیدہ اصول یہ تھے:

وضع اصطلاحات کے لیے اہم اصول یہ ہے کہ اصطلاحات کے اس ذخیرے کو بھی مدنظر رکھا جائے جو وضع کیا جا چکا ہے تاکہ انتخاب میں سہولت رہے۔

عربی فارسی لفظ اختیار کرنے کے لیے شرط موزونیت ہو نہ کہ سہولت۔

ہر زبان کا لفظ موزونیت کے اصول پر جو اردو زبان میں کھپ سکے اور حصہ بن سکے، قابلِ قبول ہونا چاہیے۔

ایسی اصطلاحوں کو ترجیح دی جائے جو مروج یا مقبول ہو چکی ہوں خواہ ان میں کوئی لسانی یا لغوی سقم ہی کیوں نہ موجود ہو۔

مفرد اصطلاحوں کے لیے ان تمام زبانوں کے الفاظ لیے جائیں جو ہماری زبان میں بطور قدرتی عنصر شامل ہو سکیں، یعنی ہندی، فارسی، عربی وغیرہ بعض شاذ صورتوں میں غیر زبانوں مثلاً انگریزی، جرمنی، فرانسیسی اور ترکی وغیرہ سے مدد لی جا سکتی ہے، لیکن صرف ایسے الفاظ جو ہماری زبان میں آسانی سے کھپ سکیں، لیے جانے چاہییں۔

عربی کی وہ قدیم اصطلاحات قائم رہنی چاہییں جو زمانہ قدیم سے رائج ہیں اور اب بھی مستعمل ہیں۔ عربی کی اس خصوصیت سے پورا

فائدہ اٹھانا چاہیے کہ اس میں ایک مفرد مادے سے متعدد مفرد الفاظ نکالے جا سکتے ہیں چنانچہ دقیق عربی الفاظ کے مقابلے میں فارسی کے ایسے الفاظ جو زبان پر آسانی سے رواں ہونے والے ہوں اور اردو زبان کی بناوٹ کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوں انہیں اختیار کیا جائے۔

ممکن حد تک اصطلاح مفرد (یک لفظی) ہو۔ ناگزیر صورتوں میں مرکب بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی اصطلاحیں کم سے کم وضع کی جائیں جو دو سے زیادہ الفاظ پر مشتمل ہوں۔

عربی سے مفرد الفاظ لے کر آریائی طریقہ ترکیب سے مرکب اصطلاحیں بنائی جائیں۔

دیگر زبانوں کے الفاظ میں تصرف کیا جائے اور نیا لفظ گھڑا جائے بشرطیکہ زیادہ اجنبی نہ ہو۔

اصطلاح بناتے وقت اس کی وہ خصوصیت پیش نظر رہنی چاہیے جس کے لیے اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اگر انگریزی اصطلاح میں معنی کی نمایاں جھلک موجود نہ ہو یا تو اس شے کی غلط خاصیت ظاہر کی گئی ہو تو لفظی ترجمہ کرنے کی بجائے آزادانہ نئی اصطلاح وضع کی جائے۔

ایک اصطلاح مختلف معنوں کے لحاظ سے مختلف علوم میں استعمال کی جا سکتی ہے اگر کوئی انگریزی اصطلاح مختلف علوم میں مختلف معانی میں مستعمل ہو تو اس مشترک اصطلاح کا اردو مترادف بھی ایک ہو اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہر اصطلاحی معنی کے لیے جداگانہ لفظ تجویز کرنا موزوں ہوگا۔

انگریزی مفرد اصطلاح بھی مفرد ہونی چاہیے تاگزیر صورت میں
مرکب اصطلاح بنا لی جائے۔

اعلام کو ایسے ہی لکھا جائے جیسے کہ وہ اردو میں مروج اور مقبول
ہو چکے ہیں۔

اصطلاح کے لیے آسان اور متبادل ہونا ضروری نہیں۔ اصطلاح
اور عام زبان میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

بین الاقوامی اصطلاحات چوں کی توں لے لینی چاہئیں۔

انگریزی اصطلاح سبک اور سہل ہو اور اردو مزاج کے قریب ہو۔

جدید ایجادات و مصنوعات جن میں سے بعض اپنے مغربی موجدوں
کے نام سے وابستہ ہیں۔ ان کو بجنسہ لے لینا مناسب ہوگا۔

وہ الفاظ جو جدید زندگی کا لاینفک حصہ بن چکے ہیں اور جدید معاشرتی
حقیقتوں سے ابھرے ہیں اور اب مانوس و مقبول ہو چکے ہیں انہیں
باقی رکھا جائے۔

درج بالا " اصول وضع اصطلاحات " کی صحت اور جواز کے لیے مقتدرہ قومی زبان
نے قومی سطح پر ایک سیمینار کا فیصلہ کیا جس میں ملک بھر سے مقتدر سکالرز نے
شرکت کی اور تین دن کی گفتگو، مختلف مباحث اور مشترکہ فیصلوں کی روشنی میں یہ بات
سامنے آئی کہ مقتدرہ قومی زبان نے جو طرز اختیار کیا ہے وہ موجودہ تقاضوں کے عین مطابق،
سائنسی نکتہ نظر سے صائب اور تکنیکی اعتبار سے مناسب ہے۔

مقتدرہ قومی زبان نے اصطلاح سازی کے کام کو انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں
پر آگے بڑھانے کی سعی کی۔ اصطلاحات کی کتب انفرادی طور پر تیار کروائی گئیں جن کو
نظر ثانی کے بعد شائع کر دیا گیا اور کئی اصطلاحات کی کتب کی معیار بندی کی گئی۔ اس

حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقتدرہ نے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عصری جینیس کو استعمال کرنے کی کوشش کی تاکہ مقتدرہ کے پلیٹ فارم سے وضع ہونے والی اصطلاحات خاص و عام ہر دو سطحوں پر قابلِ قبول ہوں اور انہیں روزمرہ میں استعمال کیا جا سکے۔

مقتدرہ نے جہاں ترجمے کی رفتار کو ترجیحی بنیادوں تیز رکھا وہیں اس کے معیار کے لیے بھی بطور خاص انتظامات کیے۔ اس کی مثالیں وہ مجلسِ استنادہیں۔ جو ان اصطلاحات کی معیاربندی کرتی ہیں۔

مقتدرہ کی پہلی ترجیح یہ تھی کہ نظام دفتری سے متعلق زیادہ سے زیادہ موجود اور مروجہ انگریزی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تاکہ نظام دفتری کو اردو کی طرف منتقل کرنے کی راہ میں موجود رکاوٹ کو دور کیا جا سکے۔ مقتدرہ کا دوسرا قدم نظام دفتری میں استعمال ہونے والی اصطلاحات، محاورات، فقرات اور جملوں کو مرتب کرنا ہے، جس میں مقتدرہ نے معتبر پیش رفت کی اس کی مثال "دفتری ترکیبات محاورات اور فقرات کی لغت" ہے۔ انگریزی الفاظ ترکیبات، جملوں اور محاورات کے اردو متبادل اس لغت میں شامل کیے گئے ہیں تاکہ الفاظ کے استعمال میں جو مشکلات درپیش ہیں ان کو رفع کیا جا سکے۔

اب آئیے ایک نظر اصطلاح سازی کے عمل پر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے اس پر گفتگو ہو چکی ہے کہ اصطلاح سازی انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں پر ہوتی ہے مگر اس کے استعمال سے قبل اس پر اس شعبہ سے متعلق کسی ماہر سے سند ضرور حاصل کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ خاص طور پر انفرادی اصطلاح سازی کے عمل میں زیادہ درپیش ہوتا ہے۔

انفرادی اصطلاح سازی کی اہلیت کا جائزہ لینے کی ایک مثال مقتدرہ کی طرف سے شائع "اصطلاعات بیمہ" سے دی جا سکتی ہے۔ اس لغت کو ملک کے ممتاز ماہر لسانیات ڈاکٹر سہیل بخاری نے تیار کیا لیکن اس کی صحت (Validity) پرکھنے کے لیے نظرثانی کا کام انشورنس کارپوریشن کے جنرل مینجر جناب حفیظ ملک کو سونپا گیا جن کی رائے اور مشورے کے بعد کتاب شائع کی گئی۔

اسی طرح فنون طباعت و ترسیم کی لغت ڈاکٹر محمود الرحمان نے تیار کی۔ یہ کام زیادہ اہم تھا، چنانچہ اس کی پہلی نظرثانی علی عارف رضوی نے کی، حتمی نظرثانی کا کام پرنٹنگ کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب علمدار رضا نے انجام دیا ہے۔

اس عمل کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک ماہر کی مرتب لغت کو اس شعبے (جس پر لغت تیار کی گئی ہے) کے ماہر سے نظرثانی کرائی جاتی ہے۔ نظرثانی کے وقت زیادہ اختلافات ظاہر نہ ہوں تو کتاب شائع کر دی جاتی ہے اور اگر اختلافات زیادہ ہوں، تو اسے مجلس استناد میں یا اسی صیغہ خاص کے ماہرین کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

مقتدرہ قومی زبان نے اصطلاح سازی کو زیادہ سے زیادہ معتبر بنانے کے لیے چار مرحلے مقرر کر رکھے ہیں:

ایک ـــــ اصطلاحات سازی

دو ـــــ نظرثانی

تین ـــــ حتمی نظرثانی

چار ـــــ مجلس استناد کے ذریعے معیار بندی

پہلی سطح پر اصطلاحات کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے متعلقہ شعبے کے کسی ماہر کی خدمات

حاصل کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ترجمہ شدہ اصطلاحات کی نظر ثانی کے لیے اسی شعبہ کی کسی مقتدر شخصیت سے درخواست کی جاتی ہے۔ نظر ثانی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اصطلاحات کو حتمی نظر ثانی کے لیے اسی شعبے کی کسی اعلیٰ مجاز شخصیت کے سپرد کر دیا جاتا ہے تاکہ ان میں موجود خامیوں کو دور کیا جا سکے۔ آخر میں ان اصطلاحات کی مجلس استناد کے ذریعے معیار بندی کی جاتی ہے۔ مجلس استناد سے سند حاصل کرنے کے بعد ان اصطلاحات کو حتمی قرار دے دیا جاتا ہے۔

یہ سارا عمل اس بات کی ضمانت ہے کہ مقتدرہ میں اصطلاح سازی کا عمل مکمل طور پر سائنسی بنیادوں پر تکمیل پاتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ کوئی اصطلاح ایسی رائج نہ کی جائے جسے استعمال کرنے والے جبر محسوس کریں اس لیے میں نے اس سارے عمل کو سائنسی عمل سے تشبیہ دی کہ فکری اور تکنیکی ہر دو سطح پر مقتدرہ قومی زبان اصطلاح سازی کے عمل کو پورے فنی التزام کے ساتھ تشکیل دیتا ہے اس کی مثال درج ذیل گراف سے مل سکتی ہے:

انفرادی ترجمے اور وضع اصطلاحات کی معیار بندی کے مراحل
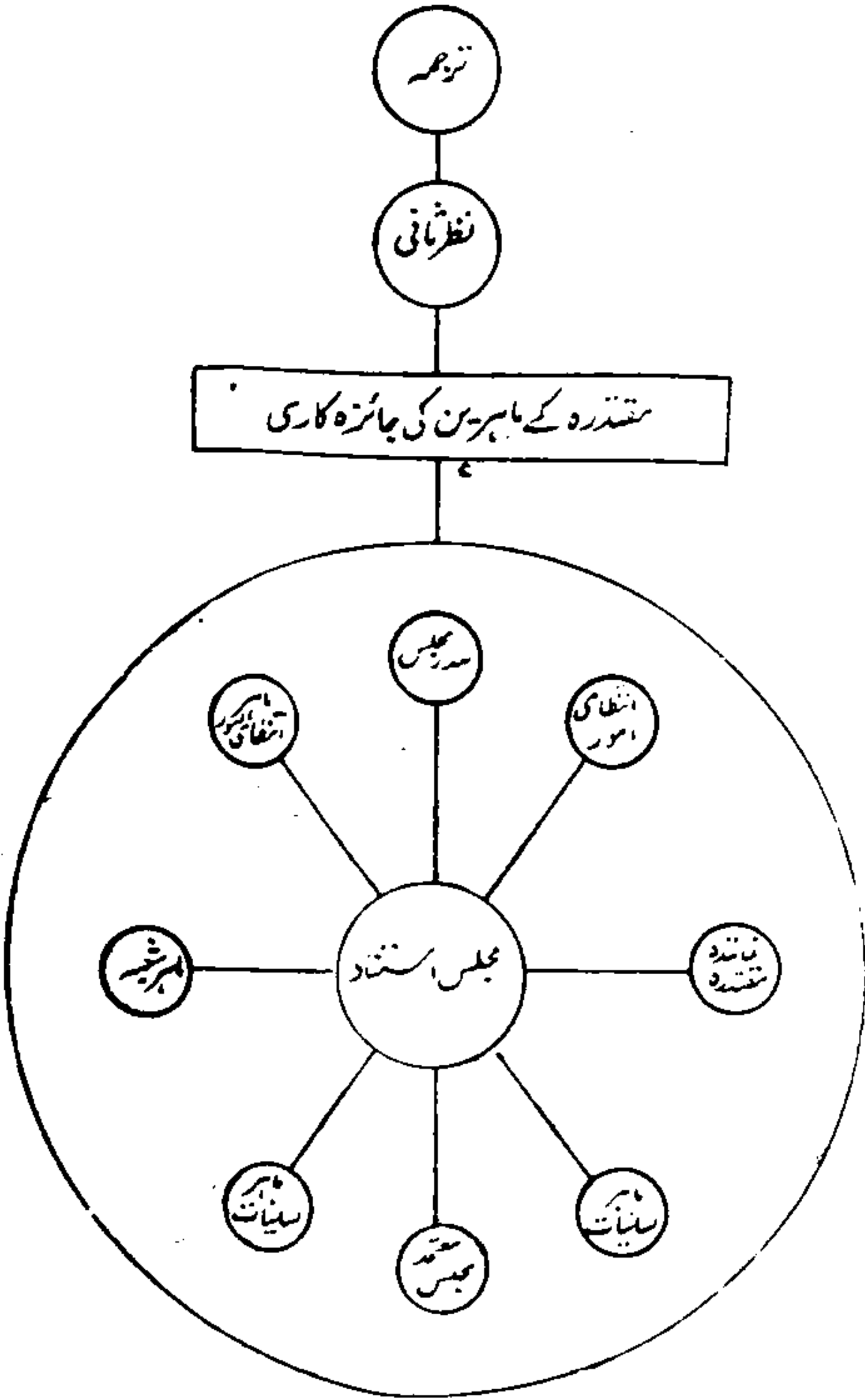
انفرادی سطح کے کام کے ساتھ ساتھ مقتدرہ قومی زبان نے اجتماعی سطح پر اصطلاح سازی کے کام کو انجام دینے کے لیے مختلف اقدامات کیے اور کئی اہم موضوعات پر

اصطلاح سازی کے لیے مشترکہ اصطلاح سازی کی روایت ڈالی۔ اس ضمن میں "اصطلاحات ریاضی"، "اصطلاحات فنیات"، "محکموں اور اداروں کے نام"، "وفاق و صوبائی عہدوں کے نام" وغیرہ کی اصطلاحات شامل ہیں۔

اصطلاحات ریاضی کے لیے ذیلی مجلس قائم کی گئی تھی جس میں ڈاکٹر ناظم حسین زیدی (صدر شعبہ ریاضی) جامعہ کراچی ڈاکٹر آصف قریشی (استاد ریاضی) اور جناب راشد کمال انصاری (استاد ریاضی) شامل تھے۔ جبکہ نظرثانی پروفیسر محمد انور جھٹی (صدر شعبہ فلکیات) پروفیسر ڈاکٹر خالد لطیف میر (شعبہ ریاضی) نے کی اور حتمی نظرثانی کا کام مجلس اصطلاحات کے کنوینر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے انجام دیا۔

اسی طرح محکموں، عہدوں اور اداروں کے ناموں کے لیے بھی مشترکہ اصطلاح سازی کے انداز کو اختیار کیا۔ اس ضمن میں ذیل میں دیا گیا چارٹ مفید ہو سکتا ہے:

اجتماعی اصطلاحات سازی کے مختلف مراحل
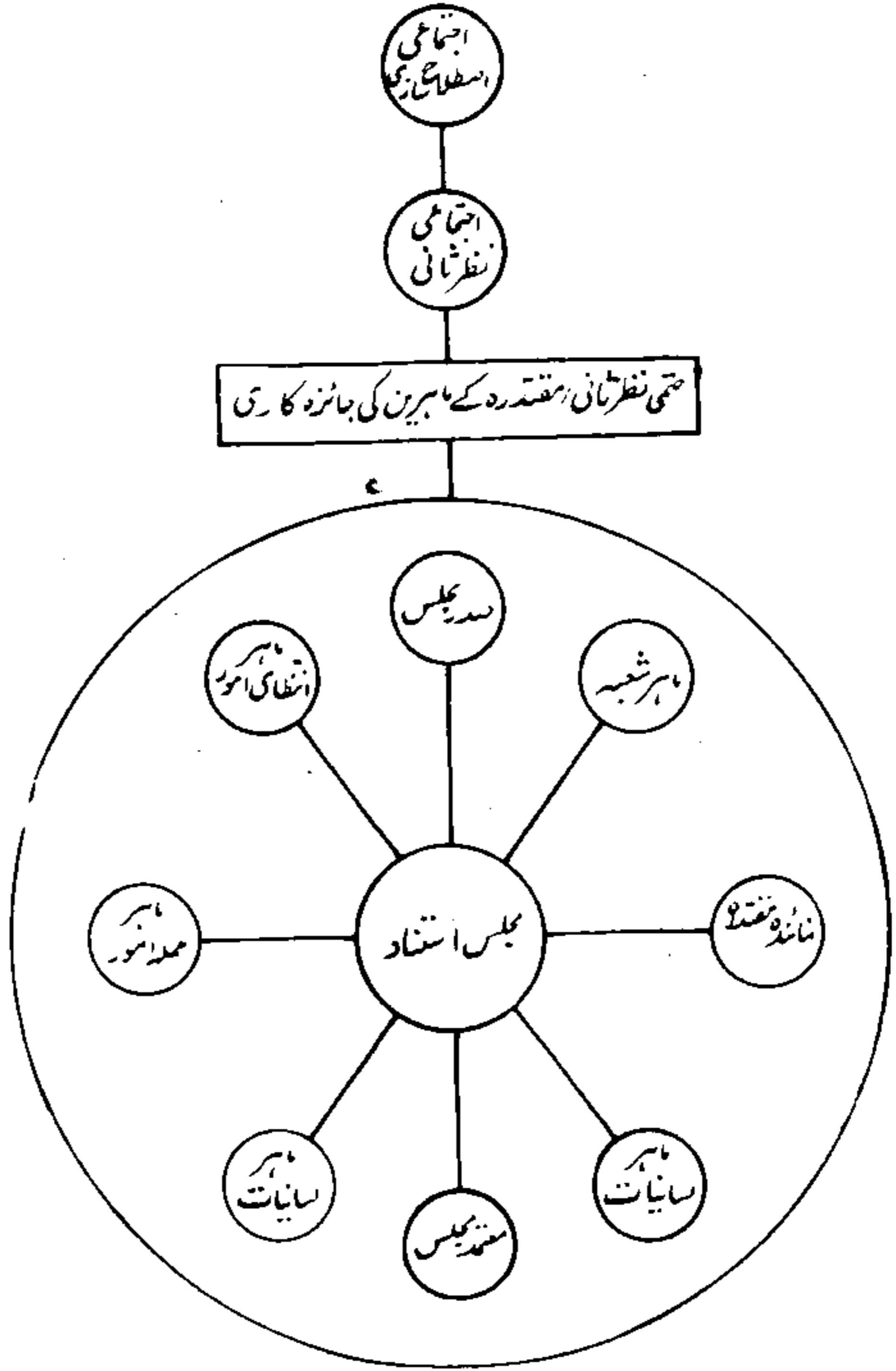
اسطلاحات پر بہالا یہ بات صادق ہے کہ اصطلاح اس وقت زندہ رہنے کی استعداد حاصل نہیں کرسکتی جب تک اسے عوام الناس کی سطح پر قبولیت حاصل نہ ہو

وہیں یہ بات بھی غلط نہیں ہے کہ کوئی بھی اصطلاح اس وقت تک سند حاصل نہیں کر سکتی جب تک علماء اس کی توثیق نہ کر لیں۔ علماء کے متفق ہونے پر ہی اصطلاح قبولیت عام کا شرف حاصل کر سکتی ہے۔ ایک اصطلاح کی قبولیت کے عموماً دو عمل ہوتے ہیں۔

پہلا عمل تو عمومی سطح پر انجام پاتا ہے لیکن اس طرح تشکیل پانے والی اصطلاح کے رائج ہونے میں برسوں کی ستیزہ کاری پس منظری کام کرتی ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ کار علماء کی سطح پر تکمیل پاتا ہے۔ مقتدرہ نے دونوں عمل یکساں جاری رکھے ہیں یعنی جہاں عوام الناس کی سطح پر مرتب ہونے والی اصطلاحات کو فوقیت دی ہے، وہیں علماء سے سند حاصل کرنے کے کام کو بھی بطریق احسن جاری رکھا ہے۔ اس کے لیے مقتدرہ کے زیر اہتمام مجالس استناد قائم کی گیئں، جن میں علمائے وقت کے ساتھ ساتھ متعلقہ اداروں کے ٹیکنوکریٹ رکھے گئے جنہوں نے سالہا سال دفتری نظام میں گزارے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بھی اصطلاحات وضع ہوئیں۔ ان کے استعمال کی اہلیت اور قبولیت کی استعداد کو پہلی سطح پر ہی جانچ لیا گیا۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ مقتدرہ کی طرف سے اصطلاح سازی اور معیار بندی کے کام کو حتمی قرار دینے کے اختیارات بھی مقتدرہ کو حاصل ہونے چاہییں، تاکہ اصطلاح کے مستعمل ہونے میں آسانی اور استعمال میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔

مقتدرہ نے کئی مجالس استناد قائم کیں جنہوں نے قابل لحاظ حد تک اصطلاحات کو عام ذہنی سطح تک رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مقتدرہ اپنی وضع کردہ کسی اصطلاح کو جبراً کسی پر ٹھونسنا نہیں چاہتا اور جو بھی اصطلاح وضع کرتا ہے اس کی سند اس شعبے کے ماہرین سے ضرور حاصل کرتا ہے۔ مقتدرہ کی قائم کردہ مجالس استناد کی ایک فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

درجہ بندی چارٹ (مالی) کی معیار بندی کے لیے جو مجلس استناد تشکیل دی گئی وہ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھی :

ڈاکٹر آفتاب احمد خان (صدر مجلس) سابق ایڈیشنل سیکرٹری۔
جناب قمرالدین صدیقی ۔ ایڈیشنل سیکرٹری فنانس
جناب خالد عمر فاروقی ایڈیشنل سیکرٹری کابینہ
جناب مجیب الرحمان مفتی ، سابق شریک معتمد
جناب پروفیسر کرم حیدری
جناب ڈاکٹر سعد اللہ کلیم
جناب شریف کنجاہی
جناب ڈاکٹر اعجاز راہی ، نمائندہ مقتدرہ

درج بالا مجلس استناد نے مالی معاملات کے مسودے درجہ بندی چارٹ (Chart of Classification) کے ترجمے کے ۰ ۷ اجلاسوں میں ۶۰۰۰ سے زائد اصطلاحات کی قریباً ایک سال میں معیار بندی کی۔ اسی طرح جن دوسرے مسودات کی معیار بندی کی گئی ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

"محکموں اور اداروں کے نام" اس مسودہ کی معیار بندی کے لیے جو مجلس استناد تشکیل دی گئی تھی اس میں :-

۱۔ جناب مختار مسعود ، سیکرٹری وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل۔
۲۔ جناب محمد ابن الحسن سید ، حسابدار اعلیٰ عسکری حسابات ۔
۳۔ جناب ممتاز مفتی ، نامور ادیب ۔
۴۔ جناب مختار علی (پر تو روہیلہ) کمشنر محکمہ محصولات آمدنی ۔

۵۔ جناب نیاز عرفان، سیکرٹری وفاقی ثانوی تعلیمی بورڈ۔
۶۔ ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، صدر شعبہ اردو علامہ اقبال فاصلاتی یونیورسٹی، اسلام آباد
نے شرکت کی۔

"وفاقی اور صوبائی عہدوں کے نام" کے مسودے کی معیار بندی مندرجہ ذیل ارکان
پر مشتمل مجلس استناد نے کی۔

جناب مختار مسعود، سیکرٹری وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل۔
جناب محمد ابن الحسن سید، حسابدار اعلیٰ عسکری حسابات۔
جناب ممتاز مفتی، نامور ادیب۔
جناب مختار علی (پرتو روہیلہ) کمشنر محکمہ محصولات آمدنی۔
جناب نیاز عرفان، سیکرٹری وفاقی ثانوی تعلیمی بورڈ۔
جناب ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، صدر شعبہ اردو علامہ اقبال فاصلاتی یونیورسٹی
اسلام آباد۔

"اصطلاحات حسابداری و محاسبی" اے جی پی آر کے جناب مسعود احمد چیمہ نے مرتب
کی اور نظر ثانی مندرجہ ذیل افراد نے کی:۔

۱۔ جناب محمد ابن الحسن سیّد، ناظم اعلیٰ عسکری حسابات۔
۲۔ جناب سید شوکت کاظمی، مشیر مالیات عسکری۔
۳۔ جناب محمد اظہار الحق، ڈپٹی سیکرٹری کلچر۔
۴۔ جناب محمد نصیر احسن، نائب ناظم عسکری حسابات۔

اس مسودے کی معیار بندی کے لیے مقتدرہ قومی زبان کی طرف سے مجلس استناد
میں شامل ارکان مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان، صدر مجلس

۲۔ جناب خالد عمر فاروقی ایڈیشنل سیکرٹری کابینہ ڈویژن۔

۳۔ جناب قمر الدین صدیقی، ایڈیشنل سیکرٹری، وزارتِ مالیات۔

۴۔ جناب مجیب الرحمان، جائنٹ سیکرٹری دفاع۔

۵۔ جناب کرم حیدری، ایڈیٹر "زکوٰۃ"

۶۔ جناب محمد شریف کنجاہی (معتمد)

۷۔ جناب تنویر احمد، جائنٹ سیکرٹری کابینہ ڈویژن۔ (جناب خالد عمر فاروقی کی جگہ شرکت کی)

۸۔ جناب عطش دُرانی (نمائندہ مقتدرہ)

اس مجلس نے بیس اجلاسوں میں اس مسودے پر غور کیا اور اصطلاحات کی معیار بندی کی۔

"کسٹم ایکٹ" حسین احمد شیرازی کی مرتب کردہ ہے اور اس مسودے کی معیار بندی کے لیے ترتیب دی گئی مجلس استناد میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:۔

۱۔ جناب آئی اے امتیازی (صدر نشین سی بی آر)

۲۔ جناب شیر محمد زمان، ناظم اعلیٰ ادارہ تحقیقات اسلامی۔

۳۔ جناب ڈاکٹر غلام ربانی آگرو، ناظم اعلیٰ اکادمی ادبیات۔

۴۔ جناب عبد الخالق اعوان، شریک معتمد اطلاعات۔

۵۔ جناب شریف کنجاہی۔

۶۔ جناب ڈاکٹر نصر اللہ کلیم۔

۷۔ جناب ڈاکٹر اعجاز راہی۔

۸۔ جناب حسین احمد شیرازی۔

مجالس استناد کی ترتیب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مقتدرہ اپنی وضع کردہ اصطلاحات کی سند متعلقہ شعبے کے ماہرین سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ان مجالس میں لسانیات کے ماہرین بھی شرکت کرتے ہیں۔ تاکہ وضع کردہ اصطلاحات میں کسی قسم کا کوئی سقم باقی نہ رہے۔ درجہ بندی چارٹ (مالی) کی معیار بندی کے لیے قائم کردہ مجلس استناد کی ترتیب کا جائزہ لینے سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مقتدرہ قومی زبان اصطلاحات بندی کے لیے تکنیکی، فنی اور لسانی کسی پہلو سے بھی کمزور اصطلاح سازی سے ہمیشہ گریز کرتا رہا ہے۔ اس مجلس کے صدر جناب ڈاکٹر آفتاب احمد خان اور معتمد جناب شریف کنجاہی تھے۔ اس میں جناب قمر الدین صدیقی (اضافی معتمد) ماہر مالیات، جناب خالد عمر فاروقی (اضافی معتمد) ماہر امور عملہ، جناب مجیب الرحمان مفتی (سابق شریک معتمد) ماہر انتظامی امور اور لسانیات کے ماہرین جناب کرم حیدری اور ڈاکٹر سعد اللہ کلیم کے علاوہ ڈاکٹر اعجاز راہی نے نمائندہ مقتدرہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقتدرہ کی وضع کردہ اصطلاحات کئی ماہرین سے سند حاصل کرتی ہیں اور یہ اصطلاحات حتمی ہوتی ہیں۔ ذیل میں دیے گئے گراف سے مجلس استناد کی ترتیب بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

مجلسِ استناد کی ترتیب

مجلسِ استناد کی ترتیب
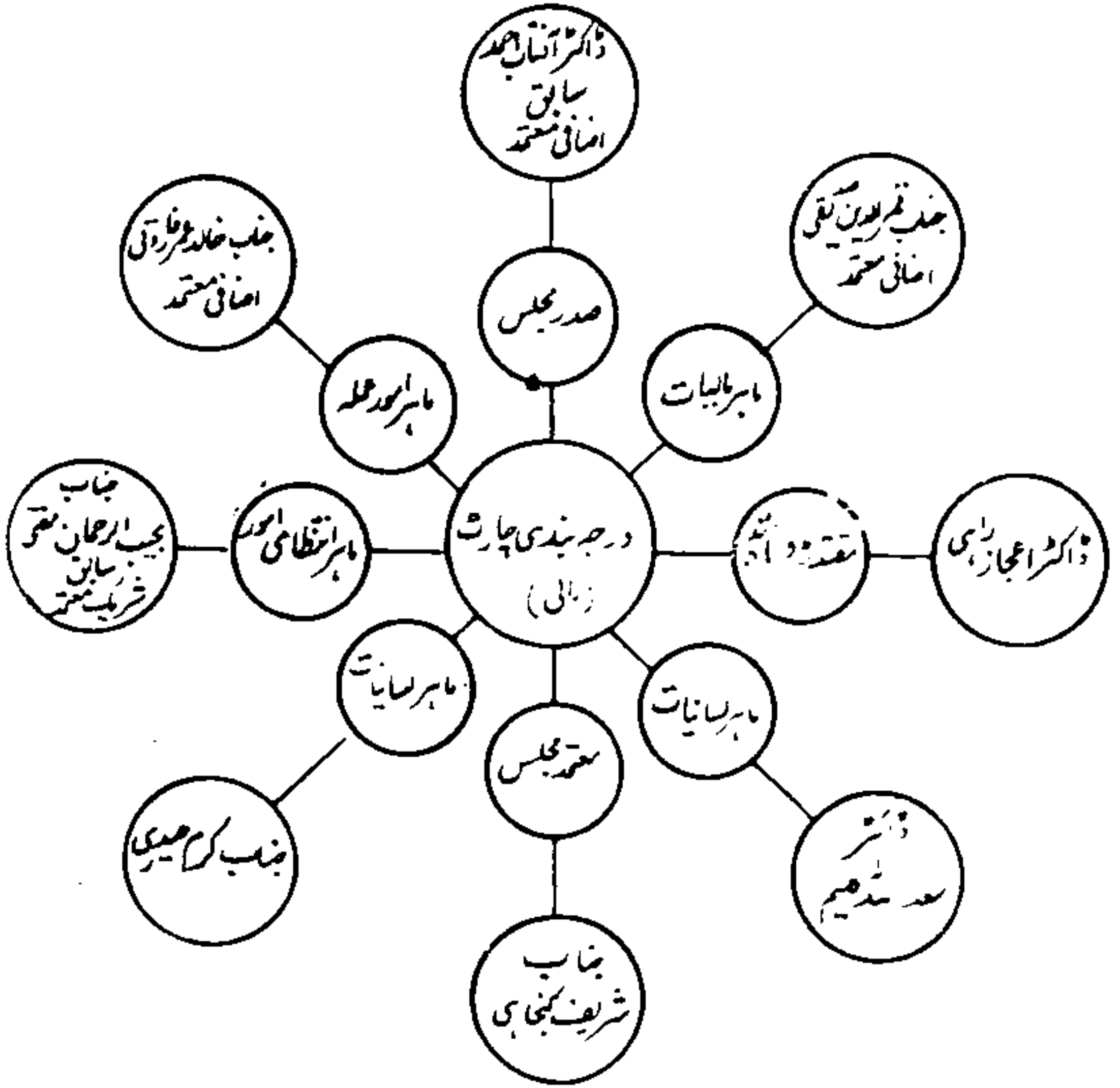
ترقیٔ اردو بیورو دہلی
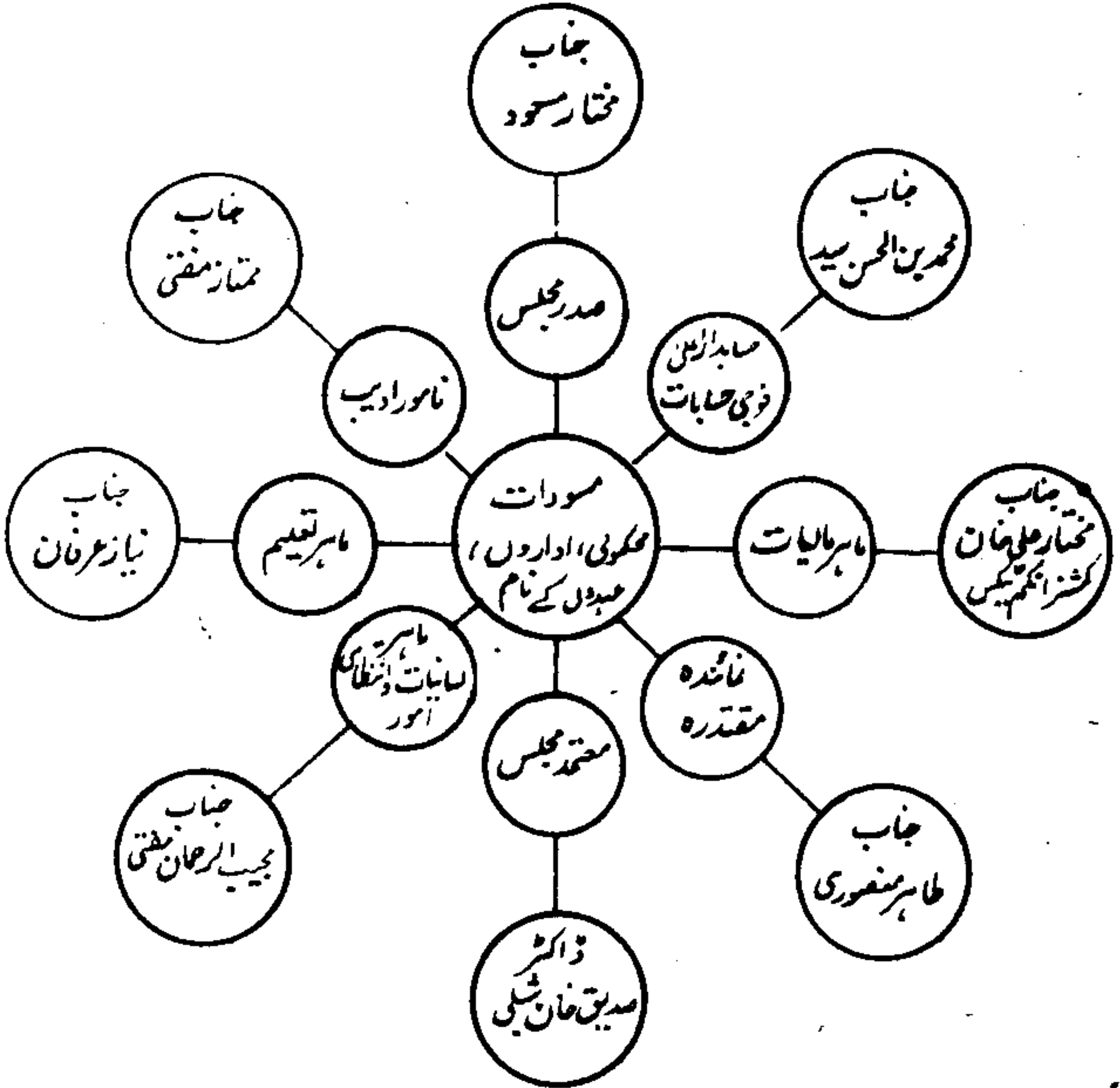
اُردو اصطلاح سازی کے رہنما اصول

اصطلاحات سازی ترقی اردو بیورو کے اہم کاموں میں سے ہے۔ اب تک اس میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔ یہ کام حسبِ ذیل رہنما اصولوں کی روشنی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے:۔

۱۔ ایسی اصطلاحوں کو ترجیح دی جانی چاہیے جو مروج یا مقبول ہو چکی ہوں، چاہے ان میں کوئی لسانی یا معنوی سقم ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ اگر کوئی اصطلاح ایک سے زائد معنوں میں مستعمل ہے تو ایسی صورت میں اس کے مختلف مفاہیم کو علیحدہ علیحدہ الفاظ پر اصطلاح سے واضح کیا جانا چاہیے۔

۳۔ اصطلاحوں اور عام الفاظ میں فرق کیا جانا چاہیے۔ عام الفاظ کو فرہنگ میں دا[illegible] کیا جانا چاہیے۔

۴ - کون سا لفظ اصطلاح ہے اور کون سا محض ایک عام لفظ۔ اس کا فیصلہ متعلقہ مضمون کے ماہرین کی رائے اور حسب ضرورت معیاری انگریزی لغات کی مدد سے کیا جانا چاہیے۔ اگر ایسی لغت/ لغات میں کسی لفظ کے کوئی خاص معنی یہ کہہ کر دیے گئے ہیں کہ یہ معنی کسی فن یا کسی علم سے مخصوص ہیں تو اس فن یا علم کے مقاصد کے لیے اس لفظ کو اصطلاح تصور کیا جائے گا۔

۵ - جہاں تک ممکن ہو سکے ایک اصطلاح کا ایک ہی اردو متبادل دیا جائے۔ بشرطیکہ وہ اصول نمبر ۲ کے ذیل میں نہ آتا ہو۔

۶ - جہاں تک ممکن ہو سکے اصطلاح یک لفظی ہی ہونی چاہیے۔ مگر ناگزیر صورتوں میں یہ دو لفظی بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی اصطلاحیں کم سے کم وضع کی جائیں، جو دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہوں۔

۷ - ہندی اصطلاحوں کو اختیار کرنے کو (اگر ایسی اصطلاحیں اردو میں بآسانی تلفظ اور تحریر کی جا سکتی ہوں) عربی اصطلاحوں کے اختیار کرنے پر مرجح سمجھا جائے۔

۸ - اگر کسی اصطلاح کو ایک سے زائد الفاظ کے ذریعے ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حسب ذیل ترکیبات کو نیچے دی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے ترجیح دی جائے گی:

ا - وہ ترکیبات جن میں اضافی یا حروف ربط و جار کی قسم کے الفاظ و علامات نہ ہوں۔

ب - وہ ترکیبات جن میں یائے نسبتی ہو۔

ج - وہ ترکیبات جن میں اضافت ہو (بشرطیکہ اگر ان میں ایک سے زائد اضافتیں ہوں) تو ان میں سے کم سے کم ایک کو کا، کے، کی سے بدل دیا جائے۔

د - وہ ترکیبات جن میں کا، کے، کی وغیرہ استعمال کیے گئے ہوں۔

ر - اگر ایک اصطلاح ایک سے زائد علم یا فن میں مشترک ہے اور ان سب علوم و فنون میں ایک ہی مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اردو متبادل بھی ہر جگہ ایک ہی رکھا جائے گا۔

۱۰۔ الفاظوں کو وضع کرنے کے اصولوں میں اتنی کشادہ دلی ہونی چاہیے کہ ہندی، عربی، فارسی یا عربی فارسی یا فارسی عربی اور پراکرت ترکیبات بھی قابل قبول ٹھہریں۔

۱۱۔ اگر کوئی انگریزی اصطلاح مروج ہو اور عام فہم ہو تو اسے برقرار رکھا جائے۔ ایسی عام فہم اصطلاحوں کے لیے اردو متبادلات بنانے یا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲۔ اعلام کو ایسا ہی لکھا جائے جیسے کہ اردو میں مقبول ہو چکے ہیں۔ البتہ ایسے اعلام جو ابھی مقبول نہیں ہوئے ہیں ان کو اردو حروفِ تہجی کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ممکن صحت کے ساتھ لکھا جانا چاہیے۔

۱۳۔ اگر کوئی علم کسی اصطلاح کا حصہ بن چکا ہے تو اس علم کا اصول نمبر ۱۱ کی روشنی میں اردو میں ترجمہ کیا جانا چاہیے۔

دہلی کالج کی مجلسِ ترجمہ کے اصول

1. جب سائنس کے کسی ایسے لفظ کا مترادف اردو میں موجود نہ ہو جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً سوڈیم، پوٹے سیم، کلورین وغیرہ تو وہ بجنسہٖ اردو میں لے لیا جائے۔ یہی اصول ان القاب و خطابات اور عہدوں کے متعلق بھی اختیار کیا جائے جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔
2. جب سائنس کے کسی ایسے لفظ کا ہم معنی اردو لفظ موجود ہے جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہے تو اردو لفظ استعمال کیا جائے مثلاً آئرن کے لیے لوہا، سلفر کے لیے گندھک، منسٹر کے لیے وزیر، سمنز کے لیے طلب نامہ۔
3. اگر لفظ مرکب ہے اور اس کے دونوں جز انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا ہم معنی لفظ اردو میں نہیں تو وہ بجنسہٖ ہی اردو میں منتقل کر جائے۔ مثلاً ہائی ڈرو کلورین کیونکہ ہائی ڈروجن اور کلورین کے ہم معنی لفظ اردو میں نہیں ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پورے انگریزی جملے کو اردو میں لے لیا جائے۔

۴۔ اگر لفظ مرکب ہے اور اردو میں اس کا کوئی ہم معنی لفظ نہیں مگر اس کے لیے دو اجزا کے الگ الگ مترادف اردو میں موجود ہیں تو یا تو ان دونوں کو ملا کر یا کسی دوسرے مساوی مفہوم کے الفاظ میں ترجمہ کر لیا جائے جیسے کرانولوجی کا ترجمہ علم زبان ہاؤس آف لارڈز کا کچہری امیروں کی، ہاؤس آف کامنز کچہری وکلائے رعایا کی یا صرف کچہری وکلا کی۔

۵۔ جب یہ قاعدہ یا قاعدہ ذیل آسانی سے مطابق نہ ہو تو پھر غیر زبان کا لفظ اردو میں لے لیا جا سکے جیسے ہائیڈروجن، نائٹروجن وغیرہ۔

۶۔ اگر مرکب لفظ ایسے دو مفرد الفاظ سے بنا ہے جن میں سے ایک کا مترادف اردو میں موجود ہے مگر دوسرے کا مترادف نہیں تو ایک انگریزی اور دوسرا اردو سے مرکب بنا لیا جائے۔

۷۔ بعض لفظ ایسے ہیں جیسے آرڈر، کلاس، جینس، سپیشیز جن کے مترادف اگرچہ کسی نہ کسی صورت میں اردو میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کر لیے جائیں تو مناسب ہوگا کیوں کہ اردو میں اس قبیل کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ ان الفاظ کے معنی کا امتیاز نیچرل ہسٹری میں بہت اہم ہے۔

۸۔ درختوں کے انواع (یا خاندانوں) کے نام یا تو اس نوع (خاندان) کے کسی ممتاز فرد کے نام پر رکھے جاتے ہیں یا نوع کے بعض مشترک خواص کی بنا پر نام رکھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی پابندی اردو میں بھی کی جائے۔ اگر یہ زیادہ سہل اور کارآمد ثابت ہو کہ ہر نوع